انصاف مخلوق کی بقا کا باعث اور
ظلم رعیت کی ہلاکت کا موجب ہے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے

تحقیق و ترتیب
محمد عبد اللہ مدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فیصلے

تالیف

عبداللہ مدنی

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

نام کتاب ——— سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فیصلے

تالیف ——— عبداللہ مدنی

ناشر ——— باہتمام
مشتاق احمد ● سلمان خالد

پروف ریڈنگ ——— ملک محمد جنید

کمپوزنگ ——— رانا شیراز احمد

بسم اللہ گرافکس اینڈ رافا پرنٹرز
وحید پلازہ پل شوالہ ملتان، 0300-7318797

پرنٹرز ——— اسد نیر پرنٹرز لاہور

قیمت ——— 180 روپے

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی کمپوزنگ کی غلطی ہو تو ادارہ کو اطلاع فرما کر اپنا دینی فرض پورا کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ شکریہ

فہرست عنوانات

حرف آغاز

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی ان عظیم شخصیات میں سے ایک ہیں جنہیں چودہ صدیوں سے ارب ہا انسانوں نے امت کا محسن قرار دے کر ان کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ انسانوں کے اس خراج تحسین کی اصل بنیاد خود رب العالمین کے اس خراج تحسین پر قائم ہے جو قرآن کریم کے اوراق پر چودہ صدیوں سے مرقوم چلا آتا ہے اور جب تک اللہ کی آخری کتاب دنیا میں پڑھی جاتی رہے گی، اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے والے لوگ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پُرعظمت شخصیت کی عقیدت واحترام کو اپنا عقیدہ قرار دیتے رہیں گے، قرآن کریم میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه۔

اسلام میں پہلے پہل سبقت کرنے والے خوش نصیب جنہوں نے اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں ان مہاجرین کو خوش آمدید کہہ کر ان کی مدد و نصرت کے ذریعے اسلام کو سربلند کیا، یا بعد کے زمانوں کے وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین وانصار سے محبت کرتے ہوئے ان کی پیروی اختیار کی اللہ تعالٰی ان سے

راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے......!

یہ اس آیت مبارکہ کا مفہومی ترجمہ ہے اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جن کا شمار اسلام کے ''سابقون الاولون'' میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جس وقت اسلام قبول کیا، اس وقت تک صرف تین افراد کو یہ شرف حاصل ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر ہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے راستے میں ایک بار حبشہ کی طرف اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول ﷺ کے ہمراہ ہجرت کی اور بعدازاں حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ تاریخ انسانیت کے وہ واحد اور منفرد شخص ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں نکاح میں دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ غنی (مالدار) شخص تھے، اور اپنے مال و دولت کے سبب اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

مدینہ منورہ میں بئیر رومہ نامی کنویں کی خریداری کا مسئلہ ہو یا جیش عسرت (غزوۂ تبوک) کے موقع پر اسلامی لشکر کی ضروریات کا مسئلہ، آپ رضی اللہ کی دولت نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی مشکلات کو آسانی میں بدلا۔

آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جو بیعت رضوان کا سبب بنی، رسول اللہ ﷺ نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ خود پر واجب قرار دے کر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی اور اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ وہ عظیم شخصیت ہیں جنہیں بعداز وفات رسول ﷺ خلیفہ اول بلافصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے معتمد اور مشیر خاص ہونے کا شرف حاصل رہا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جنہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد

خلیفہ ثالث کے طور پر منصب خلافت پر فائز ہونے اور بارہ سال تک اسلام اور مسلمانوں کی بے پناہ خدمات سرانجام دینے کا شرف حاصل ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کے سنہری دور خلافت میں اسلام کی فتوحات کا دائرہ عرب وعجم کے علاوہ سمندری جزائر تک پھیل گیا اور اسلام کا پرچم پہاڑوں میدانوں اور صحراؤں کے بعد سمندر میں بھی لہرانے لگا۔

زیر نظر کتاب آپ رضی اللہ عنہ کے ان فیصلوں پر مشتمل ہے جو آپؓ نے قبول اسلام سے لے کر بلوائیوں، سبائیوں کے ہاتھوں اپنی شہادت کے سانحۂ فاجعہ تک صادر فرمائے، ان فیصلوں سے آپؓ کی فہم وبصیرت، تدبر وتفکر اور اسلام و مسلمین کیلئے بے پناہ شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض معترضین و معاندین کے الزامات کا غبار چھٹتا اور آپ رضی اللہ عنہ کی بے داغ شخصیت کے وہ پہلو سامنے آتے ہیں، جنہیں چھپانے اور دھندلانے کیلئے چودہ صدیوں میں مسلسل محنت کی گئی، اور اب بھی کی جارہی ہے۔

راقم السطور جناب مکرم مشتاق احمد بٹ صاحب اور برادرم سلمان بٹ صاحب کا شکرگذار اوران کی صحت وعافیت کیلئے دعاگو ہے جنہوں نے کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا۔

محمد عبداللہ مدنی

پہلا باب

حیات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم
میں
سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
کے فیصلے

☆...... قبول اسلام
☆...... دامادی رسول ﷺ
☆...... ہجرت حبشہ
☆...... ہجرت مدینہ
☆...... بئر رومہ
☆...... غزوۂ بدر
☆...... غزوۂ احد اور دیگر غزوات
☆...... بیعت رضوان تا وفات رسول ﷺ

حضرت عثمان غنیؓ کا قبول اسلام کا فیصلہ

مکہ کا بیشتر علاقہ غیر زرعی ہے صرف طائف کی زمینیں کچھ زرخیز ہیں اور ان سے غذائی پیداوار حاصل ہو جاتی ہے، اسی لئے قریش کا عام پیشہ تجارت تھا جس میں انہوں نے بڑا تجربہ اور شہرت حاصل کی تھی، حضرت عثمان ص قریش کے ان چند ممتاز لوگوں میں سے تھے جو نوشت وخواند جانتے تھے، آپ نے بھی قریش کے عام مذاق کے مطابق تجارت ہی کو ذریعہ معاش بنایا تھا اور کپڑے کے کاروبار میں بڑی ترقی حاصل کی تھی، آپ کے کاروباری سلسلے کا تعلق زیادہ تر ملک شام سے تھا۔

حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک اور صالح انسان تھے، شراب، جوا اور زنا عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ اپنی فطری سلامت روی کے باعث ان چند اکابر قریش میں سے تھے جو ان چیزوں سے نفرت کرتے تھے، ایک مرتبہ خود ارشاد فرمایا کہ

"میں نے زمانہ جاہلیت میں اور اسلام لانے کے بعد نہ کبھی شراب پی ہے اور نہ زنا کیا ہے اور نہ گانے بجانے سے رغبت کی ہے!"

طبیعت کی اسی نیکی اور سلامت روی کے باعث حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر تیس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے خود ان کے قول کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چوتھا نمبر ہے اور سابقین اولین میں شامل ہیں، اپنے قبول اسلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر جب ہم نے حاضر خدمت ہونے کا ارادہ کیا تو ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی تشریف لے آئے اور فرمایا:

عثمانؓ! "میں مخلوق خدا کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہوں، تو بھی خدا کی جنت قبول کر!" ان دو جملوں میں نہ معلوم کیا تاثیر تھی کہ اسی وقت کلمہ شہادت زبان پر جاری ہو گیا۔

صدیق اکبرؓ کی دعوت قبول اسلام کا سبب بنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں دعوت اسلام کا آغاز کیا تو آپ

کی آواز پر جس شخص نے سب سے پہلے لبیک کہا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے جب اسلام کی روشنی سے اپنے دل کو منور کیا تو اس روشنی کی اشاعت کے لیے آپ نے اپنا سارا اثر ورسوخ استعمال فرمایا اور جو جو شخص آپ سے ملتا یا جس جس شخص پر آپ کا کچھ اثر تھا، آپ اسے دین اسلام کی دعوت دیتے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت ہی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دی۔ دوران گفتگو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر خدمت ہو کر اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے' لیکن ابھی یہ بزرگ خیال ہی کر رہے تھے کہ خود جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتحیات تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''عثمان! خدا کی جنت کو قبول کر' میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت و راہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں''۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ! فرماتے ہیں کہ زبان رسالت کے یہ صاف اور سادہ جملے میرے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں داخل ہو گئے اور میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

قبول اسلام کی کہانی خود اپنی زبانی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ! اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دن گھر گیا تو میری خالہ سعدی کو اہل خانہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میری خالہ علم کہانت سے بھی آشنا تھیں مجھے دیکھتے ہی درج ذیل اشعار کہنے لگیں۔

اے عثمان! تم کو خوشخبری ہو اور سلامتی ہو، تین دفعہ' تین دفعہ اور تین دفعہ اور ایک دفعہ تاکہ پورے دس ہو جائیں تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ رہا، بخدا تو نے ایک نہایت پاکباز اور حسین عورت سے نکاح کیا تو خود بھی کنوارا ہے اور تیری شادی بھی دوشیزہ سے ہوگی۔

مجھے اپنی خالہ کے ان الفاظ سے بڑا تعجب ہوا اور اسی تعجب کی حالت میں' میں نے

اپنی خالہ سے پوچھا کہ خالہ! تم نے یہ کیا الفاظ کہے ہیں۔ اس پر میری خالہ نے پھر یہ درج ذیل شعر پڑھے

ترجمہ: اے عثمان! اے عثمان! اے عثمان! تیرے لیے جمال بھی ہے اور شان بھی، یہ نبی ہیں اور ان کے ساتھ براہین بھی ہیں، رب الجزاء نے ان کو بھیجا ہے حق کے ساتھ، ان پر حق تعالیٰ کا کلام اترتا ہے اور فرقان بھی، پس تو اس کی تابعداری کر' ایسا نہ ہو کہ بت تجھے گمراہ کر دیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ! فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اے خالہ! تیری باتیں میری سمجھ سے بالا ہیں کیونکہ تو نامعلوم اشیاء کا نام لے رہی ہے''۔ اس پر میری خالہ نے جواب دیا:

محمد بن عبدالله' رسول من الله' بتنزل الله' يدعوالى الله' قوله صلاح' و دينه فلاح امره نجاح' ما ينفع الصياح لووقع الرماح' وسلت الصفاح' ومدت الرماح

''محمد بن عبداللہ' اللہ رب العزت کے رسول اور پیغمبر ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اللہ کا کلام لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں' ان کا قول انسانیت کے لیے سراپا بہتری' ان کا دین فلاح کا ضامن اور ان کا حکم باعث نجات' ان کے سامنے کسی کی چیخ و پکار فائدہ نہیں دیتی اگرچہ کتنے ہی نیزے اور تلواریں اس کے مقابلہ میں چلائی جائیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ! فرماتے ہیں کہ اپنی خالہ کا کلام میرے دل میں اثر کر گیا اور میں سوچ میں پڑ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ! سے میرے تعلقات پہلے ہی سے بڑے گہرے تھے میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ! نے مجھے متفکر دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے خالہ کی ساری باتیں انہیں سنائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ! نے کہا:

''عثمان! تم بڑے ذہین آدمی ہو اور حق و باطل کے فرق کو نہایت اچھے طریقے سے سمجھتے ہو۔ یہ بت جن کی بندگی میں ہماری پوری قوم مبتلا ہے'

اندھے اور بہرے ہیں۔ یہ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان"۔
سیدنا عثمان ؓ! کہتے ہیں کہ میں نے کہا "بخدا آپ نے بالکل صحیح فرمایا"۔ اس پر سیدنا ابوبکر ؓ! نے کہا:

"عثمان! تمہاری خالہ نے بالکل صحیح کہا۔ محمد بن عبداللہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ نے اپنا پیغام دے کر ان کو انسانیت کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ تم اگر مناسب سمجھو تو آپ کی خدمت اقدس میں جا کر آپ کا کلام سنو"۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا۔ سیدنا ابوبکر ؓ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اٹھے اور آپ کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا۔ آپ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"اے عثمان! اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے اس کو قبول کرو۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا ہوں"۔ سیدنا عثمان ؓ! فرماتے ہیں کہ بخدا آپ کا کلام سنتے ہی میں ایسا بے اختیار ہو گیا کہ

"میں فوراً اسلام لے آیا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ وحدہ لا شریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں"۔

قبول اسلام پر خالہ کے اشعار

چند سال گزرے کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ ؓ میرے نکاح میں آئیں۔ اس پر بھی میری خالہ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ اللہ رب العزت نے اپنے بندے عثمان ؓ کو ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ ہی راہ حق کی ہدایت دیتا ہے۔

۲۔ عثمان ؓ نے اپنی پختہ اور صحیح رائے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ وہ اروئی کا بیٹا تھا اور حق سے اعتراض نہ کیا۔

۳۔ اس پیغمبر نے اپنی ایک صاحبزادی اس کے نکاح میں دے دی اور یہ اجتماع ایسا تھا جیسے سورج اور چاند افق میں ملتے ہیں۔

۴۔ اے ہاشم کے صاحبزادے! میری جان آپ پر قربان۔ آپ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق خدا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

(''البدایۃ والنہایۃ'' ج ۷، ص ۱۹۸، ۱۹۹، ''اصابہ'' ج ۱، ص ۳۲۷، ''الریاض النضرۃ'' ج ۱، ص ۸۵، عثمان بن عفان، عباس محمود العقاد، ص ۵۷)

اسلام لانے میں آپ ؓ کا نمبر چوتھا ہے

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں

کان ابوبکر مولفاً لقومه فجعل یدعوالی الاسلام من یثق به فاسلم علی یدیه فیما بلغنی الزبیر وطلحه و عثمان۔

''ابوبکر ؓ اپنی قوم کے بہت خیر خواہ تھے، جو شخص بھی آپ پر اعتماد کرتا آپ اسے اسلام کی دعوت دیتے، چنانچہ آپ کے ہاتھ پر سیدنا زبیر ؓ سیدنا طلحہ ؓ اور سیدنا عثمان ؓ ایمان لائے''۔

(''الاصابہ'' ج ۵، ص ۴۵۵)

اسلام لانے میں آپ ''السابقون الاولون'' میں سے ہیں۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام لانے میں آپ کا نمبر چوتھا ہے۔ ان سے قبل صرف تین شخص اسلام لائے تھے، چنانچہ اپنے ایام محاصرہ میں باغیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے تھے:

انی لرابع اربعه فی الاسلام

''میں قبول اسلام کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہوں''۔

(''تاریخ الخلفاء'' ص)

گویا سیدنا علی ؓ اور سیدنا عثمان ؓ اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے آپس میں قریب تر ہیں، اسی وجہ سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا عمر ؓ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے موقع پر سیدنا علی ؓ اور سیدنا عثمان ؓ دونوں کی یہ مشترکہ خصوصیت بیان

فرماتے ہیں:

قرابة من رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم والقدم فی الاسلام

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں کی قرابت ہے (یعنی دونوں داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اور اسلام لانے میں دونوں قدامت کے حامل ہیں''۔

(صحیح بخاری)

طبری کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں قیام پذیر ہونے سے قبل آپ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔

(''صحیح بخاری'' ج ۳' ص ۴۴۴)

طبقات ابن سعد کی روایت

ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول اسلام کی دعوت دی جسے انہوں نے فوراً قبول کر لیا، طبقات ابن سعد میں یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبول اسلام کی نیت سے حاضر خدمت ہوئے تو عرض کیا، یارسول اللہ! میں حال ہی میں ملک شام سے آرہا ہوں، ہم لوگ معان اور زرقاء کے درمیان استراحت کر رہے تھے تو ہم نے نیم بیداری کی حالت میں کسی پکارنے والے کو سنا، وہ کہہ رہا تھا: ''اے سونے والو! جلدی کرو، احمد نام کے پیغمبر مکہ میں ظاہر ہو چکے ہیں'' میں اسی آواز پر لبیک کہتا ہوا حاضر خدمت ہوا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اخیافی بہن ام کلثوم بھی ابتدائی دور کے اسلام قبول کرنیوالوں اور مہاجرین اولین میں سے ہیں، ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی قریشی خاتون ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، ان کے بعد زبیر بن العوام سے

منسوب ہوئیں۔ حضرت عثمان ﷺ کے دوسرے تمام بہن بھائی فتح مکہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عثمان ﷺ کے قبول اسلام کے اگلے دن عثمان بن مظعون ﷺ، ابو عبیدہ بن الجراح ﷺ، عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ، ابو مسلمہ ﷺ ابن عبدالاسد، اورارقم ابن ارقم ﷺ مسلمان ہوئے اوران حضرات کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کی تعداد اڑتیں ہو گئی اور آپ دارارقم میں پناہ گزین ہو گئے۔

قبول اسلام پر شدائد کا سامنا

اسلام قبول کرنے پر حضرت عثمان ﷺ! کے چچا حکم ابن ابی العاص نے انہیں رسی سے باندھ کر زدوکوب کیا اور کہا کہ تو نے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کیا ہے بخدا میں تجھے اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک تو اس نئے مذہب کو ترک نہیں کردیگا۔ مگر ان کی ثابت قدمی اور استقلال سے مجبور ہو کر وہ ان کی بندش کھول دیتا اور پھر یہی عمل دہراتا لیکن آپ کے استقلال میں جنبش نہ ہوئی تو تھک ہار کر خاموش ہو گیا۔ آپ کی والدہ اُروی کو بھی ان کے قبول اسلام پر بہت صدمہ ہوا اور وہ ناراض ہو کر اپنے بھائی عامر بن کریز کے گھر جا بیٹھیں اور پورے ایک سال بعد اپنے گھر واپس آئیں۔

دامادی رسول ﷺ کا شرف

آپ ؓ ذوالنورین کیسے بنے!

اسلام کے قبول کرنے کے بعد سیدنا عثمان ؓ کو وہ شرف وفضیلت حاصل ہوئی جوان کی کتاب مناقب وفضائل کا سب سے درخشاں باب ہے اور جس پر وہ جتنا ناز کریں کم ہے اور وہ شرف وفضیلت ہے "دامادی رسول" یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم سلام اللہ علیہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ ؓ کے نکاح میں آئیں اور یہ وہ شرف ہے جو پوری انسانی تاریخ میں کسی شخص کو حاصل نہیں ہوا۔ گویا یہ آپ کی ایک خاص خصوصیت ہے۔

تاریخ انسانیت میں حضرت عثمان ؓ کا امتیاز

علامہ سیوطیؒ اس نکاح کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"علماء کا قول ہے کہ سیدنا عثمان ؓ کے علاوہ (پوری تاریخ انسانیت میں) کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس نے کسی نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو۔ اسی وجہ سے آپ کو "ذوالنورین" (دو نوروں والا) کہا جاتا ہے"۔

"بیہقی" نے سنن میں عبداللہ بن عمر بن ابان الجعفی سے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے ماموں حسین الجعفی ؓ نے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ سیدنا عثمان ؓ کو "ذوالنورین" کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا، نہیں۔ انہوں نے کہا کہ خلقت آدم سے لے کر قیامت تک سیدنا عثمان ؓ کے سوا اور کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں جمع نہیں ہوئیں۔ اس لیے انہیں "ذوالنورین" کہا جاتا ہے۔

علی ﷛ نے ایک مرتبہ ایک سوال کے جواب میں سیدنا عثمان بن عفان ﷛ کے بارہ میں فرمایا

''یہ وہ شخص ہے جس کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور ان کے نکاح میں آپ کی دو صاحبزادیاں آئیں''۔

(''تاریخ الخلفاء للسیوطی'')

اپنے داماد کیلئے سرور دو عالم ﷺ کی دعا

ابن عبدالبرؒ آپ کی اس خاص خصوصیت کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ اس نکاح سے آپ جہنم کی آگ سے بھی آزاد ہو گئے' کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی کہ ''میرے داماد اور سسرال کو جہنم کی آگ سے آزاد فرمانا''۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا کو یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں دیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے علاوہ بھی اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو وہ بھی میں ان کے نکاح میں دے دیتا۔ اور یہ بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میرے داماد اور میرے سسرال کو ہرگز جہنم میں داخل نہ فرمانا''۔

(استیعاب)

جب آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا وفات پا گئیں تو اسی زمانہ میں سیدنا عمر ﷛ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ ﷛ بیوہ ہو گئیں اور سیدنا عمر ﷛ یہ چاہتے تھے کہ اپنی بیٹی کا نکاح سیدنا عثمان ﷛ سے کر دیں سیدنا عثمان ﷛ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر ﷛ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں خود حفصہ ﷛ سے نکاح کر لوں اور عثمان ﷛ کو حفصہ ﷛ سے بہتر

اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نکاح میں دے دوں۔

("استیعاب")

اس نکاح کے بارہ میں علامہ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن عساکرؒ وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد کے دروازہ پر ملے اور فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ یہ جبریل ہیں اور مجھے خبر دیتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تجھ سے کر دیا ہے' رقیہ کے برابر حق مہر پر اور اس حسن سلوک پر جو حسن سلوک تم رقیہ سے کرتے تھے''۔

(''البدایۃ والنہایۃ'' ج ۷' ص ۲۱۴)

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض لوگ سادہ دل مسلمانوں کو ایک مغالطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب خدیجۃ الکبریٰ سے صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ سیدہ زینب' سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہن یا تو (۱) سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کی پچھلے شوہر سے تھیں یا پھر (۲) ویسے ہی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تھیں۔

یہ مغالطہ اور شبہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم خود اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

یا ایھا النبی قل لا زواجك وبنا تك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن ذالك ادنی ان یعرفن فلا یوذین وکان الله غفوراً رحیماً۔ (احزاب:۵۹)

''اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ نیچے لٹکائیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں' اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کی تحقیق

اس آیت میں حق جل وعلا شانہ نے ''بنات'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ لفظ ''بنات'' بنت کی جمع ہے اور عربی زبان میں جمع کا لفظ کم از کم تین افراد پر بولا جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں ''بنات'' سے مراد امت کی عورتیں اور بیٹیاں ہیں تو اس شبہ کا جواب حق تعالیٰ نے خود ہی اگلے لفظ نساء المومنین (مومنوں کی عورتیں) میں دے دیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''بنات'' سے یہاں مراد امت کی بیٹیاں یا عورتیں ہیں یا تو تعصب کی وجہ سے ہے یا جہالت کی وجہ سے۔ وگرنہ قرآن کریم کی آیت صراحت سے بیان کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خود کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ سب بیٹیاں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں اور ان کے والد محترم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں شادی کی اور انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(''استیعاب'' ج ۴ ص ۲۹۹)

علامہ ابن ہشامؒ فرماتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے ہوئی سوائے سیدنا ابراہیم کے (اور جو اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی وہ یہ ہے) قاسم رضی اللہ عنہ جن کے نام پر آپ نے اپنی کنیت (ابوالقاسم) رکھی اور طاہر رضی اللہ عنہ، طیب رضی اللہ عنہ، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ علیہم السلام

قاسم ؓ اور طیب ؓ، طاہر ؓ تو قبل از نبوت ہی انتقال کر گئے اور آپ کی سب صاحبزادیاں آپ کی بعثت کے بعد تک رہیں، اسلام لائیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی۔
(''سیرت ابن ہشام'' ج ۱، ص ۵۰)

علامہ طبری، ابو جعفر محمد بن حبیب، علامہ ابن عبدالبر اور ابن سعد وغیرہ نے مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے دو شوہر انتقال کر چکے تھے۔ ایک ابو ہالہ تمیمی جس سے ان کے ہاں ہند بن ابو ہالہ پیدا ہوئے اور دوسرے عتیق بن عائذ مخزومی جس سے ان کے ہاں ایک لڑکی ہندہ نامی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ان کا نکاح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور تمام علمائے انساب اس بارہ میں متفق ہیں کہ آپ کی صلب سے ان کے سیدہ زینب ؓ، سیدہ رقیہ ؓ، سیدہ ام کلثوم ؓ اور سیدہ فاطمہ ؓ پیدا ہوئیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''طبری'' ج ۲، ص ۴۱۱ ''کتاب المحبر'' ص ۷۸۔۷۹، ص ۴۵۲ ''طبقات ابن سعد'' ج ۸، ص ۱۴۔۱۶ ''استیعاب'' ج ۲، ص ۷۱۸)

علامہ ابن حزم ؒ نے بھی لکھا ہے:

''سیدہ خدیجہ ؓ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے بڑی سیدہ زینب ؓ ان سے چھوٹی سیدہ رقیہ ؓ ان سے چھوٹی سیدہ فاطمہ ؓ اور ان سے چھوٹی سیدہ ام کلثوم ؓ''

(''جوامع السیرۃ'' ص ۳۸۔۳۹)

دامادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار

بعض لوگ سیدنا عثمان ؓ کے داماد رسول ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی صورت بھی سیدنا عثمان ؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ماننے کو تیار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد صرف سیدنا علی ؓ ہیں۔ ایسی بات کہنے والے

نہ صرف متعصب اور ہٹ دھرم ہیں بلکہ جاہل اور غبی بھی ہیں۔ کیونکہ تاریخ کی سب کتابوں میں اور نہ صرف تاریخ کی بلکہ شیعہ اور سنی حدیث کی کتابوں میں بھی صراحت کے ساتھ مزکور ہے کہ سیدنا عثمان ﷺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دو حقیقی بہنیں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا ان کے حبالہ عقد میں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ سیدنا عثمان ﷺ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے نکاح کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ترجمہ

"اور آپ (عثمان ﷺ) نے سب لوگوں سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پھر وہاں سے آپ مکہ تشریف لائے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ پس جب جنگ بدر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (سیدہ رقیہ ﷺ) کی تیمارداری میں مصروف رہے اور اسی سبب مدینہ طیبہ میں موجود رہے (اور جنگ میں شرکت نہ کر سکے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے مال غنیمت میں سے انہیں برابر حصہ دیا اور اجر و ثواب میں بھی انہیں شامل کیا۔ اس سبب سے وہ شرکاء بدر میں سے شمار ہوتے ہیں۔ جب سیدہ رقیہ ﷺ فوت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہمشیرہ سیدہ ام کلثوم ﷺ سے ان کی شادی کر دی اور وہ بھی آپ کے ہاں ہی فوت ہوئیں (ان کی وفات پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بھی بیٹی موجود ہوتی تو میں اس کو بھی عثمان ﷺ کے حبالہ عقد میں دے دیتا"۔

("البدایۃ والنہایۃ" ج ۷، ص ۲۰۰)

سیدنا علی ﷺ کا ارشاد گرامی

۱۔ نہج البلاغت جس کو سیدنا علی ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک نہایت معتبر کتاب ہے اس میں سیدنا علی ﷺ اپنے خطبہ میں سیدنا عثمان ﷺ کے

اس شرف کے بارہ میں ان الفاظ کا اظہار فرماتے ہیں:

''اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی دیکھا جیسا ہم نے دیکھا' آپ نے بھی ایسا ہی ان سے سنا جیسا ہم نے سنا اور آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی صحبت اٹھائی جیسی ہم نے اٹھائی اور نہ ہی ابن ابی قحافہ' (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور نہ ہی ابن الخطاب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ!) حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ تھے بلکہ آپ رحمی قرابت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں سے زیادہ قریب تھے کہ آپ کو دامادی رسول کا وہ عزو شرف حاصل ہوا جو ان دونوں کو حاصل نہ ہوا تھا''۔

(نہج البلاغہ'' ص۲۹۱' بیروت)

شیخ محمد عبدہ محشی نہج البلاغت اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے) زیادہ قریبی تھے کیونکہ وہ بنوامیہ بن عبد......بن مناف میں سے تھے اور چوتھی پشت میں رول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بنوتمیم بن مرہ میں سے تھے اور ساتویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بنوعدی بن کعب میں سے تھے اور آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔ جب آپ کی پہلی صاحبزادی فوت ہوگئی تو آپ نے دوسری صاحبزادی کا ان سے نکاح کر دیا۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین (دونوروں والا) کہا جاتا تھا''۔

(''نہج البلاغت'' ص۲۹۱۔۲۹۲)

ایک شبہ اور اس کا جواب

تاریخ کی روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

سیدنا عثمان ؓ کے حبالہ عقد میں آنے سے قبل ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ (۳) اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں اور جب آپ نے دعوائے نبوت کیا اور ابولہب کے بارہ میں قرآن حکیم کی سورت ''تبت یدا ابی لھب وتب'' نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے اس حکم کی تعمیل کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ اگرچہ عتبہ ؓ نے سیدہ رقیہ ؓ کو طلاق دے دی اور عتیبہ نے سیدہ ام کلثوم ؓ کو طلاق دی لیکن عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کیا بلکہ طلاق دے کر آپ کے پاس آیا اور کہا کہ:

''میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دے دی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا''۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیراہن مبارک چاک کر دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی کہ

اللھم سلط علیہ کلب من کلابك

''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما''۔

چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا۔ راستہ میں مقام زرقاء میں اترا۔ ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آیا۔ وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبا لیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

(''زرقانی'' ج ۳' ص ۱۹۹)

اس واقعہ کے سلسلہ میں اگرچہ بعض روایات میں تزویج کا لفظ آتا ہے لیکن اس سے مراد صرف نسبت یا منگنی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان دونوں بیٹیوں کو ابولہب کے بیٹوں کے ساتھ منسوب کیا ہوا تھا اور طلاق سے مراد بھی صرف منگنی کا توڑ دینا ہے۔ کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کے بیٹوں سے منگنی اور نسبت کے وقت سیدہ رقیہ ؓ کی عمر کوئی سات سال تھی اور سیدہ ام کلثوم ؓ کی پانچ سال اور یہ منگنی قبل از

بعثت ہوئی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے منسوخ ہوگئی۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت صاحبزادیوں کی عمر

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں اور سیدہ رقیہ ﷺ اس وقت پیدا ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۳ سال تھی۔

اس حساب سے سیدہ ام کلثوم سلام علیہا چونکہ سیدہ رقیہ ﷺ سے دو تین سال چھوٹی تھی، اس لحاظ سے بعثت نبوت کے وقت ان تینوں صاحبزادیوں کی عمر بالترتیب حسب ذیل بنتی ہے:

سیدہ زینب ﷺ (۱۰ سال) سیدہ رقیہ ﷺ (۷ سال)، سیدہ ام کلثوم (۵ سال)

اسی وجہ سے علماء نے اس ترویج کو منگنی پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"پس جب سب سے بڑی صاحبزادی کی یہ عمر ہے تو جو صاحبزادی ان سے چھوٹی تھی ان کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر تزوج ثابت ہو جائے تو اس سے مراد نسبت اور منگنی ہے جو متاہل زندگی گزارنے تک ہوتی ہے۔ پس یہ وقت آنے تک آپس میں جدائی ہوگئی"۔

("اصابہ" ج ۴، ص ۴۶۶)

خلاصہ یہ کہ سیدہ رقیہ ﷺ اور سیدہ ام کلثوم ﷺ کی نسبت اور منگنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی تھی، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی سے قبل ہی ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے طلاق دلوادی اور ان دونوں صاحبزادیوں کی یکے بعد دیگرے شادی بعد میں سیدنا عثمان ﷺ سے ہوئی۔ مال و دولت اور خاندانی شرافت و نجابت کے ساتھ سیدنا عثمان ﷺ ایسی نکھری اور ستھری زندگی گزارتے اور اپنے اہل وعیال کو اتنی اچھی طرح رکھتے کہ بڑے لوگ ان سے ازدواجی رشتہ

کے خواہش مند رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر ان سے فرمایا تھا:

''اگر میری دس لڑکیاں ہوتیں تو ان سب کی (یکے بعد دیگرے) تم سے شادی کر دیتا''۔

(''العقد الفرید ابن عبد ربہ'' ج ۱ ص ۷۸)

پہلی مرتبہ ہجرت حبشہ کا فیصلہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ مکہ میں ایک معزز اور باوجاہت آدمی تھے' لیکن وہ بھی اسلام قبول کرنے کے جرم میں باوجود اپنی وجاہت اور خاندانی سطوت کے قریش مکہ کے تختہ ظلم و جفا بنے رہے۔ ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے ان کو رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک تو اس نئے دین کو نہیں چھوڑے گا میں تجھے ہرگز نہیں کھولوں گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے چچا! خدا کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا''۔ حکم نے جب یہ دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس دین پر اس قدر پختہ ہیں تو انہیں چھوڑ دیا۔

(''طبقات ابن سعد'' ج ۳' ص ۳۸)

جب چچا اور دوسرے اعزا و اقارب کی سرد مہری' تشدد' جفا کاری اور سخت گیری اس قدر بڑھ گئی جو ان کی برداشت سے باہر تھی تو آپ آخر کار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ ملک حبش کی جانب دس مردوں اور پانچ عورتوں کی معیت میں ہجرت فرما گئے۔

(''طبری'' ج ۳' ص ۴۴۴)

کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ' اللہ تعالیٰ تم کو عنقریب جمع کر لے گا''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کہاں جائیں؟''

''آپ نے ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا''

(''زرقانی'' ج ۱' ص ۲۷۰' ''عیون الاثر لابن سید الناس'' ج ۱' ص ۱۵۰)

ہجرت کیسے کی گئی!

حق وصداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہونے والا یہ پہلا قافلہ ماہ رجب ۵ سال نبوی کو حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔اس قافلہ میں مندرجہ ذیل حضرات اور خواتین تھیں:

۱۔ سیدنا عثمان ؓ بن عفان
۲۔ سیدنا عبدالرحمٰن ؓ بن عوف
۳۔ سیدنا زبیر ؓ بن عوام
۴۔ سیدنا ابوسلمہ ؓ بن عتبہ بن ربیعہ
۵۔ سیدنا مصعب ؓ بن عمیر
۶۔ سیدنا ابوسلمہ ؓ بن عبدالاسد
۷۔ سیدنا عثمان ؓ بن مظعون
۸۔ سیدنا عامر ؓ بن ربیعہ
۹۔ سیدنا سہیل ؓ بن بیضاء
۱۰۔ سیدنا ابوہرہ ؓ بن ابی رہم
۱۱۔ سیدنا حاطب بن عمرو ؓ
۱۲۔ سیدہ رقیہ ؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۳۔ سیدہ مہلہ بنت سہیل ؓ
۱۴۔ سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ ؓ
۱۵۔ سیدہ لیلیٰ بنت ابی حشمہ ؓ
۱۶۔ سیدہ ام کلثوم بنت سہیل ؓ

(''عیون الاثر'' ج ۱ ص ۱۱۵، ''فتح الباری'' ج ۷ ص ۱۴۳)

یہ گیارہ مرد اور پانچ عورتیں اہل مکہ سے چھپ چھپا کر بندرگاہ پر پہنچے' بقول ابن حجر'' یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ سے روانہ ہوئے۔

(''فتح الباری'' ج ۷ ص ۱۸۰)

اتفاق سے دو تجارتی کشتیاں بندرگاہ پر تیار تھیں۔انہوں نے پانچ درہم لے کر ان کو سوار کر لیا اور حبشہ پہنچا دیا۔مشرکین مکہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ مکہ چھوڑ کر کہیں جا رہے ہیں' تو وہ بندرگاہ پر ان کو پکڑنے کے لیے دوڑے' لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے مسلمان سوار ہو کر جا چکے تھے۔

(''عیون الاثر'' ج ۱ ص ۱۱۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اعزاز

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے سیدنا ابراہیم اور سیدنا لوط علیہم السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے (اللہ رب العزت کی راہ میں) ہجرت کی"۔

("اصابہ" ج ۴' ص ۲۹۸)

امام سیوطیؒ نے اسی قسم کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ترجمہ

"اللہ ان دونوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا) کا حامی و ناصر ہو۔ بے شک عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ کے رستے میں ہجرت کی"۔

("تاریخ الخلفاء" ص)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی

ہجرت کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی خیریت کی کوئی خبر نہ آئی۔ آپ بہت پریشان تھے اور ہر آتے جاتے سے ان کے متعلق پوچھتے تھے۔ ایک روز ایک عورت نے آپ کو خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو بخیریت دیکھا آپ کو بہت مسرت اور خوشی ہوئی اور فرمایا:

"میری اس امت میں عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی"۔

("اصابہ" ج ۴' ص ۲۹۸)

آپ نے صرف "اول المہاجرین" تھے بلکہ "امام المہاجرین" بھی تھے کیونکہ حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں جتنے لوگوں نے ہجرت کی وہ آپ کی متابعت میں کی' گویا کہ آپ اس ہجرت کے محرک اول تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

''آپ نے سب سے پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور تمام مہاجرین نے آپ کی متابعت اور پیروی میں ہجرت کی''۔

(''استیعاب'' ج ۳' ص ۷۰)

دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کا فیصلہ

مسلمان ماہ رجب سے لے کر ماہ شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال میں بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ تمام اہل مکہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی' لہٰذا وہ حبشہ سے واپس مکہ آ گئے' لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے اب یہ لوگ سخت پریشان ہوئے کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوا۔ سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کی' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے باپ ولید بن مغیرہ کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عاص بن امیہ کی پناہ اور حمایت میں داخل ہوئے۔

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ اذیتیں دینا شروع کر دیں' کچھ لوگ موقع پا کر دوبارہ حبشہ چلے گئے' لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان مکہ ہی میں رہ گئے۔ آخر دو اڑھائی سال کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی اجازت دے دی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر دوبارہ حبشہ تشریف لے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی بلکہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

(''عیون الاثر'' ج ۱ ص ۱۱۶' ''ابن ہشام'' ج ۱' ص ۱۱۴۔۱۱۶)

اس دفعہ قریش نے اپنے دو آدمی عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ کو حبشہ بھیجا تا کہ ان کی وساطت سے مسلمانوں کو حبشہ سے واپس مکہ لایا جائے' لیکن سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی تقریر نے قریش کے نمائندوں کی ہر تدبیر کو الٹ دیا اور مسلمان وہاں نہایت آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے منور فرمایا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فی الفور حبشہ سے مدینہ طیبہ کی راہ لی حالانکہ ان کے دوسرے رفقاء

سیدنا جعفر طیار وغیرہ غزوۂ خیبر تک حبشہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ آپ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں حصہ لیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

هاجرت الهجرتين الاوليين۔

''میں نے پہلی دونوں ہجرتیں کی ہیں''۔ (بخاری'' ج ۱' ص ۵۲۲)

ہجرت مدینہ کا فیصلہ

دو ہجرتیں تو آپ نے مکہ سے حبشہ کی طرف فرمائیں' لیکن تیسری ہجرت آپ نے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف فرمائی اور یہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ مدینہ میں آپ نے مہاجر وانصار کے درمیان جو مواخات کی تھی اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رابطہ اخوت سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے بڑے بھائی سیدنا اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت سے قائم کیا۔

(''طبقات'' ج ۳' ص ۳۸)

یہ دونوں بھائی بنونجار کے چشم و چراغ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کئی سال تک سیدنا اوس رضی اللہ عنہ ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ اس مواخات کے بعد دونوں خاندانوں میں اس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہوگئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ساری عمر سوگوار اور غمزدہ رہے اور ان کا ایک نہایت پردرد مرثیہ بھی لکھا۔

بئر رومہ کو خریدنے کا فیصلہ

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ آ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور جیسا مکہ میں آپ کا کاروبار چمکا ہوا تھا' اب مدینہ میں بھی دولت پھر ان کے قدم چومنے لگی اور زر و مال صبح و شام ان پر نچھاور ہونے لگا۔ آپ ایک بینکر (Banker) قسم کے آدمی تھے لہٰذا انہیں زیادہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کے کارندے آپ کی جانب سے کام کرتے اور آپ اپنا زیادہ وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہ کر ان کے علوم و معارف اور فیوض و برکات سے مستفید ہوتے۔ آپ کے اہم معاملات میں شریک ہوتے۔ بدر کے علاوہ آپ نے سارے غزوات میں شرکت فرمائی۔ گویا آپ اس آیہ کریمہ

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ

''وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی''۔

کے عملی مصداق تھے۔

آپ اپنے کاروبار سے جو کچھ بھی کماتے وہ اپنے لیے کم اور اسلام اور اہل اسلام کے لیے زیادہ ہوتا۔ جب کبھی وقت آتا آپ اپنا مال اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے صرف کرنے سے ذرہ برابر دریغ نہ کرتے۔ آڑے وقت میں جو چند لوگ اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ چنانچہ مکہ سے ہجرت فرما کر جب بلاکشان محبت مدینہ طیبہ آئے تو انہیں وہاں کا پانی پسند نہ آیا' کیونکہ وہ کھاری تھا اور سارے شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں ''بئر رومہ'' نامی تھا' جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اس نے اپنی یہودیانہ ذہنیت کے تحت اس کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ وہ اس میٹھے پانی کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا جو مالدار لوگ تو دے دیتے' لیکن نادار اور

قلاش لوگ وہ قیمت ادا نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا وہ کھاری پانی استعمال کرتے جو ان کے لیے ایک تکلیف اور پریشانی کا باعث ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کی اس تکلیف سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی متمول آدمی اس کنویں کو خرید کر وقف کر دے تا کہ سب مسلمان اس کے پانی کو آسانی سے استعمال کر سکیں' لیکن سوال یہ تھا کہ یہ خریدے کون؟ یا اس کی قیمت کہاں سے آئے؟ کیونکہ مہاجرین تو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور انصار مدینہ کی مالی حالت اتنی اچھی نہ تھی۔ آخر ایک روز آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ''بئر رومہ'' کو خرید کر رفاہ عامہ کے لیے وقف کر دے اور کل قیامت کے روز حق تعالیٰ کے ہاں سے اس کا بہترین معاوضہ اور بدلہ حاصل کرے۔ یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کنویں کی فروخت کے لیے بات شروع کی۔ یہودی اس کو بیچنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد یہودی نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہو گیا' جو آپ نے بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور طے یہ پایا کہ ایک روز یہودی کی باری ہو گی اور دوسرے روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری تھی اس دن لوگ چاروں طرف سے امنڈ آئے اور ہر شخص اتنا پانی نکال لے گیا جو اس کے لیے دو دن کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ دوسرے روز جب یہودی کی باری آئی تو کوئی شخص اس سے پانی خریدنے کے لیے نہ آیا۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے روز دو دن کا پانی لے جاتے ہیں تو اس نے اب کنویں کی آدھی ملکیت بھی اپنے پاس رکھنی باعث نقصان سمجھی' لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے بقیہ نصف حصہ بھی مزید آٹھ ہزار درہم دے کر خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

(''انساب الاشراف'' ج ۱' ص ۵۳۶ ''سنن کبریٰ بیہقی'' ج ۶' ص ۱۶۸' ''استیعاب'' ج ۲' ص ۴۷۵، ''کتاب المعارف'' ص ۸۳' ''معجم البلدان'' ج ۲' ص ۴)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ صدقہ جاریہ آج تک مدینہ طیبہ میں جاری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں بشارت دی تھی کہ

من یحضر بئر رومه فله الجنه

''کہ جو بئر رومہ کو خرید کر وقف کر دے' اس کے لیے جنت ہے''۔

(''بخاری'' ج ۱ ص ۳۸۹' ص ۵۲۳)

آپ اس کے مستحق ہیں اور اس کنویں کے صدقہ جاریہ کا ثواب ان شاء اللہ قیامت تک آپ کو ملتا رہے گا' کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا ثلاث

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین باقی رہتے ہیں''۔

غزوہ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر ہے جس کو قرآن حکیم نے ''یوم الفرقان'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی حق و باطل میں فرق اور امتیاز کا دن۔ یہ غزوہ ۲ ہجری میں رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا۔ اس غزوہ کے شروع ہونے سے پہلے بھی صحابہ ؓ نے بہت جوش و خروش کا اظہار فرمایا اور کہا:

''ہم آپ کے دائیں' بائیں' آگے اور پیچھے لڑیں گے''۔

اور بقول راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ چہرہ اقدس فرط مسرت و انبساط سے چمک رہا تھا۔ (''بخاری'' ج ۱ ص)

اس غزوہ کے دوران مسلمانوں نے ابوجہل' عتبہ' شیبہ' ولید' امیہ بن خلف جیسے اساطین کفر کو قتل کر کے اپنے جوش ایمانی کا ثبوت دیا اور یہ وہی غزوہ ہے جس میں شمولیت کرنیوالوں کے فضائل و مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر بیان فرمائے ہیں جو شاید کسی اور غزوہ کے بیان نہیں فرمائے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے بدر میں شمولیت کی وہ جہنم میں کبھی نہیں جائے گا''۔

(''فتح الباری'' ج ۷ ص ۲۳۷)

امام بخاریؒ نے ان حضرات کے بارہ میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو چاہو کرو اللہ نے جنت تم پر واجب کردی ہے''۔

(بخاری)

غزوۂ بدر میں عدم شرکت کا سبب

اس مبارک غزوہ میں اگرچہ سیدنا عثمان ؓ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی علالت کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ آپ نے جب اس غزوہ میں جانے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا چیچک کے عارضہ میں مبتلا تھیں۔ ان کی بیماری کو دیکھ کر آپ نے سیدنا عثمان ؓ اور سیدنا اسامہ بن زید ؓ کو ان کی تیمار داری اور عیادت کے لیے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم دونوں کو شرکت جہاد کا اجر و ثواب اور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، جیسا ان لوگوں کو ملے گا جو اس جہاد میں شرکت کر رہے ہیں۔ غمگسار شوہر نے اپنی زوجہ محترمہ کی تیمارداری اور علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا، لیکن سیدہ رقیہ ؓ اس مرض سے جانبر نہ ہوسکیں اور ہجرت نبوی سے ۱۷ ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔

سیدہ رقیہؓ کی علالت اور وفات

سیدنا عثمان کی اپنی اہلیہ محترمہ سے محبت اور ان کی خاطر مدارت ہی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بعد میں اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح بھی ان سے کردیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر میری ۱۰۰ لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو عثمان ؓ کے حبالہ عقد میں دے دیتا اور آپ کی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں سے محبت والفت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے ایک بار بنو امیہ سے اپنی مصاہرت کی تعریف فرمائی اور وہ موقع بھی وہ تھا جب سیدنا علی ؓ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ یہ موقع ایسا تھا جب سیدہ فاطمہ سلام علیہا کو شدید قلبی اذیت پہنچے کا خدشہ تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں نے بنو امیہ میں اپنی بیٹیوں کا بیاہا اور انہوں نے میری بیٹیوں کو کوئی ایسی اذیت نہیں دی اور بنو ہاشم تو

میرا اپنا خاندان تھا اس کو تو میری بیٹی کے جذبات کا زیادہ لحاظ رکھنا چاہیے۔

سیدہ کی وفات پر حضور ﷺ کو صدمہ

سیدنا عثمان ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کا انتظار کیے بغیر سیدہ رقیہؓ کی تجہیز و تکفین کر دینی چاہی۔ چنانچہ جب یہ سیدہ رقیہ ؓ کو دفن کر رہے تھے تو زور سے تکبیر کی آواز سنائی دی۔ سیدنا عثمان ؓ نے سیدنا اسامہ بن زید ؓ سے فرمایا کہ اٹھ کر معلوم کرو کہ یہ تکبیر کی آواز کیسی ہے؟ اسامہ ؓ نے جو اٹھ کر دیکھا تو ان کے والد ماجد سیدنا زید بن حارثہ ؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ناقہ ''جدعاء'' پر سوار آ رہے تھے۔

سیدنا زید ؓ نے ان دونوں کو فتح کی خوشی خبری سنائی۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس بیٹی کے انتقال کا بہت صدمہ تھا۔ آپ سیدہ فاطمہؓ کی معیت میں سیدہ رقیہؓ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ سیدہ فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ کر کافی دیر تک اشکبار رہیں۔ حضور ﷺ اپنی چادر مبارک سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ اس غزوہ میں آپ کی عدم شرکت بیان فرماتے ہیں:

''غزوہ بدر سے سیدنا عثمان ؓ کی غیر حاضری کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے حبالہ عقد میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (سیدہ رقیہ ؓ) تھیں اور وہ (ان دونوں) بیمار تھیں (لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان کو سیدہ ؓ کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا) اور فرمایا' تمہارے لیے اس آدمی کا اجر و ثواب اور مال غنیمت میں حصہ ہے جس نے اس غزوہ میں شرکت کی ہے''۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے بھی بدر میں آپ کی عدم شرکت کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ اس بارہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ صرف اس وجہ سے اس غزوہ میں شرکت نہ فرما سکے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنی اہلیہ محترم سیدہ رقیہ ؓ کی تیمارداری میں مشغول تھے' لیکن آپ ﷺ نے انہیں مال غنیمت میں حصہ بھی عطا فرمایا اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والوں کے ثواب کی بشارت بھی دی''۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر ؒ فرماتے ہیں:

فھو معدوہ فی البدرین لذالك

"لہٰذا اس وجہ سے (باوجود عدم شرکت کے) آپ اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں"۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ آدمی ایسے تھے جو اس غزوہ میں شریک نہ ہوسکے' لیکن اہل بدر میں سے شمار کیے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں اخروی اجر وثواب کا یقین بھی دلایا اور مال غنیمت میں سے بھی بدر میں شریک حضرات کے برابر حصہ عطا فرمایا۔

ان میں سے ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں۔ دوسرے حضرات کے نام یہ ہیں:

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ: ان کو آپ نے نبی عمرو کی طرف بھیجا تھا۔

ابولبانہ انصاری رضی اللہ عنہ: ان کو روحائیسے مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر واپس فرمایا۔

عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ: ان کو حضور نے عوامی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ: ان کو راستہ میں چوٹ آگئی لہٰذا مقام صفراء سے ان کو واپس کردیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مال غنیمت میں سے سیدنا جعفر طیارہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی لگا یا جو اس وقت ملک حبشہ میں مقیم تھے۔

نیابت رسول کی دوبارہ سعادت:

۲ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو ثعلبہ کے محاربین کی سرکوبی کے لئے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مقام زوامر کی طرف روانہ ہوئے تو اس موقعہ پر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ کا انتظار ان کے سپرد فرمایا۔

غزوۂ احد میں شرکت:

غزوۂ بدر کے بعد شوال ۳ ہجری میں غزوۂ احد ہوا تو اس میں حضرت عثمان شریک تھے، غزوۂ بدر کی اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے بڑی جان فروشی اور بہادری سے کفار کا مقابلہ کیا اور دشمن شکست خوردہ ہو کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر پہاڑی

چوٹی پر متعین محافظ دستے کی غفلت و سہل انگاری کی وجہ سے اچانک جنگ کا نقشہ پلٹ گیا، یہ لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگے، خالد بن ولید نے پہاڑی محاذ خالی دیکھا تو پلٹ کر عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمانوں اس غیر متوقع صورت حال کے لئے بالکل تیار نہ تھے ان میں سراسیمگی پھیل گئی اور کس کو کسی کی خبر نہ رہی اس پر مستزاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت پانے کی افواہ پھیل گئی جس سے رہے سہے اور سان خطا ہو گئے۔

اس خبر وحشت اثر سے کچھ لوگ تو ہمت ہار بیٹھے کہ جب حضور ہی نہ رہے تو اب لڑ کر کیا کریں گے؟ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کے بعد زندہ رہنا بیکار ہے لہٰذا جس عظیم مقصد کے لئے آپ نے جان دی اسی پر ہمیں بھی مر مٹنا چاہیے! حضرت انس ابن النضر ؓ انہی لوگوں میں سے تھے، وہ تلوار لیکر دشمنوں کے ہجوم میں گھس گئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو جسم پر ستر زخم تھے، صحابہ کرام کا ایک تیسرا طبقہ بھی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس حالت میں جب کہ رسول اللہ شہید ہو چکے ہیں میدان جنگ میں مر مٹنے کے بجائے مرکز اسلام مدینہ منورہ کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کر فتح مکہ کے نشہ میں دشمن میدان جنگ سے متصل شہر پر قبضہ کر کے اسلام کی آواز کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔

مورچہ چھوڑنا ان کی اجتہادی خطا تھی

صحابہ کرام کے اس طبقے میں حضرت عثمان ؓ بھی تھے جنہوں نے صورت حال کی اس پیچیدگی کو اس ارشاد قرآنی کے مطابق حل کیا کہ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دو چار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو جس نے ایسے موقعہ پر پیٹھ پھیری۔ الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرنے، یا اپنی مرکزی فوج سے ملنے کے لئے تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اس کا ٹھکانہ جہنم بنے گا

غرض یہ کہ شہادت رسول کی خبر سن کر ان صحابہ کرام کی جنگی چال اور مورچہ کی تبدیلی اس وجہ سے تھی کہ مرکز اسلام مدینہ منورہ کی حفاظت کی جا سکے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے

نہ ان صحابہ کو جہنم کا مستحق سمجھا، نہ ان پر کوئی تنقید کی۔

البتہ اللہ نے اُن صحابہ پر تنقید کی جو درّہ کا مورچہ چھوڑ کر کفار کی بھاگی ہوئی فوج کی شکست دیکھ کر جوشِ جہاد میں اپنا مورچہ چھوڑ بیٹھے اور خود بھی کفار کی ٹھکائی کرنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑنے لگے جس کے نتیجہ میں دشمن نے درّے پر قبضہ کر کے پانسہ پلٹ دیا اور مسلم لشکر منتشر ہو کر افراتفری کا شکار ہو گیا جیسا کہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۵۲ میں صراحت ہے۔ مگر ساتھ ہی اللہ نے ان کی اس اجتہادی خطا کو معاف بھی فرما دیا کیوں کہ یہ بزدلی یا بدنیتی پر مبنی نہیں تھی۔

خلاصہ یہ کہ قرآن نے جنگِ احد کی ابتدا میں اذھمت طائفتان منکم (۳/۱۲۲) بعض انصاری خاندانوں کی کمزوری کے تذکرہ کے علاوہ جماعتوں پر تنقید کی ہے۔ ایک ان صحابہ پر جو جوشِ جہاد میں درّے کا مورچہ چھوڑ کر لشکر کفار کے پیچھے دوڑ پڑے۔ مگر قرآن نے تنقید ان منافقین پر جو مسلمانوں پر کہہ کر طنز کرتے تھے کہ اگر تم ہماری بات مانتے تو یہ حشر نہ ہوتا کبھی رسول اللہ کی قیادت پر اعتراض کرتے کبھی مسلمانوں کی ان تکالیف پر مسرت کا اظہار کرتے قرآن نے ان کو جہنمی قرار دیا ہے، معاف نہیں کیا، اور تمام مسلمانوں کو ان سے بچ کر رہنے کا حکم دیا ہے ظاہر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال ان دونوں جماعتوں میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ ما محمد الا رسول کی آیت کے مطابق اور آیت او ادفعوا کے اشارے کے تحت ان کا اجتہاد بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے یہ علحدہ بات ہے کہ بالآخر اللہ کے فضل و کرم سے شہادتِ رسول کی خبر غلط ثابت ہوئی اور صحابہ نے رسول اللہ ہی کی قیادت میں میدانِ جنگ میں لشکر کفار پر پھر غلبہ حاصل کر لیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان صحابہ کے اجتہاد کی برکت سے منافقین مدینہ کو مدینہ میں شرارتیں کرنے اور کفار کے لشکر کو ادھر کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ بہر حال صحابہ کی اس جماعت پر جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے اور جس نے قرآنی حکم الا متحرفا لقتال اور متحیزا الی فئۃ پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کا رخ کیا نہ قرآن نے تنقید کی نہ رسول اللہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اس لئے اسے قابلِ اعتراض اور قابلِ تنقید قرار دینا، منافقانہ ذہنیت کی یا منافقانہ پروپیگنڈے سے متاثر ذہنیت کی کرشمہ آرائی کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔

یہ حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کا اثر تھا

ان حضرات کی مایوسی اور بددلی بھی درحقیقت رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ ان کی بے پناہ محبت و عقیدت اور غیر معمولی تعلق خاطر کی بنا پر تھی کہ جب آپ ہی نہ رہے تو کفار کے ساتھ نبرد آزمائی کا کیا فائدہ؟ مگر یہ انداز نہ فکر محض ہنگامی اور جذباتی کیفیت کا مظہر و آئنہ دار تھا جسے مثبت ردعمل قرار نہیں دیا جا سکتا اسی لئے قرآن کریم میں اس پر سخت گرفت کی گئی اور اس اقدام کو ردگردانی سے تعبیر کیا گیا مگر جذبوں کی صداقت اور اضطراری کیفیات کے پیش نظر ان سب کا قصور معاف کر دیا گیا، اللہ کی طرف سے معافی کے اعلان عام کے بعد ان صحابہ کرام کو بھی مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ صحابہ جنہوں نے لڑنا بند کر دیا تھا بعد میں اپنے اس فعل پر سخت پشیمان رہے اور ان نادم ہونے والوں میں روایا تا کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی آتا ہے۔ چنانچہ رب غفور و رحیم نے ان کی اس معمولی سی خطا کو بھی اپنے دامن عفو و رحمت سے ڈھانپ دیا اور ان کو معافی کا پروانہ دے دیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن وانما استزلھم الشیطن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور رحیم۔

(آل عمران: ۱۵۵)

''بے شک جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے جس دن (غزوہ احد میں اہل ایمان اور اہل کفر کی) دو جماعتیں (ایک دوسری سے) برسرپیکار ہو گئیں۔ ان کا یہ بھاگنا کسی سوء اعتقاد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کی ایک غلطی کی وجہ سے شیطان نے ان کے پاؤں میں لغزش پیدا کر دی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کے اس قصور کو معاف کر دیا اور حق تعالیٰ یقیناً بخشنے والا اور بردبار ہے''۔

اسی وجہ سے جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا تو آپ نے معترض کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

فاشھد ان اللہ عفا عنہ و غفر لہ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور ان کی مغفرت فرمادی''۔

معلوم ہوا کہ اگر سیدنا عثمان ؓ کے بارہ میں وہ روایات صحیح سمجھی جائیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ میدان احد میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تھے تو وہ بھی آپ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا ہے' کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف فرمادیا ہے اب کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

سیدنا عثمان ؓ اور غزوہ ذات الرقاع

غزوہ احد کے اگلے سال جمادی الاولیٰ ۴ ہجری میں غزوۂ الرقاع پیش آیا۔ اس غزوۂ میں رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ مدینہ طیبہ سے تشریف لے جاتے وقت رسول اللہ ﷺ سیدنا عثمان ؓ کو مدینہ میں اپنی قائم مقامی کا اعزاز بخشتے گئے۔

(''طبقات ابن سعد'' ج ۳' ص ۳۹' تاریخ الخلفاء'' ص)

شوال ۵ ہجری میں غزوۂ خندق' جس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں' پیش آیا۔ اس غزوۂ میں بھی سیدنا عثمان ؓ دفاع ملت کا فرض ادا کرتے رہے۔ اس غزوۂ میں چونکہ عرب کے سارے قبائل اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے اور ابوسفیان کی زیر قیادت دس ہزار افراد کی جمعیت مسلمانوں کا استیصال کرنے اور ان کو موت کے گھاٹ اتانے کے لیے مدینہ پر حملہ آور ہوئی تھی۔

ان سے دفاع کے لیے حضور ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی۔

اور ساری خندق چھ روز میں کھودی گئی۔ (طبقات ابن سعد'' ج ۲' ص ۴۸)

سب مسلمانوں نے مدینہ میں محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ سیدنا عثمان ؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ دفاع کارروائیوں میں شریک تھے۔ دشمن کی فوج نے ۲۰ روز تک مدینہ کا محاصرہ رکھا۔

سیدنا عثمانؓ اور معاہدہ حدیبیہ

ذی قعدہ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ یہ ارادہ ایک خواب پر مبنی تھا جو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے کچھ اصحاب مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کیا۔ عمرہ کے بعد بعض نے حلق (سر منڈھانا) کیا اور بعض نے قصر (سر کترانا)۔

سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ خواب صحابہ کے سامنے بیان کیا تو ان کے قلوب میں زیارت بیت اللہ کی آگ بھڑکی اور وہ بے تاب ہو گئے۔ یکم ذی قعدہ ۶ ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ کا قصد فرمایا۔ قریباً پندرہ سو مہاجرین اور انصار آپ کے ساتھ تھے۔ چونکہ آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا لہذا صرف اتنے ہتھیار ساتھ لیے جتنے ایک مسافر کو راستہ میں اپنی حفاظت کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور وہ بھی نیام میں۔

آپ کے جاسوس سیدنا بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ قریش آپ کے مقابلہ پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور خالد بن ولید مقدمۃ الجیش کے طور پر دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقام غمیم پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے یہ اطلاع ملتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے مقام حدیبیہ (۱) پر پہنچ گئے۔

حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد آپ نے سیدنا خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم کسی ہنگامہ کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ اور بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو مار ڈالا اور ان کو بھی مار ڈالنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ جان بچا کر واپس آ گئے اور حضور ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بطور سفیر رسول ﷺ

بعد میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے سفیر کے طور پر ابوسفیان اور دوسرے رؤسائے مکہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں اس بات کا یقین دلائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔ دوسرے ان کمزور مسلمانوں کو مژدہ اور خوشخبری سنا دیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے کہ عنقریب حق تعالیٰ اہل اسلام اور اسلام کو فتح و کامرانی نصیب فرمائے گا۔

سیدنا عثمان ؓ اپنے عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور روٴسائے مکہ کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا اور کمزور مسلمانوں کو مژدہ جانفزا سنایا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان ؓ جب سوار ہو کر مکہ پہنچے تو دشمنان دین میں سے جو انہیں دیکھتا ان پر آوازے کستا اور دریدہ دہنی کرتا۔ آپ کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا لہٰذا آپ نے اپنے ایک چچازاد بھائی ابان بن سعید کو آواز دی۔ وہ سیدنا عثمان ؓ کی سواری کے پیچھے سوار ہو گئے۔ اور ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب یہ دونوں بیت اللہ کے پاس پہنچے تو ابان بن سعید نے کہا کہ بھائی! طواف بیت اللہ کر لو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر کس طرح طواف کر سکتا ہوں۔ ہم ہر بات میں ان کی پیروی اور تابعداری کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے۔ بعد میں سیدنا عثمان ؓ تمام بے کس' بے سہارا اور کمزور مسلمانوں کے پاس فرداً فرداً پہنچے جو قریش مکہ کے جور و ستم برداشت کر رہے تھے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا اور صبر کی تلقین کی۔

سیدنا عثمان ؓ پر رسول اللہ ﷺ کا اعتماد

قریش مکہ نے سیدنا عثمان ؓ پر سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی روز گزر گئے تو اس دوران میں لشکر اسلام میں بعض حضرات آپس میں یہ کہنے لگے کہ سیدنا عثمان ؓ نہایت امن و سکون سے طواف بیت اللہ کر رہے ہوں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

> ''عثمان ؓ اگر ایک لمبے عرصہ تک بھی وہاں رہیں تو بھی وہ اس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں پہلے طواف نہ کر لوں''۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو سیدنا عثمان ؓ کے اتنے روز تک رکے رہنے کی وجہ سے کچھ تردد ہوا۔ آخر ایک روز اچانک یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان ؓ مکہ میں شہید کر دیے گئے ہیں۔ چونکہ اس افواہ کے بارے میں کوئی وحی الٰہی بھی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بھی ایک تشویش لاحق ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ ''اب مجھے ان سے لڑنا حلال ہو گیا ہے کیونکہ پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے اور جب تک میں قتل عثمان ؓ کا

انتقام نہ لے لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جہاں آپ فروکش تھے' صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لینی شروع کر دی کہ جب تک بدن میں جان ہے' کافروں سے جنگ وقتال کریں گے۔ اپنی جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔ لیکن میدان سے بھاگیں گے نہیں۔

بیعت رضوان اور شان عثمان رضی اللہ عنہ

معجم طبرانی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایات ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے جب لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو سب سے پہلے ابوسنان اسدیؓ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یارسول اللہ ہاتھ بڑھایئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتے ہو؟ عرض کی اس چیز پر جو میرے دل میں ہے۔ فرمایا تیرے دل میں کیا ہے؟ ابوسنان رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے دل میں یہ ہے کہ میں اس وقت تک تلوار چلاتا ہوں جب تک حق تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب نہ فرمادیں یا پھر اس راہ میں مارا جاؤں۔ آپ نے اس کو بیعت فرمالیا اور اس کے بعد اسی چیز پر بقیہ چودہ سو صحابہؓ بیعت کر چکے تو آخر میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی طرف سے ہے۔

یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تاج فخر کا وہ طرۂ فخرہ مباہات ہے جو ان کے علاوہ اور کسی شخص کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ سیدنا عثمانؓ خود اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ:

"میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔" (زرقانی، ج۲'ص ۲۰۸)

ایک دفعہ کسی شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ صحیح ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان نہیں کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں' لیکن عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت اللہ اور اس کے کام پر گئے ہوئے تھے اس لیے ان کی طرف سے اس ہاتھ نے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔ (سیرت ابن ہشام، ج۲، ص)

امین الامت اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی گفتگو

چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تم سے تین وجہ سے افضل ہوں۔ جس میں پہلی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

''میں بیعت رضوان کے دن حاضر تھا اور آپ غائب تھے''۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ کا نہایت اچھا جواب دیا۔ کہا

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ضرورت کی وجہ سے (مکہ) بھیجا ہوا تھا اور آپ نے میری طرف سے (اس بیعت کے لیے) اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور آپ کا دست مبارک میرے ہاتھ سے کہیں بہتر تھا''۔

(عثمان بن عفان، عباس محمود، ص ۶۸)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول (سفیر) کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (ان کی غیر موجودگی میں) بیعت کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے کام پر گئے ہوئے ہیں۔ پس آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ عثمان ص! کے لیے، ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، بہتر تھا''۔

(مشکوۃ، ص)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا

اس بارہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کتنی اچھی بات کہی۔ فرمایا:

''اگر عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سرزمین مکہ میں کوئی اور شخص زیادہ عزت واحترام والا

ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان ؓ کے بجائے اس کو مکہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجتے'
لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ؓ کو مکہ میں بھیجا اور بیعت رضوان عثمان ؓ کے مکہ
جانے کے بعد لی گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارہ میں فرمایا
یہ عثمان ؓ کا ہاتھ ہے اور اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا عثمان ؓ کی بیعت ہے"۔
(بخاری، ج ا، ص)

صحابہ رسول جب آپ کے ہاتھ پر اس ببول کے درخت کے نیچے بیعت کر رہے
تھے تو حق تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی:

لقد رضی الله عن المومنین از یبایعونك تحت الشجرة
فعلم مافی قلوبهم فانزل السكینة علیهم و اثابهم فتحا قریباً
و مغانم كثیرة یاًخذونها و كان الله عزیزاً حكیما (الفتح)

"بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا مومنین سے جب وہ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے (ان کے دلوں میں
اللہ اور اس کے رسول کے لیے جو محبت و اخلاص بھرا ہوا ہے) ان کو اللہ
خوب جانتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی سکینت اور طمانیت نازل کی
اور انعام میں ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور وہ بہت سی غنیمتوں کو بھی حاصل
کریں گے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے"۔

مشکوۃ باب مناقب عثمان ؓ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
عثمان ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول (سفیر) کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے،
صحابہ ؓ نے بیعت کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دراصل عثمان ؓ اللہ اور
رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں، پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ (حضرت عثمان ؓ کی طرف
سے) اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا، پس حضرت عثمان ؓ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا دست مبارک لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے جنہوں نے خود اپنی طرف سے بیعت کی تھی
(ہزار درجہ) بہتر تھا۔

حضورﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ قرار پایا

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دے رہے ہیں تو دوسری طرف حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو حکماً اپنا ہاتھ فرما رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

> اے پیغمبر! (قصاص عثمانؓ کیلئے) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں کے اوپر (آپ کا ہاتھ نہیں ہے) اللہ کا ہاتھ ہے، تو (قصاص عثمانؓ کے معاملے میں) جو عہد شکنی کریگا اس کی عہد شکنی کا وبال خود اسپر پڑیگا اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کریگا تو اللہ اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیگا۔

بیعت رضوان کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ تو اللہ کا دست قدرت بن کر صحابہ کرام کے ہاتھوں کے اوپر بیعت لے رہا تھا اور آپ ہی کا ایک ہی دست رحمت، عثمانؓ کی طرف سے بیعت کر رہا تھا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دست مبارک، اللہ کا دست قدرت بھی تھا اور آپ ہی کا دست رحمت، عثمانؓ کا ہاتھ بھی تھا، یعنی عام صحابہ کرام کو تو صرف یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے ہاتھوں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ عثمانؓ کی نمائندگی کر رہا تھا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ہاتھ نیابت الٰہی کا فریضہ انجام دے رہا تھا، یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

لہٰذا قرآن کے عطا کردہ ''یداللہ'' کے خطاب کے اصل مستحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا پھر حضرت عثمانؓ قرار پاتے ہیں جن کیلئے بیعت رضوان منعقد ہوئی مگر جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ بدر میں کارہائے نمایاں انجام دینے اور جنگ احد میں شہادت پانے پر ''اسد اللہ'' اور سید الشہداء کے خطابات کو یار لوگوں نے حضرت حمزہؓ سے چھین کر حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ پر چسپاں کر دیا اسی طرح حق تعالیٰ کا عطا فرمودہ خطاب ''یداللہ'' بھی آنحضرت اور حضرت عثمانؓ سے لیکر حضرت علیؓ کو بخش دیا جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

قصاص عثمان ؓ کا مسئلہ

تاریخ اسلام میں قصاص عثمان ؓ ذوالنورین وہ ہنگامہ خیز قانونی مسئلہ ہے جو خلیفہ سوم کے مظلومانہ قتل کے بعد پیش آیا، تاریخ اسلام کے اس نہایت اہم حادثہ فاجعہ پر مولانا عمر احمد عثمانی موئف ''فقہ القرآن'' نے اپنی گرانمایہ علمی تصنیف کی جلد سوم میں جو فکر انگیز بحث کی ہے اس کا ایک اہم اقتباس ملاحظہ ہو!

''اس بیعت کو حق تعالٰی نے جو اہمیت عطا فرمائی ہے وہ قرآن کریم کے ان الفاظ سے واضح ہے کہ **ان الذین یبایعونك ان ما یبا یعون اللہ** ''(اے پیغمبر!) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے اور پھر مزید یہ بھی کہ **فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عھد علیہ اللہ ضیو تیہ اجراً عظیماً** تو جو اس عہد کو توڑیگا تو اس کی عہد شکنی کا وبال خود اس کی ذات پر پڑیگا اور جو اپنے اس عہد کو پورا کریگا جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر عطا فرمائیگا!''

آیت کی مکمل تشریح و تفسیر

یہ پوری آیت نہایت غور طلب ہے، بیعت کی غیر معمولی اہمیت جتانے کے بعد یہ فرمانا کہ جو اس عہد کو توڑیگا اسکی عہد شکنی کا وبال خود اس کی ذات پر پڑیگا، اور جو اپنا عہد وفا کرے گا اسے حق تعالٰی اجر عظیم عطا فرمائے گا، اس اعتبار سے انتہائی غور طلب ہے کہ اس واقعہ حدیبیہ میں تو حضرت عثمان ؓ کے متعلق یہ اطلاع کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے غلط تھی، ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس خبر کا غلط ہونا معلوم نہ ہو مگر اس عالم الغیب و الشہادۃ کو تو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی جس نے یہ آیت نازل فرمائی تھی کہ یہ خبر غلط تھی (لہٰذا) اس آیت کا تعلق صلح حدیبیہ کے موقع پر افواہ قتل سے ہو ہی نہیں ہوسکتا! لامحالہ اس واقعہ کا تعلق آئندہ پیش آنے والے واقعات ہی سے تھا جو حق تعالٰی کو خوب معلوم تھے کہ آئندہ چل کر اس قسم کے واقعات پیش آئیں گے کہ حضرت عثمان ؓ واقعی دشمنان اسلام و

منافقین کے ہاتھوں شہید کر دیئے جائیں گے اور کچھ لوگ (بہترین لوگ) اپنے عہد کو وفا کریں گے اور قصاص عثمان ؓ کیلئے کھڑے ہونگے جبکہ کچھ لوگ عہد شکنی کا ارتکاب کریں گے، یہ بیعت اس آئندہ قصاص عثمان ؓ کیلئے ضروری تھی، تو جو اس وقت اپنا عہد پورا کریگا حق تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے اور جو اپنے اس عہد کو توڑے گا تو اس عہد شکنی کا وبال خود اس کی ذات کو بھگتنا پڑے گا، چونکہ حدیبیہ کے موجودہ واقعے میں اس عہد کو نہ تو پورا کرنے کا سوال درپیش تھا اور نہ عہد شکنی کا، لہٰذا باری تعالیٰ کا یہ ارشاد جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، بے معنی، بے فائدہ اور بے مطلب ہو جاتا ہے لہٰذا لامحالہ ان آیات کا تعلق آئندہ کے واقعہ شہادت حضرت عثمان ؓ سے ہے جو پیش آنے والا تھا، اور حق تعالیٰ کو اس کا پورا پورا علم تھا اور اسی واقعہ میں یہ صورت پیش آئی کہ کچھ حضرات نے اپنے اس عہد کو وفا کیا اور کچھ لوگوں نے عہد وفا کرنے میں کمزوری دکھائی، کچھ لوگ حق تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم کے مستحق ہوئے اور کچھ کمزوری دکھا کر اس کے نتیجے میں مصیبتوں میں مبتلا ہوئے جس کا وبال آج تک امت بھگت رہی ہے، بہر حال یہ آیات ایک طرح کی پیشین گوئی ہیں جو آنے والے واقعات کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہیں ورنہ بیعت رضوان کے موقع پر یہ تمام آیات بے معنی، بے مصرف اور بے فائدہ قرار پاتی ہیں۔"

(فقہ القرآن ج سوم ص ۳۵۶۔۳۵۹)

مذکورہ تصریحات سے جو خاص نکات سامنے آتے ہیں وہ انتہائی اہم اور قابل توجہ ہیں!

(۱) بیعت رضوان جس میں تمام مسلمانوں نے قصاص عثمان ؓ کیلئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جاں نثاری کی بیعت کی تھی اور عہد کیا تھا کہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر قصاص عثمان ؓ سے روگردانی نہ کریں گے، یہ بیعت حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کا سبب بنی تھی جس سے راضی ہو کر حق تعالیٰ نے بے سروسامان مسلمانوں کو جو اس وقت مسلح بھی نہ تھے کفار کے مقابلے میں سکون وطمانیت کی دولت سے نوازا اور ایک قریبی فتح (فتح مکہ) کی خوشخبری سنائی۔

(۲) بیعت رضوان کے موقع پر جو عہد و پیمان لیا گیا تھا اس کا تعلق اس وقت کے واقعات سے نہ تھا کیونکہ اس وقت نہ تو اس عہد کو پورا کرنے کا کوئی موقع پیش آیا اور نہ عہد شکنی کی نوبت آئی لہٰذا یہ بیعت اور مسلمانوں کی طرف سے جاں نثاری کا عہد و پیمان آئندہ

پیش آنے والے واقعہ شہادت عثمان ﷺ سے متعلق تھا کہ آج سے پورے ۲۹ سال بعد جب یہ حادثہ فاجعہ پیش آئے گا تو جو لوگ حق تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد پر قائم رہیں گے وہ اجر عظیم کے مستحق قرار پائیں گے اور جو لوگ اس عہد کو پورا کرنے میں کمزوری دکھائیں گے یا اس سے پہلو تہی کریں گے تو اس کا وبال خود ان کی ذات پر پڑے گا اور اس کے نتائج بد سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے!

(۳) تیسری اہم بات یہ ہے کہ بیعت رضوان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص عثمان ﷺ کیلئے حق تعالیٰ کی خوشنودی کے ساتھ اپنے دست مبارک پر جو حکماً اور نیابتاً اللہ کا ہاتھ تھا مقام حدیبیہ میں موجود تمام صحابہ کرام اسے (جن میں مرد و زن سب ہی شامل تھے) جاں نثاری کا جو عہد لیا تھا اسکی رو سے حضرت عثمان ﷺ کا قصاص شریک بیعت مسلمانوں کے علاوہ پوری امت مسلمہ پر فرض ہو گیا تھا کیونکہ یہ بیعت انفرادی بیعت نہ تھی بلکہ یہ بیعت مسلمانوں نے من حیث القوم اور من حیث الجماعت کی تھی اس لئے شہادت عثمان ﷺ کے بعد جو لوگ حضرت طلحہ ﷺ و زبیر ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ رضوان اللہ علیہم اجمعین قصاص عثمان ﷺ کے لئے کھڑے ہوئے وہ نہ صرف حق پر تھے بلکہ کتب علیکم القصاص فی القتلی کی نص صریح کے علاوہ بیعت رضوان کی مذکورہ آیات کی رو سے بھی قصاص عثمان ﷺ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دینا پوری امت مسلمہ پر فرض تھا لہٰذا ان حضرات کا اقدام نصوص قرآنی کے عین مطابق تھا۔

نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور موقع

غزوۂ احد کے بعد اور غزوہ خندق سے پہلے یہودی قبائل قینقاع اور بنو نضیر کی جلا وطنی کے بعد قریش و یہود کی متحدہ ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مکہ اور مدینہ کے درمیان تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت کی آگ بھڑک گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطراف و جوانب کی صورت حال سے پوری طرح باخبر رہتے تھے، چنانچہ آپ کو اطلاع ملی کہ انمار اور ثعلبہ کے قبیلے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں معروف ہیں خبر ملتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باختلاف روایات چار سو یا سات سو صحابہ کرام کو ساتھ لیکر مدینہ سے روانہ ہو گئے، آپ مقام ذات الرقاع تک پہنچے تھے کہ یہ لوگ آپکی آمد کی خبر سن کر پہاڑوں

میں روپوش ہو گئے اور جنگ کی نوبت نہ آئی، مدینہ سے روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ﷛ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ کا انتظام ان کے سپرد فرما دیا تھا، بیشتر روایات میں اس موقع پر حضرت عثمان ﷛ ہی کی نیابت کا ذکر ہے صرف زاد المعاد کی ایک روایت میں ایک لفظ ''قیل'' کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری ﷛ کا نام لکھ کر ساتھ ہی حضرت عثمان ﷛ کا نام لکھ دیا ہے مگر ابن اثیر نے حضرت عثمان ﷛ ہی کا نام تحریر کیا ہے۔

غزوہ تبوک اور حضرت عثمان ﷛

غزوہ تبوک کو حق تعالیٰ کے قول کے باعث ''جیش عسرت'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے تبوک ایلہ سے جنوب مشرقی سمت میں مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے، اصحاب الدیکہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے، اسی مقام پر آباد تھے، اس غزوہ کا داعیہ یہ ہوا کہ سرزمین عرب میں اسلام ایک عظیم قوت اختیار کرتا جا رہا تھا، اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے دو پڑوسی قوتوں رومیوں اور اسانیوں میں خوف وہراس کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا، رومی سلطنت ایران کی بہ نسبت زیادہ قریب تھی اس لئے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا، غسانی خاندان جو رومی سلطنت کا باج گذار تھا اس نے عربوں پر حملے کی تیاری شروع کر دی، مدینہ میں رومیوں اور غسانیوں کے حملے کا خطرہ شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا، اسی دوران یہ اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں ایک بڑا لشکر حملے کیلئے جمع کیا ہے جس میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب قبائل شامل ہیں۔

غزوہ تبوک کی مہم پر روانگی قرآن کے بیان کے مطابق قحط سالی، تنگ دستی اور سخت گرمی کے موسم میں ہوئی تھی اسی لئے منافقین نے مسلمانوں سے کہا تھا: ''لا تنفروا فی الحر 9/81'' اور یہ لوگ کہتے تھے کہ گرمی میں (جنگ کیلئے) نہ نکلو!'' اسی طرح سے عست و تنگ دستی کے سلسلے میں قرآن کا یہ بیان بالکل واضح ہے کہ

> اور ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں جو آپ کے پاس اس لئے آتے ہیں کہ آپ اس کے واسطے سواری کا بندوبست کر دیں تو آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس تو تمہارے لئے سواری کا کوئی انتظام نہیں اس پر یہ لوگ اس

حالت میں لوٹ جاتے ہیں کہ ان کی آنکھیں تنگ دستی کے غم میں اشکبار ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی تو نہیں۔۹/۹۱"

حضرت عثمان غنیؓ کا ایثار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طاقت ور دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلمانوں نے جنگی تیاری کی اپیل فرمائی اور متوقع جنگ کی اہمیت سے آگاہ فرمایا، اس مقصد کیلئے آپ نے قبائل عرب میں شرکت جہاد کیلئے اعلان عام کرایا، لوگوں سے مصارف جنگ اور مجاہدین کیلئے سواریوں کا انتظام کرنے کی اپیل فرمائی، مسلمانوں نے اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے اس کار خیر میں بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ حصہ لیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے گھر کا کُل اثاثہ جس کی مالیت چالیس ہزار درہم تھی خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا، حضرت عمرؓ نے اپنی ملکیت کا نصف حصہ پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دوسو اوقیہ پیش کئے اور حضرت عثمانؓ نے باختلاف روایات

(۱)......ایک تہائی لشکر کے تمام مصارف اپنے ذمے لے لئے، سواری کیلئے نوسو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے۔

(۲)......ایک ہزار دینار کی تھیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں لا کر ڈال دی آپ اس پر اتنے خوش ہوئے کہ بار بار دیناروں کو ہاتھ میں لیکر اُچھالتے اور فرماتے کہ آج کے بعد عثمانؓ کو ان کا کوئی عمل نقصان نہ پہنچا سکے گا

(۳)......ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے جیش عسرت کی تیاری کے لئے ستر ہزار درہم پیش کئے۔

(۴)......ایک دوسری روایت کے مطابق ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار نقد دیئے ایک اور روایت کے مطابق سات سو اوقیہ سونا پیش کیا۔

روایات میں تطبیق

ان مختلف روایات میں تطبیق کی یہی صورت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ تمام چیزیں یکشت نہیں دیں بلکہ ضروریات کے مطابق اپنے عطیات میں

اضافہ کرتے رہے، چنانچہ ترمذی باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے سو اونٹ پیش کئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اپیل کی تو سو اونٹوں کا اور اضافہ کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار اپیل فرمائی تو مزید سو اونٹ بڑھا دیئے“ اس روایت کے علاوہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان اسی خیال کی تائید کرتا ہے جس میں امام نسائی کے قول کے مطابق آپ نے فرمایا: ”میں نے جیش عسرت کی تجہیز ایسے مکمل طریقے پر کی کہ اونٹ کی ایک رسی اور نکیل کی بھی کمی نہ رہی!“ غرض ان تمام روایات کے مطابق غزوہ تبوک کے بیشتر ساز و سامان کی تیاری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حصہ سب سے زیادہ تھا، ان عطیات کے علاوہ جو امداد سامان رسد کے طور پر دی گئی وہ اس پر مستزاد تھی چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قول کے مطابق جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ لشکر میں خوراک کی کمی ہوگئی ہے تو آپ نے بہت سے اونٹوں پر کھانے پینے کا سامان لادھ کر روانہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے قافلے کی گرد نظر آئی تو آپ نے فرمایا: ”مسلمانوں سرخ اونٹ تمہارے لئے سامان رسد لا رہے ہیں“ تھوڑی دیر میں اونٹوں کا یہ قافلہ پہنچ گیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور فرمایا: اے اللہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے خوش ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جائے۔

غزوہ تبوک کیلئے جو لشکر تیار کیا گیا تھا وہ کوئی معمولی لشکر نہ تھا، چالیس ہزار کا لشکر جرار تھا، جو تیس ہزار پیادوں اور دس ہزار سواروں پر مشتمل تھا اور اتنے بڑے لشکر کی بیشتر ضروریات کی تکمیل کوئی آسان بات نہ تھی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے فراخ دلانہ عطیات کی صورت میں انفاق فی سبیلا للہ کی وہ مثال پیش کی جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، غزوہ تبوک میں اگرچہ جنگ کی نوبت نہیں آئی مگر رومیوں اور غسانیوں پر اسلامی شوکت وسطوت کی دھاک بیٹھ گئی اور ان کی طرف سے مدینہ پر متوقع حملے کا خطرہ ٹل گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوہ خیبر

غزوہ خیبر محرم الحرام ۷ھ میں پیش آیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ

سے تشریف لا رہے تھے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان سورہ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ رب العزت نے ''اصحاب بیعت رضوان'' سے یہ وعدہ فرمایا کہ تم لوگوں کو بہت سے فتوحات اور بہت سی غنیمتیں حاصل ہوں گی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ واثابھم فتحاً قریباً اور عجل اللہ لکم ھذہ سے مراد فتح خیبر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد کچھ وقت مدینہ میں قیام فرمایا پھر محرم ۷ھ کے آخر میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانگی فرمائی۔ (فتح الباری، ص ۳۵۶)

خیبر میں یہودیوں کے کئی قلعے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کو دیکھ کر یہودی اپنے قلعوں میں محفوظ ہو گئے۔ ان میں چند مشہور قلعے یہ ہیں:

(۱) قلعہ ناعم (۲) قلعہ قموص (۳) قلعہ صعب بن معاذ (۴) حصن قلہ (۵) وطیح وسلالم وغیرہ وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے ہر قلعہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔ خیبر اور غطفان کے درمیان ایک بہت بڑا میدان تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں اپنے لشکر کا بڑا کیمپ بنایا۔ گویا یہ اسلامی فوج کا جنرل ہیڈ کوارٹر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حملہ کرنے والی فوج کے دستے اسی فوجی کیمپ سے جایا کریں گے۔ اس ہیڈ کوارٹر میں ایک مسجد بھی تیار کی گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس فوجی ہیڈ کوارٹر کے ایک نہایت ذمہ دار افسر تھے۔

(رحمۃ للعالمین، سلیمان منصور پوری، ج۱، ص ۲۸۷)

اسی طرح ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ پھر غزوہ حنین پیش آیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔

''میں جب خلیفہ ہوا تھا تو پورے خطہ عرب میں میرے پاس سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں تھیں لیکن آج میرے پاس نہ تو کوئی بکری ہے اور نہ اونٹ سوائے ان دو اونٹوں کے جن کو میں نے اپنے حج کے لیے رکھا ہوا ہے''۔

دوسرا باب

خلافت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
میں
سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقام اور فیصلے

☆...... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتیں۔

حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ کی نظر میں

ا۔ ابن سعد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات کا وقت قریب دیکھا تو حضرت عمرؓ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عثمان کو بلا کر فرمایا کہ:

حضرت عمر کے متعلق اپنی رائے بیان کرو۔

انہوں نے کہا: آپ تو ان کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں!

فرمایا: پھر بھی تم اپنی رائے ظاہر کرو!

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ

''بخدا جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا ہے اور ہمارے اندر اُن جیسا کوئی نہیں ہے''۔

حضرت صدیق نے فرمایا:

''اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! اگر میں عمر کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد تم کو نہ چھوڑتا!''

فائدہ: اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت صدیقؓ کے نزدیک حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی خلافت کے لائق تھے!

۲۔ لالکائی نے عثمان بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عثمان بن عفانؓ کو بلایا تا کہ اپنے بعد کسی کے لیے خلافت کی وصیت لکھوائیں۔ وصیت نامہ ابھی کچھ لکھوایا ہی تھا کہ حضرت صدیق پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ابھی تک کسی کا نام نہیں لکھنے میں آیا تھا تو حضرت عثمانؓ نے خود ہی حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا جب حضرت صدیقؓ اکبر کو افاقہ ہوا، حضرت عثمانؓ سے پوچھا، تم نے کسی کا نام لکھ دیا ہے؟ فرمایا:

''مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ پر یہ غشی موت کی غشی نہ ہو اور اختلاف وافراق پیدا نہ ہو جائے، اس لیے میں نے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا ہے''۔

حضرت صدیق نے فرمایا:

''اللہ تم پر رحم کرے اگر تم اپنا ہی نام لکھ دیتے تو یقیناً تم اس کے اہل تھے!''

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق ﷛ کو حضرت عثمان ﷛ کی اہلیت خلافت پر پورا اعتماد تھا؟

حضرت عثمان ﷛ حضرت عمر ﷛ کی نظر میں

ابن جریرؒ نے محمد وطلحہ وزیاد رضی اللہ عنہم سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر (مدینہ سے) لشکر کے ساتھ نکلے اور ایک چشمہ پر جس کا نام ''صرار'' تھا پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں سے آگے جائیں گے یا اسی جگہ قیام کریں گے؟ اور جب حضرت عمر ﷛ سے لوگ کچھ دریافت کرنا چاہتے تو حضرت عثمان کو واسطہ بناتے یا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو حضر عمر ﷛ کی خلافت میں حضرت عثمان ﷛ کو ردیف کہا جاتا تھا جس کے معنی لغت عرب میں پیچھے آنے والے کے ہیں۔

اہل عرب ردیف اس کو کہتے ہیں جس کے بارے میں یہ اُمید ہو کہ اس سردار کے بعد یہ سردار ہوگا۔ اگر کبھی یہ دونوں حضرات کسی بات کو حضرت عمر ﷛ سے معلوم نہ کر سکتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو واسطہ بناتے چنانچہ حضرت عثمان ﷛ نے حضرت عمر ﷛ سے دریافت کیا کہ:

آپ کو کوئی نئی خبر پہنچی ہے (جس کی وجہ سے آپ لشکر کو یہاں لائے ہیں) آپ کا ارادہ کیا ہے؟ تو آپ نے نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے واقعہ بتلایا۔ (کہ مقام نہاوند پر فارس کا بڑا لشکر جمع ہے اور کسریٰ خود میدان میں آ گیا ہے، اب بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟ لوگوں نے کہا، آپ ضرور چلیں، اور ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ الخ یہ ایک طویل حدیث ہے۔)

فائدہ: مجھے اس اثر سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر ﷛ کی زندگی ہی میں لوگوں کی نظریں حضرت عثمان ﷛ پر تھیں کہ حضرت عمر ﷛ کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمر نے اپنی وفات کے قریب مسئلہ خلافت کو چھ حضرات کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔ اور ان چھ حضرات نے عبدالرحمٰن بن عوف ﷛ کو اختیار دے دیا کہ حضرت

عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔ تو عبدالرحمان بن عوف دو تین رات تک مہاجرین وانصار اور امراء اجنار (افواج) وعمال وغیرہم سے مشورہ کرتے رہے اور تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمان کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علی ؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: "اے علی! میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال نہ کرنا۔ میں نے صحابہ مہاجرین وانصار وگیرہ سب سے مشورہ کیا تو دیکھا کہ:

لا یعدلون بعثمان اهذا

"وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان ؓ کے تقدم وافضلیت اور اہلیت خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف خبر واحد صحیح بھی ہو، تو قبول نہ کی جائے گی چہ جائیکہ ضعفاء ومجروحین ومبتدعین اور شیعہ وخوارج کی روایتیں؟ کہ وہ کسی درجہ میں شمار نہ کی جائیں گی۔ اگر راویان اخبار وسیر کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان ؓ کے خلاف جتنی بھی روائتیں ہیں، سب ضعفاء ومجروحین اور اہل بدعت وھوآ کی کی روایات ہیں:

حضرت عثمان ؓ حضرت علی ؓ کی نظر میں

ابو احمد (حاکم) نے شداد بن اوس ؓ سے روایت کیا ہے کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان پر محاصرہ سخت کر دیا تو میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ باندھے ہوئے اور حضور ہی کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں ان کے آگے آگے حضرت حسن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، اور مہاجرین وانصار کی ایک جماعت تھی۔ انہوں نے (باغی) لوگوں پر حملہ کیا اور اُن کو ادھر اُدھر منتشر کر دیا۔ پھر حضرت عثمان ؓ کے مکان میں داخل ہوئے حضرت علی ؓ نے آپ سے کہا:

السلام علیك یا امیر المومنین!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام (یعنی سلطنت کا استحکام) اُس وقت تک نہیں کیا، جب تک اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کو

نہیں مارا۔ اور بخدا میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں،
تو ہم کو حکم دیجئے کہ ہم بھی اُن سے قتال کریں؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں ہر اس شخص کو جو اللہ کا حق اپنے اوپر سمجھتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے
کہ میرا بھی اُس پر کچھ حق ہے، قسم دیتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی کا ذرا سا
بھی خون نہ بہائے، نہ اپنا خون بہائے!

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دروازے سے نکلتے ہوئے یہ کہتے سنا:

''اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی سی کوشش کر لی ہے!''

پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز کا وقت آ گیا تھا۔ (باغی) لوگوں نے کہا:

یا ابا الحسن: (حضرت علی کی کنیت ہے) آگے بڑھیے۔ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے!

حضرت علی نے فرمایا:

''میں تم کو اس حال میں نماز نہیں پڑھاؤں گا کہ امام (خلیفۃ المسلمین) گھر میں محصور ہو میں تنہا نماز پڑھ لوں گا!''۔

چنانچہ آپ نے تنہا نماز پڑھی اور اپنے گھر کو لوٹ گئے، اسی وقت ان کے صاحبزادے (امام حسن رضی اللہ عنہ) پہنچے اور کہا:

واللہ! (باغی) لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس گئے ہیں!''

حضرت علی نے فرمایا:

انا للہ وانا الیہ راجعون: بخدا یہ اُن کو قتل کر ڈالیں گے! شہید کر دیں گے

لوگوں نے پوچھا

''اے ابا الحسن! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (قتل ہو گئے تو) کہاں پہنچیں گے!

انہوں نے فرمایا:

جنت میں، مقام قرب پر پہنچیں گے!

لوگوں نے عرض کیا:

اور قاتل کہاں جائیں گے؟ فرمایا:

بخدا جہنم میں جائیں گے؟ اس بات کو تین بار دہرایا۔

ابواحمد حاکم نے حضرت امام حسن بن علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے کہ انہوں نے باغیوں سے قتال کرنے کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی تو آپ نے اُن سے بھی یہی فرمایا کہ:

''اے بھتیجے! لوٹ جاؤ۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کریں مجھے کسی کا خون بہانے کی حاجت نہیں!''

ابوعمرو بن عبدالبر نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ محاصرہ کے وقت میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا کہ باغیوں نے ایک شخص کو تیر سے مار ڈالا۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا! اب تو ہمارے لیے قتال کرنا بلاشبہ جائز ہو گیا ہے، کیونکہ انہوں نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں تم کو قسم دیتا ہوں، تلوار پھینک دو، یہ لوگ میری جان لینا چاہتے ہیں تو میں اپنی جان دے کر مسلمانوں کا وقار (ڈھال) بن جاؤں گا!''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

''اس پر میں نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اور اب تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ تلوار کہاں گئی؟''

فائدہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ بعض لوگوں کو جو شکایات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تھیں ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حق پر تھے، مخالف ناحق پر تھے۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں قلم اٹھانا چاہیے۔ ان سے آنکھیں بند کر کے گفتگو کرنا کسی عالم کو جائز نہیں کہ اس سے عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں''۔

علامہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ علیہ) منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں کہ:

''امام احمد بن حنبل اور بہت سے علماء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت پر اُسی طرح عمل

کرتے ہیں جس طرح سنت عمر اور سنت عثمان پر عمل کرتے ہیں۔ مگر دوسرے بعض علماء امام مالک وغیرہ سنت علی کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ سنت عثمان کے اتباع پر سب کا اتفاق ہے!''

فائدہ: اماما لک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جو سنت علی کی اتباع نہیں کرتے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں افراق تھا، کچھ صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور کچھ ان کے ساتھ نہ تھے ان کی سنت پر سب کا اتفاق نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کی سنتوں پر سب صحابہ کا اتفاق تھا۔ اس لیے سنت عثمان کے اتباع پر سب علماء فقہا متفق ہیں، اس حقیقت میں جس قدر وزن ہے اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

ابن عساکر وغیرہ نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک قریش ان سے اکتا نہ گئے۔ انہوں نے قریش کے مہاجرین کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا، کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں، حضرت عمر نے فرمایا:

''مجھے سب سے زیادہ خطرہ تمہارے ادھر اُدھر جانے سے!''

اگر ان محصورین مہاجرین میں سے کوئی جہاد کے لیے بھی اجازت مانگتا، تو فرما دیتے کہ:

''تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت جہاد کر لیا ہے بس وہی کافی ہے۔ آج کل تمہارے لیے جہاد کرنے سے یہی بہتر ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو، نہ دنیا تم کو دیکھے!''

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، انہوں نے ان حضرات کو رخصت دیدی کہ جہاں چاہیں جائیں۔ اب یہ لوگ بلاد اسلام میں ادھر اُدھر پھیل گئے اور لوگ ہر طرف سے اُن کی طرف رجوع ہونے لگے۔ محمد بن طلحہ کہتے ہیں کہ

''یہ پہلا ضعف تھا جو اسلام میں داخل ہوا اور عام مسلمانوں میں فتنہ کی ابتداء اسی سے ہوئی''۔

حاکم نے قیس بن ابی عازم سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر کے پاس آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی فرمایا کہ:

''اپنے گھر میں بیٹھو، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (بہت) جہاد کر لیا ہے!''۔

حضرت زبیر نے بار بار درخواست کی تو تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا:

''اپنے گھر میں بیٹھو۔ واللہ! میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم مدینہ سے باہر نکلو گے تو صحابہ رسول کو فساد میں (غالباً جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت زبیر وطلحہ جا نکلے تھے) مبتلا کر دو گے!''۔

اور حضرت عمرؓ بڑے صاحب فراست اور صحاب کشف تھے

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کو صحیح کہا ہے

فائدہ: مگر صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت زبیر بن العوام جنگ یرموک میں موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کے اسرار سے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ اجازت دیدی ہو گی غالباً اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے بھی ان صاحبوں سے پابندی اٹھا دی تھی کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ جن صاحبوں پر حضرت عمر نے پابندی لگا رکھی تھی وہ اس سے اکتا گئے تھے۔ جو روشن خیال علماء حضرت عثمانؓ پر تنقید کرتے ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ حضرت عمر نیا کابر مہاجرین کو مدینہ میں محصور کر کے ان کی آزادی کیوں سلب کی؟ آج کل تو جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو رفتار و گفتار کی پوری آزادی ہو۔ اس پر کسی جگہ کا داخلہ بند نہ کیا جائے۔ نہ سیرہ سیاحت اور سفر پر پابندی لگائی جائے اس لیے ان متجددین (ماڈرن) کے نزدیک تو حضرت عثمانؓ کا یہ کارنامہ جمہوریت کے موافق تھا اور حضرت عمر کا عمل سراسر خلاف جمہوریت تھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ حضرت عمر نے قریش کے ان افراد پر کوئی پابندی نہ لگائی تھی جو مکہ میں رہتے تھے۔ جیسا کہ اسی روایت کے بعض الفظا میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ پابندی قریش کے ان افراد پر تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مہاجر ہو کر مدینہ آ گئے تھے حضرت عمر ان کو مدینہ سے باہر جانے سے روکتے تھے اور اپنے پاس مدینہ میں ہی رکھنا چاہتے تھے میرے خیال میں اس کی وجہ وہی تھی۔ جو ولی عہد سلطنت کو بادشاہ کے سامنے پائیہ تخت میں رہنے پر مجبور کرنے کی ہوا کرتی ہے، کیونکہ ولی عہد سلطنت کی عظمت رعایا کے قلوب میں بہت ہوتی ہے۔ اگر اُس کو پایہ تخت سے باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے تو بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے جس سے بعض دفعہ سلطان وقت کی

سلطنت کو خطرہ پیش آنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسے خطرات کا واقع ہونا مذکور ہے۔ اسلام میں خلافت۔ میراث تو ہے نہیں کہ بادشاہ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو۔ اسلام میں اس کا مدار قابلیت واہلیت پر ہے۔ اور قریش کے وہ افراد جو مہاجر بن کر مدینہ آ گئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے۔ اس لیے ان سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔ الا ماشاء اللہ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ اور اُن جیسے ایک دو صاحبوں پر یہ پابندی نہیں لگائی۔ پھر جس طرح ولی عہد سلطنت اس قسم کی پابندیوں سے گھبرا جاتا ہے، اسی طرح یہ مہاجرین قریش بھی اس پابندی سے اکتا گئے اور بار بار جہاد کے لیے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض کو اجازت دے دی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پابندی کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی آزادی سے جو خطرہ تھا وہ صحیح ہو کر رہا۔ ان حضرات نے مدینے سے باہر قدم رکھا تو لوگ ان پر جھک پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں بعض لوگوں کی زبان پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں کہ حضرت عمر کے بعد ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری خطبہ میں ان لوگوں کو سخت تنبیہ کی کہ:

''چند افراد یا کسی ایک جماعت کو حق نہیں کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا لے۔ خلافت سب مسلمانوں کے مشورہ سے کسی کو دی جا سکتی ہے، ورنہ دونوں پر قتل کا اندیشہ ہے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک سال سخت بیمار ہوئے تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس مرض میں وفات پا گئے تو ہم حضرت زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سلام اللہ ورضوانہ علیہا کو دم اخون) عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کے لیے راست اقدام کرنے پر اُبھارا تو یہ سوال اٹھا کہ یہ اقدام کہاں سے شروع کیا جائے؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ:

''بصرہ میں ہمارے حامی بہت ہیں، یہ اقدام وہیں سے ہونا چاہئے!''

چنانچہ جنگ جمل بصرہ میں واقع ہوئی۔ اگر یہ حضرات مدینہ سے باہر قدم نہ نکالتے، جیسا کہ حضرت عمر کا منشا تھا تو بصرہ میں ان کے حامی نہ پیدا ہوتے نہ جنگ کی نوبت

آئی، نہ خلافت عثمان میں وہ انتشار پیدا ہوتا ہے جو قتل عثمان کا سبب بنا۔

حضرت عثمانؓ کی سیاسی عظمت

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی شان شرافت وحیاء اور صفت جود وسخا تو پوری امت کے لئے ایک کھلی کتاب ہے لیکن ہمارے طلبہ کے بعض حلقے آپکی سیاسی بصیرت میں کچھ دبے بجھے دکھائی دیتے ہیں اور بعض لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر آپ باغیوں کی سرکوبی کیلئے اپنے گورنروں کی سفارشات مان لیتے تو شاید علم اسلام پر وہ ابتلاء نہ آتی جو آپ کی شہادت کے بعد آئی اور مسلمانوں کی تلوار ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسی بے نیام ہوئی کہ اب قیامت تک اس کا نیام میں جانا بحالات ممکن نظر نہیں آرہا اس پیش منظر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سیاسی بصیرت پر کچھ قوی شہادتیں مہیا کی جائیں تا کہ اس پس منظر میں ان پیش افتادہ حالات کا صحیح جائزہ لیا جا سکے۔

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر قرآن کی شہادت

اہل علم سے مخفی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی انتظامی امور میں صحابہ کرامؓ سے مشہور لے کر چلتے تھے۔ فریضہ رسالت ادا کرنے میں پیغمبر کسی کی رائے کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ وہ ان ابواب میں کسی سے مشورہ لیتا ہے لیکن اُمور سلطنت میں وہ خود مشورے کا داعی ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتا ہے اور فیصلہ خود کرتا ہے اصحاب ارکان شوریٰ ہوتے ہیں اور وہ خود صاحب عزم ہوتا ہے ہزاروں میں ارکان شوریٰ کتنے ہوتے ہیں یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں چند صحابہؓ ہیں جنہیں آپ نے اپنی مجلس شوریٰ میں جگہ دے رکھی تھی اور اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سیدنا حضرت عثمانؓ بھی تھے۔

جنگ اُحد کے دن خالد بن ولیدؓ کے عقبی حملے سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلی۔ جو صحابہؓ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب فتح ہو چکی ہے وہ اس نئے حملے سے اس طرح لڑ کھڑائے کہ اپنے پاؤں پر جم نہ سکے اتنا وقت نہ ملا کہ وہ اس نئی صورت حال میں نیا عزم کرتے وہ اس گھبراہٹ میں دور تک منتشر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے حالات جانتے ہیں، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ حضرات کس اچانک صورتحال سے دوچار ہوئے ہیں۔ سو اس نے فوراً ان کی معافی کا اعلان کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ آپ بھی ان سے درگزر فرمائیں ان کی اس غلطی کو دائمی نہ سمجھیں نہ ان کی سیاسی بصیرت کو مجروح قرار دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ انہیں اپنی مجلس شوریٰ سے خارج کر دیں وہ یہ درجہ رکھتے ہیں کہ آپ ان سے دنیوی انتظامی امور میں مشورہ لے کر چلیں قرآن کریم میں ہے۔

فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين۔ (پ۴ آل عمران آیت ۱۵۹)

سو آپ انہیں معاف کر دیں ان کے واسطے بخشش مانگیں اور (سلطنت کے) کاموں میں ان سے مشورہ لے کر چلیں اور پھر جب آپ کام کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت نے حضرت عثمانؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ میں دائمی جگہ دی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آپ اصحاب سے صرف سیاسی امور میں ہی مشورہ کرتے تھے سو ثابت ہوا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی سیاسی بصیرت کی شہادت دی ہے اور انہیں اس درجہ میں ٹھہرایا ہے کہ حضور رسالت مآب بھی ان سے مشورہ لے کر چلیں۔ حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر اس بڑی گواہی کیا ہوگی!

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر آنحضرت ﷺ کی شہادت

کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک خواب کے اشارے پر عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر آپ آگے جانے سے روک دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے یہ نہ کہا تھا کہ یہ خدائی ارادہ اسی سال پورا ہوگا یہ صحابیؓ کا فرط شوق تھا کہ آپ انہیں اسی سال لے کر چل پڑے خدا کے ہاں اس خواب کا اگلے سال پورا ہونا مقدر تھا مگر علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں اس خواب کا ذکر پ ۲۶ سورۃ الفتح

آیت ۲۷ میں موجود ہے۔ جب آپ حدیبیہ کے مقام پر رُوک دیئے گئے اور اہل مکہ سے سفارتی سطح پر گفتگو ناگزیر ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر ﷛ کو مکہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔

مکہ میں جو اہل مکہ سے گفتگو ہوئی تھی ظاہر ہے کہ وہ خالصۃً سیاسی نوع کی تھی حضرت عمر ﷛ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے انکار نہ تھا تاہم آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ حضرت عثمان ﷛ کا وہاں جانا مجھ سے بہتر ہوگا۔ ان کی وہاں عزت و منزلت ہم سب سے زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر ﷛ کی اس تجویز سے اتفاق فرمایا اور آپ حضرت عثمان ﷛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے عازم مکہ ہوئے۔

اب آپ ہی غور فرمائیں جس عبقری شخصیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سفیر مقرر کریں۔ اس کی سیاسی بصیرت پر کیا آپ کو اعتماد نہ ہوگا؟ اور پھر آپ نے انہیں کس کی سفارش پر چنا جس کی سیاسی عظمت کی دھاک اب تک دنیا کے مدبرین کے دلوں سے محو نہیں ہوئی یعنی سیدنا حضرت عمر فاروق ﷛ اس واقعہ میں اس بات کی کھلی شہادت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عثمان ﷛ ایک عبقری سیاسی شخصیت تھے جس پر ایسے نازک مراحل میں پورا اعتماد کیا جا سکتا تھا اور انہیں آپ نے سفارتی سطح پر اپنا نائب بنایا اور پھر اس رائے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے بلکہ اصل محرک وہی تھے دوسرے کی سیاسی اہلیت جانچنے کیلئے خود بھی سیاسی عظمت درکار ہے۔

حضرت عثمان ﷛ کی سیاسی بصیرت پر حضرت ابوبکر ﷛ کی شہادت

اہل علم سے مخفی نہیں کہ حضرت عثمان ﷛ خلیفہ بلافصل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کے سیکرٹری تھے اور آپ کے فرامین و خطوط آپ ہی لکھتے تھے حضرت صدیق اکبر ﷛ نے اپنے جانشین کی وصیت کرنی تھی اور اس کے لیے آپ تحریر لکھوا رہے تھے۔ حضرت عثمان ﷛ وہ فرمان لکھ رہے تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہوگئی آپ نے اپنی وصیت کی تمہید لکھا دی لیکن

ابھی وہ نام زبان پر نہ آیا تھا کہ کون آپ کا جانشین ہوگا حضرت عثمان ﷺ اس موقعہ پر کافی پریشان تھے کہ اُمت کہیں فتنے کا شکار نہ ہو جائے آپ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ آپ حضرت عمر ﷺ کے حق میں یہ تحریر لکھانا چاہتے تھے آپ نے اسی یقین پر اس تحریر میں حضرت عمر ﷺ کا نام لکھ دیا ہے۔

چند لمحے گذرے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ سے غنودگی دور ہوئی اور آپ نے حضرت عثمان ﷺ سے پوچھا کیا لکھ رہے تھے؟ تحریر میں کہاں تک پہنچے تھے آپ نے تحریر سنائی اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پڑھا۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا آپ اپنا نام بھی لکھ دیتے تو بیشک آپ اس کے اہل تھے۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۲۲)

حضرت عثمان ﷺ کی سیاسی بصیرت پر حضرت عمر ﷺ کی شہادت

کون نہیں جانتا کہ حضرت عمر فاروق پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے ایک چھ رکنی کمیٹی نامزد کی جس میں وہ لوگ تھے جنہیں اس وقت کے حالات اور تقاضوں کے مطابق پوری اُمت کا کشتیبان کہا جاسکتا ہے حضرت عمر ﷺ کی نظر اگر صرف علم پر ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس جانشین کے لائق حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا مگر آپ کی نظر میں آپ کے جانشین میں وہ سیاسی بصیرت درکار تھی جو اس وقت کے بین الاقوامی تقاضوں میں امیر المومنین میں ہونی چاہئے۔

حضرت عمر ﷺ کا حضرت عثمان ﷺ کو اس کمیٹی میں رکھنا حضرت عثمان ﷺ کی سیاسی بصیرت کا کھلا اعتراف ہے اور آپ کو حضرت علی ﷺ، حضرت طلحہ ﷺ حضرت زبیر ﷺ، حضرت سعد ﷺ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ رکھنا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ آپ کی نگاہ میں حضرت عثمان ﷺ اپنی سیاسی بصیرت میں ان میں سے کسی سے پیچھے نہ تھے پھر حضرت طلحہ ﷺ جیسے بہادر انسان کا حضرت عثمان ﷺ کے حق میں دستبردار ہونا آپ کی عظمت وشجاعت پر ایک عظیم عبقری شخصیت کی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ آپ صرف اس چنے جانے والے پر نظر نہ ڈالیں ان چننے والوں کو بھی دیکھیں کہ وہ اپنی عبقریت و بصیرت اور اہلیت و فراست میں کس طرح اپنے وقت کے آفتاب و مہتاب تھے۔ یہ حضرت عثمان

ؓ کی سیاسی بصیرت کا فاروقی فیصلہ ہی نہیں، حضرت طلحہ ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بھی یہی رائے ہے۔

حضرت عمر ؓ جب تک خلیفہ رہے حضرت عثمان ؓ آپ کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔

حضرت عثمان ؓ کی سیاسی بصیرت پر حضرت علی ؓ کی شہادت

سیدنا حضرت عمر ؓ نے اپنے بعد کے لئے چھ رکنی کمیٹی نامزد کی تھی کہ ان میں سے خلیفہ کا انتخاب ہو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ اس کمیٹی کے ناظم ہوئے آپ نے تنہائی میں حضرت علی ؓ سے پوچھا:

ان لم نبایعك فمن تشیر علی

''اگر ہم آپ کی بیعت نہ کریں تو آپ مجھے کس کے بارے میں رائے دیتے ہیں''۔

آپ ؓ نے فرمایا میں حضرت عثمان ؓ کے بارے میں رائے دیتا ہوں انہیں خلیفہ بنالیا جائے۔

حضرت عمر ؓ کی جانشینی کا سوال تھا حضرت علی ص! سے اس مدبر اعظم کی سیاست اور اس اسلامی سلطنت کے تقاضے مخفی نہ تھے۔آپ نے اس ذمہ داری کے لئے حضرت عثمان ؓ کا نام پیش کیا یہ حضرت علی ؓ کی طرف سے حضرت عثمان ؓ کی سیاسی بصیرت کی ایک کھلی شہادت ہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے حضرت زبیر ؓ سے بھی رائے لی کہ اگر ہم آپ کی بیعت نہ کریں تو آپ کی رائے میں خلیفہ کون ہونا چاہئے انہوں نے کہا حضرت علی ؓ یا عثمان ؓ میں سے کسی کو منتخب کرلو......آپ کی نظر میں حضرت علی ؓ اور حضرت عثمان ؓ دونوں برابر کی شخصی عظمت اور سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔

حضرت عثمان ؓ کی سیاسی عظمت پروقت کی دیگر شہادتیں

۱۔حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر سے کون واقف نہیں حضرت عثمان ؓ نے چاہا مصر سے آگے افریقہ تک بڑھیں حضرت عمرو بن عاص اس کے حق میں نہ تھے ان کی رائے

تھی یہاں مقابلہ بڑا سخت ہوگا اور ابھی مسلمان اتنے تیار نہیں ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فراست اور سیاسی نظر وہاں مسلمانوں کو فتحمند دیکھ رہی تھی۔ آپ نے اپنی رائے قائم رکھی حضرت عمرو بن عاص کو صرف ناظم مالیات رہنے دیا اور گورنر مصر اپنے رضاعی بھائی عبدالرحمٰن بن سعد بن ابی سرح کو لگا دیا اور افریقہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے اور افریقہ کے متعدد علاقے فتح ہو گئے، حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرو بھی عبداللہ بن ابی سرح کے ساتھ تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی سیاسی آنکھ نے جو اندازہ کیا وہ صحیح تھا آپ کسی غیر پر یہ خطرہ مسلط نہ کرنا چاہتے تھے آپ نے اپنے رضائی بھائی پر یہ بوجھ ڈالا اور جب افریقہ فتح ہو گیا تو آپ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کی گورنری سے ہٹا دیا اور پھر حضرت عمرو بن عاص کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا یہ تبدیلی آپ نے اہل مصر کے مطالبہ پر کی تھی۔

نوٹ: اس سیاق میں کوئی انصاف پس اس تقرری اور معزولی کو دیکھے تو وہ بھی یہ نہ کہے گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اقرباپروری کرتے ہوئے اپنے رضاعی بھائی کو مصر کا گورنر بنایا تھا۔

۲۔ حضرت حزیفہ بن الیمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معتمد راز دان ہیں کہ آئندہ ہونے والے واقعات اور اخبار فتن میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسی طرح ممتاز تھے جس طرح علم میں کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ثانی نہ تھا آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ کے مخالف کس درجہ میں حق بجانب تھے؟ آپ نے پوری بصیرت سے ارشاد فرمایا:

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ایک راست اقدام ہوتا تو اُمت پر اس کے بعد دودھ کی بارش ہوتی۔ ان کے بعد حالات اچھے ہوتے لیکن یہ اقدام ایک گمراہی اور اندھی کارروائی تھی سو اس سے اُمت پر خون کی بارش ہوئی۔

۳۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو آپ نے جو شرائط صلح لکھیں ان میں سے ایک یہ شرط بھی تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نظام سلطنت

کتاب اللہ سنت نبویہ اور سیرت خلفائے صالحین کے مطابق چلائیں گے۔ حضرت حسن ؓ کی طرف سے امیر معاویہ ؓ کی یہ سیاسی رہنمائی تھی۔

یہ خلفائے صالحین کون ہیں حضرت حسن ؓ جن کی پیروی امیر معاویہ ؓ پر لازم کر رہے ہیں یہ حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ ہیں جن کی پیروی حضرت حسن ؓ کے عقیدہ میں رشد و صلاح اور پوری امت کے لئے فوز و فلاح کی راہ تھی۔ حضرت عثمان ؓ کی سیاسی عظمت پر یہ حضرت حسن ؓ کا خراج تحسین ہے جس پر اس وقت کے سب صحابہ ؓ اور اکابر تابعین نے اپنے اجماع کی مہر لگائی۔ وکفی بہ شرفا وفخرا واللہ علی ما نقول شہید۔ معاہدہ کی تاریخ دستاویز میں یہ الفاظ اب بھی ملتے ہیں۔

هذا ما صالح عليه الحسن بن علی بن ابی طالب و معاويه بن ابی سفيان صالحه ، علی ان يسلم اليه والية امر المسلمين علی ان يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسول الله وسيرة الخلفاء الصالحين

معاہدہ میں وہ بات لکھی جاتی ہے جس پر دونوں فریق کا اتفاق ہو حضرت علی ؓ کی خلافت مسلم بین الفریقین نہ تھی سو یہاں خلفاء صالحین سے مراد حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ تھے یہاں تقیے کا بھی احتمال نہیں معاہدے میں تقیہ نہیں ہوتا پھر حضرت حسن ؓ کے ساتھ اس دن پہاڑوں کی مانند فوج تھی۔ حضرت عثمان ؓ کی سیاسی عظمت پر حضرت حسن ؓ کی یہ کھلی شہادت ہے۔

تیسرا باب

امیر المومنین سیدنا

حضرت عمر فاروق ؓ کے

دور خلافت میں

سیدنا عثمان غنی ؓ کا مقام اور فیصلے

☆...... سیدنا عثمان ؓ اور عہد فاروقی ؓ

☆...... سیدنا عثمان ؓ مفتی کی حیثیت سے

☆...... سیدنا فاروق اعظم ؓ کی شہادت اور بیعت خلافت عثمان ؓ کے واقعات

سیدنا عثمان ؓ اور عہد فاروقی ؓ

سیدنا فاروق اعظم ؓ کے عہد خلافت میں بھی آپ کی ایک امتیازی حیثیت رہی اور عمر ؓ ہر معاملہ میں آپ سے صلاح و مشورہ لیتے رہے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ نے سب سے پہلے مجلس شوریٰ قائم کی۔ آپ نے اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے صاحب علم و فہم اور پختہ کار حضرات کو اس کا رکن مقرر فرمایا۔ ان چند ارکان میں ایک سیدنا عثمان ؓ بھی تھے۔ ان کے علاوہ سیدنا علی ؓ! سیدنا ابی بن کعب ؓ! سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، سیدنا زید بن ثابت ؓ، سیدنا طلحہ ؓ، سیدنا زبیر ؓ بن العوام، سیدنا معاذ بن جبل ؓ وغیرہ ہم بھی اس مجلس شوریٰ کے اراکین تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بھی باوجود نوجوان ہونے کے اس مجلس کے رکن تھے۔

بیت المال کے بارہ میں مشورہ

سیدنا عمر ؓ سے قبل مسلمانوں میں بیت المال (خزانہ) کا وجود نہ تھا۔ بلکہ جو مال آتا وہ اسی وقت مسلمانوں کے مابین تقسیم ہو جاتا۔ بعض کتابوں میں آتا ہے کہ سیدنا ابوبکر ؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند رہتا اور اس میں کچھ جمع نہ ہوا اور آپ کی وفات کے بعد جب اسے کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے صرف ایک درہم نکلا۔ (طبقات ابن سعد)

خلافت فاروقی میں سیدنا ابوہریرہ ؓ بحرین کے گورنر ہوئے۔ وہ وہاں سے پانچ لاکھ کی خطیر رقم لائے۔ سیدنا عمر ؓ نے مجلس شوریٰ کے اراکین سے مشورہ پوچھا کہ اس رقم کا کیا کیا جائے؟ سیدنا علی ؓ نے یہ رائے دی۔

"جو مال آپ کے پاس جمع ہو اس کو ہر سال تقسیم کریں اور اس میں سے کچھ باکر نہ رکھیں"۔

سیدنا عثمان ؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا:

"امیر المومنین ؓ ایک بیت المال تیار کیا جانا چاہیے جس میں فالتو مال

جمع ہو اور وہ حاجت مندوں میں تقسیم کیا جائے اور مختلف منصوبوں میں بھی اسے بوقت ضرورصرف کیا جائے“۔

ولید ؓ بن ہشام بن مغیرہ نے بھی آپ کی اس رائے کی تائید کی۔ سیدنا فاروق اعظم ؓ کو یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ آپ نے مدینہ میں بیت المال قائم فرمایا اور پھر مختلف صوبوں اور ان کے صدر مقامات پر اس کی شاخیں قائم کیں اور ہر جگہ مختلف لوگوں کو ”مہتمم خزانہ“ مقرر فرمایا جیسے کوفہ میں عبداللہ بن مسعود ؓ کو اور اصفہان میں خالد بن حارث ؓ کو ۔ گویا مملکت اسلامیہ میں بیت المال کا قیام سیدنا عثمان ؓ کی رائے کا رہین منت ہے۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۷۸)

سیدنا عثمان ؓ مفتی کی حیثیت سے

سیدنا عثمان ؓ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ دین کے معاملہ میں ہر کس و ناکس اپنی رائے پیش کرتا پھرے۔ اس کے لیے آپ نے کئی ذرائع اختیار فرمائے۔ چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ فتویٰ صرف وہی حضرات دے سکتے ہیں جنہیں حکومت نے فتویٰ دینے کی اجازت دی اور آپ نے چند صحابہ کرام ؓ کو مفتی قرار دیا اور ایک دارالفتاء قائم فرمایا۔ جن صحابہ ؓ کو آپ نے فتویٰ دینے کی اجازت دی، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

سیدنا عثمان ؓ، سیدنا علی ؓ، سیدنا ابی بن کعب ؓ! سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، سیدنا زید بن ثابت ؓ، سیدنا ابو الدرداء ؓ، سیدنا معاذ بن جبل ؓ اور سیدنا ابو ہریرہ ؓ

گویا سیدنا عمر ؓ کے زمانہ میں سیدنا عثمان ؓ ایک مفتی کی حیثیت سے سلطنت اسلامیہ میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس سے آپ کی علمی حیثیت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ میں آپ علمی لحاظ سے کس قدر بلند تھے۔ کتابوں میں ایک واقعہ خود سیدنا عمر ؓ کے بارہ میں مرقوم ہے کہ سیدنا عمر ؓ ایک دفعہ مکہ تشریف لے گئے اور اپنی چادر ایک شخص پر جو بیت اللہ میں کھڑا تھا، ڈال دی۔ اتفاقاً ایک کبوتر اس پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ کبوتر اپنی بیٹ سے کہیں اس چادر کو خراب اور گندہ نہ کر دے اس کو اڑا

دیا۔ کبوتر وہاں سے اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا۔ وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ لیا اور کبوتر اسی وقت مر گیا۔ سیدنا عثمان ﷜ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے کفارہ کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ وہ کبوتر کو ایک محفوظ و مصئون مقام سے غیر محفوظ مقام پر پہنچانے کا سبب ہوئے تھے۔
(طبقات بن سعد، ج ۳، ص ۲۱)

کاروبار خلافت میں معاونت

خلافت فاروقی میں سیدنا عثمان ﷜ کاروبار خلافت میں آپ کی معاونت کرتے رہتے۔ مفید شوروں سے اعانت کرتے۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو آپ کے ساتھ جاتے بلکہ سیدنا عمر ﷜ خود بھی کئی دفعہ مختلف مقامات پر ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم ﷜ سیدنا عثمان ﷜ اور سیدنا علی ﷜ کو اپنے ساتھ اس مقام پر لے گئے جہاں زکوٰۃ اور صدقات کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔

''عثمان ﷜ سایہ میں بیٹھ کر لکھ رہے تھے اور علی ﷜ ان کے سر پر کھڑے لکھوا رہے تھے جو کچھ عمر ﷜ بولتے جاتے تھے اور آپ پر دو کالی چادریں تھیں۔ ایک کو آپ نے بطور تہبند باندھا ہوا تھا اور دوسری کو اپنے اوپر لپیٹا ہوا تھا اور آپ زکوٰۃ کے اونٹوں کو گن گن کر ان کے رنگ اور ان کے دانت لکھوا رہے تھے''۔

یہ دیکھ کر سیدنا علی ﷜ نے سیدنا عثمان ﷜ سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا قول (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں) قرآن حکیم میں پڑھا ہے:

یابت استاجره ان خیر من استاجرت القوی الامین

''ابا جان! اس کو ملازم رکھ لیجئے' کیونکہ بہتر سے بہتر شخص جس کو آپ ملازم رکھنا چاہیں وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی''۔ (قصص: ۲۶)

اور سیدنا عمر ﷜ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

هذا القوی الامین

''یہ مضبوط اور قوی بھی ہیں اور امانت دار بھی''۔ (طبری، ج ۳، ص ۲۷۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور "بیعت خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعات"

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولولو (ایرانی) کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور آپ کے جاں بر ہونے کی توقع نہ رہی تو لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ اپنا جانشین مقرر فرما دیں، آپ نے کہا، میں کس کو خلیفہ مقرر کروں؟ اگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کر دیتا جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امت کے امین ہیں" اور اگر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ بنا دیتا جن کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "وہ اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں" نیز فرمایا کہ تم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کر دوں تو مجھ سے بہتر شخص (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے بھی اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور کسی کو نامزد نہ کروں تو مجھ سے بہتر شخصیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا" لیکن آپ نے ان دونوں صورتوں میں سے کسی پر عمل نہیں فرمایا بلکہ اس مقصد کیلئے اصحاب شوریٰ کی چھ رکنی کمیٹی بنا دی کہ اس کے ارکان اتفاق رائے یا کثرت رائے سے اپنے میں سے کسی ایک شخص کا انتخاب کر لیں تو بطور خلیفہ اس سے بیعت کر لی جائے! آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے سامنے وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو ان سب سے راضی تھے اور وہ یہ ہیں عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ان (عشرہ مبشرہ) میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی ہیں مگر میں انہیں امیدواران خلافت میں شامل نہیں کروں گا۔

پاس بیٹھے کسی شخص نے کہا کہ آپ اپنے فرزند ارجمند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کر جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر یہ کوئی بہتر شے تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا اور اگر یہ کوئی بری شے تھی تو اب وہ ہم سے پھر گئی ہے۔ خطاب کی اولاد کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے صرف ایک آدمی ہی سے امر خلافت کے بارہ میں محاسبہ اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں سوال ہو۔ میں نے اپنی اہل کو خلافت کے فوائد سے محروم کر رکھا ہے پھر بھی اگر برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو بہت کامیاب ہوں''۔

(عثمان بن عفان، عباس محمود عقاد، ص ۱۵۱، طبری، ج ۳، ص ۲۹۲)

دوسری بار پھر آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنا کوئی جانشین مقرر فرما جائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور وہ علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبیداللہ ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو والی (خلیفہ) بنالیں تو اس کی اعانت کرو''۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۳، عثمان بن عفان، ص ۱۵۲)

کمیٹی کے اراکین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری نصیحتیں

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر ان چھ حضرات کو بلایا۔ ان میں سے پانچ حضرات تو آ گئے لیکن سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نہ آئے۔ کیونکہ وہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں مدینہ طیبہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانچوں حضرات سے کہا کہ آپ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے پاس جا کر باہم مشورہ سے اپنے میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ یہ پانچوں حضرات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سلام اللہ علیہا کے کمرہ میں جا بیٹھے اور خلیفہ کے انتخاب کے

بار ہمیں گفتگو کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آوازیں بلند ہوئیں تو سیدنا عمر ؓ کو کچھ اذیت محسوس ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ پر حملے کا چوتھا دن تھا اور بکثرت خون بہہ جانے کی وجہ سے آپ بے حد کمزور اور مضمحل ہو چکے تھے۔ لہٰذا آپ نے انہیں کہلا بھیجا کہ میرے انتقال تک خلافت کے بارہ میں اس گفتگو کو ملتوی رکھا جائے اور میرے انتقال کے بعد آپ لوگ پھر اسی طرح جمع ہوں اور تین دن کے اندر اندر کسی کو اپنے میں سے خلیفہ منتخب کرلیں۔ نیز فرمایا:

ولا یاتین الیوم الرابع الاوعلیکم امیر منکم

''اور چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے جس میں تمہارے اوپر تم میں سے کوئی خلیفہ نہ ہو''

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۳، عثمان بن عفان، للعقاد، ص ۱۵۲)

اور ہاں طلحہ ؓ کا انتظار کرنا کیونکہ وہ اس وقت مدینہ طیبہ سے باہر شام میں ہیں۔ اگر وہ تین دن تک واپس آجائیں تو ٹھیک وگرنہ تین دن سے زیادہ ان کا انتظار نہ کرنا اور اگر وہ نہ آئیں تو ان کی جگہ میرے بیٹے عبداللہ ؓ کو مشورہ میں شامل کرلینا اور یہ تاکید کی کہ ان کو صرف خلافت کے لیے مشیر بنایا جائے۔ امیدوار نہ بنایا جائے''۔

(طبری، ج ۲، ص ۲۹۳، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان، ص ۱۳)

پھر آپ نے فرمایا کہ طلحہ ؓ کی کون حامی بھرتا ہے کہ ان کو تمہارا فیصلہ منظور ہوگا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ بولے:

''میں حامی بھرتا ہوں کہ ان شاء اللہ وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے''۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۳، عثمان بن عفان، عقاس ص ۱۵۳)

پھر آپ ؓ نے ان پانچوں حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں نے بہت غور وخوض کیا اور تم لوگ مسلمانوں کے سردار اور ان کے قائد ہو۔ امر خلافت تم ہی سے وابستہ ہے کیونکہ اپنی وفات کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی تھے۔ اگر تم درست اور متحد رہے تو مجھے مسلمانوں کے بارہ میں کوئی خوف اور ڈر نہیں لیکن اگر تم میں اختلاف واقع ہوگیا تو مسلمانوں میں بھی اختلاف کی خلیج پیدا ہو

جائے گی"۔

(عثمان بن عفان، ص ۱۵۲، طبری، ج ۳، ص ۲۹۳)

"کہ عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور مجھے امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے"۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں اور فرمایا:

كنت اريد لنفسي 'لاثوثرن به اليوم على نفسي۔

"یہ جگہ میں اپنے لیے چاہتی تھی، لیکن آج عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں"۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا جواب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا۔ جواب سنتے ہی آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور فرمایا:

الحمدلله ماكان من شئي اهم الي من ذالك

"اللہ کا شکر ہے (کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی) کیونکہ اس سے اہم اور کوئی چیز میرے نزدیک نہیں تھی"۔

(التمہید والبیان، ص ۹۱)

مجلس مشاورت کے اراکین کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

ابن جریر طبری نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بارہ میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"میرا گمان ہے کہ تم علی رضی اللہ عنہ یا عثمان ص! میں سے کسی ایک کو والی بناؤ گے۔ پس اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرو گے تو وہ ایک نرم دل اور نیک دل انسان ہیں۔ اگر علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو ان میں مزاح اور مذاق کی عادت ہے' لیکن اس لائق ہیں کہ لوگوں کو حق وصدق کی راہ پر

چلائیں اور اگر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر وہ خلیفہ مقرر نہ ہوں تو جو شخص خلیفہ مقرر ہو امور مملکت میں ضرور ان سے مدد لے اور میں نے انہیں (کوفی کی گورنری سے) معزول کیا تھا تو وہ کسی خیانت یا کمزوری کی وجہ سے نہیں کیا تھا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تم میں نہایت صائب الرائے شخص ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے حافظ (حفاظت کرنے والا) ہے لہٰذا (انتخاب خلیفہ کے بارہ میں) ان کی رائے پر عمل کرنا"۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۳، ۲۹۴)

اس روایت کے مطابق آپ نے پینل کے متعدد اراکین کی کچھ صفات کا ذکر فرمایا تا کہ خلیفہ کے انتخاب میں کچھ اشارے مل جائیں۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجلس مشاورت کا اجلاس منعقد ہوا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک مدینہ طیبہ واپس تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لیے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مجلس میں مشورہ کے لیے بٹھایا گیا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ امور زیر بحث آئے جن کی وجہ سے خدشہ تھا کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے۔ لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کے لیے کہ:

ولا تین یوم الرابع الاو علیکم امیر منکم

"اور چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے کہ تمہارے اوپر تم میں سے کوئی امیر نہ ہو"۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۳)

سب کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو مختصر کیا جائے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فتح کردہ اتنی طویل و عریض سلطنت کو کسی خلیفہ کے بغیر زیادہ دن نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا معاملہ کو جلد نمٹانے کے لیے اہل مجلس نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب کو تحقیق و تفتیش کے بعد جس مناسب طریقے سے بھی چاہیں حل کریں۔

اسی بارہ میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت نقل فرمائی ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ سفر سے واپس تشریف لے آئے اور سیدنا عمر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے

اہل مجلس کے سامنے یہ تحریک پیش کی کہ چھ میں سے تین حضرات دوسرے تین افراد کے حق میں دست بردار ہو جائیں۔ تاکہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو رکن باقی تھے۔ ایک سیدنا عثمان اور ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن نے ان دونوں سے یہ عہد لیا کہ:

"اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ عدل کرے گا اور اگر دوسرے کو اس پر خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا"۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۴۵)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا تجسس

اب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ جاننے کے لیے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے اور لوگوں کے دل کس کی طرف زیادہ مائل ہیں مختلف لوگوں سے صلاح و مشورہ شروع کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں وہ مختلف لوگوں کے پاس گئے اور جلوت و خلوت میں ان سے ملے۔ عورتوں سے بھی ان کے گھروں میں پردہ کی اوٹ میں پوچھا۔ بچوں کے پاس ان کے مدارس میں گئے۔ یہاں تک کہ دیہات وغیرہ سے جو لوگ مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے' ان سے بھی ان دونوں حضرات کے بارہ میں رائے لی۔ تین دن شب و روز آپ نے اس معاملہ میں زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ان دونوں حضرات کے بارہ میں پوچھا۔ علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ:

"آپ کو دو آدمی بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر فضیلت اور ترجیح دینے میں مختلف ہوں"۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۴۶)

اہل شوریٰ کی طرف سے حضرت عبدالرحمان کو اختیار

ابن کثیرؒ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ اہل شوریٰ نے سیدنا عبدالرحمٰن کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ افضل ترین شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ بنائیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ:

''انہوں نے اہل شوریٰ اور ان کے ماسوا جس کسی سے سوال ممکن تھا' پوچھا تو ہر ایک نے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا''۔

یہاں تک کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ کس کے خلیفہ بنانے کا مشورہ دیتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''عثمان بن عفان''

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۱۴۵، ۱۴۶)

ان تین دن رات میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لینے کی از حد کوشش کی اور ان دنوں میں انہوں نے نیند کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ صرف نماز' دُعا' استخارہ اور صاحب رائے لوگوں کی رائے معلوم کرتے رہے لیکن تین دن کی شبانہ روز کوشش سے انہیں یہ پتہ چلا کہ کوئی شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پایہ کا اور کسی کو نہیں سمجھتا۔ آخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے چوتھے روز صبح آپ اپنے بھانجے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور فرمایا مسور رضی اللہ عنہ تم سو رہے ہو، بخدا میں تین روز سے نہیں سویا۔

فرمایا جاؤ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ سیدنا مسور رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پہلے کس کے پاس جاؤں۔ فرمایا جس کے پاس تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ مسور رضی اللہ عنہ پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے ماموں آپ کو بلا رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری طرح کسی اور کو بھی بلا بھیجا ہے۔ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو۔ پوچھا کس سے ابتداء کی۔ کہا کہ مجھے اول و آخر کا ان کی طرف سے کوئی حکم نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا تھا کہ دونوں کو بلا لاؤ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسور رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیے۔ جب ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس سے گزرے تو میں اندر گیا اور انہیں بھی وہی کچھ کہا جو علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اور انہوں نے بھی وہی کچھ پوچھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا۔ میں ان دونوں کو لے کر اپنے ماموں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے

فارغ ہو کر ان دونوں حضرات کو دیکھ کر فرمایا میں نے آپ دونوں حضرات کے بارہ میں لوگوں کی رائے معلوم کی تو:

فلم اجد احد ایعل بکما احدا

''میں نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو آپ دونوں کے برابر کسی کو سمجھتا ہو''۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۴۶)

افضل ترین کا انتخاب

لیکن اب دونوں میں سے افضل ترین کا انتخاب کرنا تھا۔ لہٰذا اس کے لیے جب آپ نے اراکین شوریٰ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ لیکن سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس پر بس نہ کی بلکہ طبری کے مطابق

''سیدنا عبدالرحمٰن راتوں کو پھر پھر کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور مدینہ طیبہ میں موجود امراء لشکر اور معززین شہر سے ملاقات کرتے رہے اور آپ جس شخص و بھی ملتے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا''۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۶)

پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین اور انصار میں سے افضل اور اسبق لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا۔ یہاں تک کہ مسجد بھر گئی اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت یہ کہہ کر کی:

''میں نے خود بھی غور و خوض کیا اور لوگوں سے بھی مشورہ کیا (تو معلوم ہوا) کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے''۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۹۵)

طبری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں تو پھر آپ کے نزدیک خلافت کا سب

سے زیادہ مستحق کون ہے؟ انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر آپ کی رائے میں منصب خلافت کے لیے سب سے زیادہ موزوں کون ہے؟ انہوں نے کہا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ پھر ان دونوں کو رخصت کر دیا اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر کون خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ۔ پھر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اور میں خلافت کے خواہش مند ہی نہیں۔ لیکن آپ سب سے زیادہ خلافت کا کس کو اہل سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ۔ آپ نے ان کو بھی رخصت فرما دیا۔

(طبری، ج ۵، ص ۲۹۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت کے مستحق

اس کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہ عمامہ باندھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنایا تھا اور تلوار حائل کی اور مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ منبر نبوی پر تشریف فرما ہوئے اور کافی دیر تک چپ چاپ کھڑے رہے اور دُعا مانگتے رہے۔ مسجد نبوی مہاجرین وانصار سے بھری ہوئی تھی۔ ہجوم اس قدر کہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود تنگ تھی۔ کیونکہ لوگ خلافت کے بارہ میں فیصلہ سننے کے لیے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کافی دیر دعا مانگنے کے بعد یوں ارشاد فرمایا:

ایها الناس ! انی سائلتکم سرا وجهر ابا مانیکم فلم اجد کم تعدلون با حد هذین الرجلین اما علی واما عثمان

"حضرات! میں نے آپ لوگوں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر تمہارے امیر کی بابت دریافت کیا۔ مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کوئی بھی علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا"۔

(البدیۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۴۶)

اکثر روایات میں یہ آتا ہے کہ پھر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اٹھیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھ کر منبر کے پاس کھڑے ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ

کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ:

''خلافت ملنے کی صورت میں آپ کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کی روشنی میں کاروبار خلافت چلائیں گے''۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

''میں اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق ایسا کروں گا''۔

یہ جواب چونکہ حتمی نہ تھا اور اس میں تردد کی پرچھائیاں تھیں۔ لہٰذا آپ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ:

اگر آپ کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے تو کیا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کے روشنی میں امور خلافت سرانجام دیں گے''۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ضرور

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب چونکہ قطعی اور حتمی تھا۔ لہٰذا سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا:

اللھم اسمع واشھد' اللھم اسمع اشھد' اللھم اسمع واشھد اللھم انی قد خلعت ما فی رقبتی من ذالک فی رقبة عثمان۔

''بارالہا! سن لے اور اس بات کا گواہ رہ (یہ تین دفعہ فرمایا) کہ جو کچھ میری گردن پر تھا وہ میں نے اتار کر عثمان رضی اللہ عنہ کی گردن پر ڈال دیا''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۴۷)

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس وقت منبر کی سیڑھی پر تھے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس سے نچلے درجے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن کے منہ سے یہ بات سن کر لوگوں کے ایک اژدحام نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور باری باری ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے لگے اور سب سے پہلے جس شخص نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔ چنانچہ ابن

کثیرؒ نے لکھا ہے:

وجاء الیه الناس یبا یعونه وبایعه علی بن ابی طالب اولاً۔

''اور لوگ آپ کی طرف بیعت کے لیے بڑھنے لگے اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر علی بن ابی طالب ﷺ نے بیعت کی''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۴۷)

یہ سیدنا علی ﷺ کا خلوص نیت تھا کیونکہ ان کا مقصد صرف اور صرف خدمت اسلام تھا وہ خواہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ہو یا بغیر حکومت کی کرسی کے ہو۔ وہ ہر حال میں خوش تھے بلکہ اس وقت تمام صحابہ کی حالت یہ تھی کہ کسی ذمہ داری کو اپنے سر لینا ایک بار گراں سمجھتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی ﷺ! نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا کہ

انا لکم وزیرا خیر لکم من امیرا

''میں تمہارا امیر بننے کے بجائے وزیر بننا اپنے لیے بہتر سمجھتا ہوں''۔

(نہج البلاغہ، الجزالاول، ص ۱۷۹)

خلافت عثمان ﷺ کے بارہ میں بخاری کی روایات

سیدنا عثمان ﷺ کے خلیفۃ المسلمین ہونے کے بارہ میں گزشتہ صفحات میں ہم نے جو بحث کی ہے، وہ ان روایات کی روشنی میں ہے جو طبری، ابن کثیر اور ابن اثیر وغیرہ مورخین نے مختلف راویوں سے روایت کی ہیں۔ ان روایات میں کچھ باتیں تو صحیح ہیں لیکن کچھ باتیں ان راویوں کی الحاقی ہیں جس سے کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

ا۔ سیدنا عبدالرحمٰن ﷺ نے دونوں امیدواروں (سیدنا علی ﷺ اور سیدنا عثمان ﷺ!) کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ آپ اس بات کا اقرار کریں کہ اگر آپ کو خلافت مل گئی تو آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور ابوبکر ﷺ اور عمر ﷺ کے طریقے کے مطابق کاروبار خلافت چلائیں گے۔ پہلے یہ شرط سیدنا علی ﷺ کے سامنے پیش کی گئی ان کا جواب اس بارہ میں حتمی اور قطعی تھا۔ لہٰذا وہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر سیدنا علی ﷺ اس شرط کو منظور کر لیتے تو وہ خلیفہ منتخب ہو جاتے۔ پھر عثمان ﷺ کی کوئی فضیلت تو نہ رہی۔ حالانکہ تمام

امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

۲۔ دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ کسی عہدہ کی تقرری کے وقت جو حلف یا عہد لیا جاتا ہے اس کا جواب قطعی ہاں یا نہ میں ہوتا ہے۔ کاروبار حکومت میں غیر قطعی جواب کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس غیر قطعی جواب سے بعض حضرات یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے دل میں شیخین کی محبت نہیں تھی یا وہ انہیں وہ مقام نہیں دیتے تھے جس سے ان کی اتباع لازم آئے۔ اگرچہ یہ اعتراض عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط ہے جس کا تسلی بخش جواب ہم نے گذشتہ صفحات میں تفصیل سے دے دیا ہے لیکن اعتراض کرنے والے ایسا اعتراض کرتے ہیں۔ خواہ اپنی غباوت اور کند ذہنی کی وجہ سے اور خواہ اپنے عقیدے اور نیت کے فتور کے سبب سے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک بخاری کی روایات اس بارہ میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور مورخین کی بیان کردہ روایات سے ان کی تائید بھی ہوتی ہے۔ پھر جو مقام اہل علم اور محدثین کے نزدیک بخاری کا ہے۔ وہ کسی مورخ کی کسی کتاب کا نہیں ہے۔ لہٰذا ہم بخاری کی وہ روایات نقل کرتے ہیں جن سے ان اعتراضات کے پیدا ہونے کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔

بخاری کی روایت کا خلاصہ

۱۔ امام بخاریؒ نے اس بارہ میں ایک روایت جو اپنی کتاب کی جلد اول میں نقل کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ مطہرہ میں تدفین کے بعد اس مجلس مشاورت کا اجتماع ہوا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کے جلد از جلد نمٹانے کے لیے فرمایا:
>
> **اجعلوا امر کم الی ثلاثۃ منکم**
>
> ''اپنی یہ بات اپنے میں سے تین حضرات کے سپرد کردو''۔

مقصد یہ تھا کہ اختلاف کم سے کم پیدا ہو کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی سازش ان میں اختلاف پیدا نہ کرے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس تجویز پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا

کہ میں اپنا حق خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتا ہوں۔ سید طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنا حق خلافت سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اب صرف تین آدمی باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ دوسرے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور تیسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں میں سے کون حق خلافت سے دست بردار ہوتا ہے تا کہ ہم خلافت کے انتخاب کا مسئلہ اس کے سپرد کر دیں تا کہ وہ اللہ رب العزت کی حفاظت اور دین اسلام کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اپنے میں سے بہترین شخص کا انتخاب کرے۔ یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بولے اگر آپ میں سے کوئی شخص یہ اختیار نہیں لینا چاہتا تو پھر آپ دونوں یہ اختیار مجھے دے دیں اور خدا گواہ ہے کہ میں تم میں سے افضل شخص کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ دونوں حضرات اس بات پر متفق ہو گئے اور دونوں نے یہ اختیار سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دیا۔ یہ اختیار حاصل کر کے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کو اللہ کی قسم اگر میں آپ کو مسلمانوں کا امیر بناؤں تو آپ عدل کریں گے اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤں تو آپ ان کی اطاعت کریں گے۔ پھر یہی باتیں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہیں۔ پھر جب آپ نے ان دونوں سے پختہ عہد لے لیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"عثمان رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی پھر مدینہ طیبہ کے لوگ اندر داخل ہوئے اور باری باری سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی"۔

(بخاری، ج ۱، ص ۵۲۴، ۵۲۵)

صحیح بخاری کی دوسری روایت

اسی سلسلہ میں دوسری روایت امام بخاریؒ نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے اور مجلس مشاورت کی میٹنگ بھی ایک

روایت کے مطابق انہی کے مکان پر منعقد ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مختلف حضرات کو بلانے کے بارہ میں انہی کو بطور قاصد استعمال کرتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ مجلس مشاورت کی کارروائی کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا۔

(فتح الباری، ج ۱۳، ص ۱۶۸)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''چھ صحابہ کی جس جماعت کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کا اختیار دیا تھا آپ کی تدفین کے بعد وہ باہم مل کر مشورہ کرنے لگی۔ ان چھ حضرات میں سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس امر خلافت کے بارے میں تمام سے کوئی جھگڑا نہیں کروں گا لیکن اگر تم چاہو تو میں تم میں سے ایک شخص کا انتخاب کردوں۔ ان سب نے اس بارہ میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا۔ جب انتخاب خلیفہ کا اختیار سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو مل گیا تو اب لوگوں کی نگاہیں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف تھیں اور ان لوگوں کے پیچھے اب ایک شخص بھی نظر نہیں آتا تھا۔ لوگ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میرے مکان پر تشریف لائے۔ دروازہ کھٹکھٹایا' جب میں بیدار ہوا تو مجھے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم سوئے ہوئے تھے۔ بخدا! میں تین راتیں پوری نیند نہیں سویا۔ پھر فرمایا جاؤ زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد کو بلا لاؤ۔ میں نے تعمیل حکم کی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خلوت میں ان سے کچھ مشورہ کیا۔ پھر مجھے بلایا اور فرمایا جاؤ علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ انہوں نے آدھی رات تک آہستہ آواز سے ان سے کچھ باتیں کیں۔ (یہ باتیں سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ شاید نہیں سن سکے اس وجہ سے بیان نہیں کیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا باتیں ہوئیں) پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گے (سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ ان کے دل میں) خلافت کی کچھ طمع تھی (کہ شاید انہیں مل جائے) اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ خوف تھا۔ پھر مجھے فرمایا کہ اب عثمان رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ میں ان کو بلا لایا۔ ان سے بھی

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کافی دیر تک آہستہ آہستہ کچھ باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان دینے والے نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی۔ یعنی صبح کی اذان تک باتیں کرتے رہے۔ جب لوگ صبح کی نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ جماعت منبر کے پاس جمع ہو گئی۔ سیدنا عبدالرحمٰن نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین و انصار کو بلا بھیجا اور ان سرداران لشکر کو بھی بلا بھیجا جنہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب یہ سب حضرات جمع ہو گئے تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا اور فرمایا:

"اے علی رضی اللہ عنہ میں نے لوگوں کے امر میں کافی غور و خوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ لہٰذا تم اپنے نفس پر مخالفت یا ملامت کا کوئی راستہ نہ نکالنا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا میں سنت اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ پس عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے بعد دوسرے لوگوں نے' مہاجرین اور انصار نے اور لشکروں کے امراء (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امیر شام' سیدنا عمر بن سعد رضی اللہ عنہ امیر حمص' سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیر کوفہ' سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر بصرہ اور سیدنا عمر بن العاص رضی اللہ عنہ امیر مصر) اور دوسرے مسلمانوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی"۔

(بخاری، ج ۲، ص ۱۰۶۹۔۱۰۷۰)

بخاری کی روایتوں سے شبہات کا ازالہ

بخاری کی ان دونوں روایت سے کئی ایک شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ امر خلافت کے طے کرنے میں آپس میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ: مورخین نے اپنی کتابوں میں کوئی ایک روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو صرف حکم اس لیے بنایا گیا تھا تاکہ معاملہ جلدی نمٹایا جا سکے۔

کیونکہ سیدنا عمر ﷛ نے اپنی بصیرت کی بنا پر یہ تاکید فرمائی تھی کہ امر خلافت کو جلد از جلد نمٹانا اور اس معاملہ کے طے کرنے میں تین دن سے زیادہ وقت صرف نہ کرنا۔ کیونکہ اس قدر وسیع وعریض مملکت کو تین دن سے زائد عرصے تک بغیر کسی خلیفہ کے رکھ چھوڑنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ملک میں مختلف قسم کی شورشیں اٹھنے کا خطرہ تھا اور یہ بھی خطرہ لاحق تھا کہ اندرون ملک سازشی گروہ مملکت اسلامیہ کو بے یارومددگار سمجھ کر کہیں سازشوں کا جال نہ بچھا دے۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری تھا کہ اس معاملہ کو جلد از جلد طے کیا جائے جس کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن ﷛! نے کہا کہ میں اپنا نام واپس لیتا ہوں اور دوسرے حضرات بھی جو اپنا نام واپس لینا چاہیں وہ اپنے حقوق خلافت دوسرے حضرات کو دے دیں۔ اس طریق سے صرف دو امیدوار خلافت باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عثمان ﷛! اور دوسرے سیدنا علی ﷛!۔ ان دونوں امیدواروں کے بارہ میں جب استصواب رائے لی گئی تو مدینہ کے مردوں' عورتوں' بچوں' امرا' خواص یہاں تک کہ باہر سے آنے والے وفود نے بھی سیدنا عثمان ﷛ کو سیدنا علی ﷛ پر ترجیح دی اور یوں یہ معاملہ تین روز کے اندر اندر نمٹ گیا۔

۲۔ سیدنا علی ﷛ کو اس بات پر کوئی اصرار نہ تھا کہ خلافت ان کو ضرور ملے۔ وہ صرف خلافت کے امیدوار تھے۔ جب استصواب رائے سے سیدنا عبدالرحمٰن ﷛ نے سیدنا عثمان ﷛ کو خلیفہ منتخب کر دیا تو بغیر کسی پس و پیش کے سیدنا علی ﷛ نے سیدنا عثمان ﷛ کی بیعت فرمالی۔ بلکہ بخاری، ابن کثیر اور دوسرے کئی ایک مورخین کی روایات کے مطابق سیدنا عبدالرحمٰن ﷛ نے سب سے پہلے سیدنا عثمان ﷛ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تو دوسرے نمبر پر سیدنا علی ﷛ نے بیعت کی۔ بخاری کے مطابق

> "عبدالرحمٰن ﷛ نے کہا' عثمان ﷛ اپنا ہاتھ بڑھایئے، پس انہوں نے عثمان ﷛ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد سیدنا علی ﷛ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ اندر داخل ہوئے اور انہوں نے باری باری ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(بخاری، ج ۱، ص ۵۲۵)

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے سب سے پہلے بیعت کی

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

"لوگ سیدنا عثمان ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آئے اور سب سے پہلے سیدنا علی ابن ابی طالب ؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی"۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۷۔۱۴۴)

یہ بیعت خوشی و مسرت کے ساتھ تھی جبر و اکراہ سے نہ تھی۔ تبھی تو انہوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔ جو آدمی بادل نخواستہ بیعت کرتا ہے، وہ سب سے پہلے بیعت نہیں کرتا۔ کیونکہ جب اس کو کسی بات پر دلی صدمہ ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر وہ کام سے ہچکچاتا ہے۔ لہٰذا وہ سب روایات اس روایت کے سامنے یک قلم غلط ثابت ہو جاتی ہیں جن میں سیدنا علی ؓ، سیدنا مقداد ؓ اور سیدنا عمار بن یاسر ؓ کا اس خلافت پر رنجیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر وہ سیدنا عثمان ؓ کی خلافت پر رنجیدہ ہوتے تو وہ ان کے ہاتھ پر کبھی بھی بیعت نہ کرتے۔ جب اس زمانہ میں حزب اختلاف ہو سکتی ہے تو اس زمانہ میں کیوں نہیں ہو سکتی تھی۔ حالانکہ اس زمانہ میں حزب اختلاف کو طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ان کے رہنماؤں پر مختلف قسم کے غلط اور صحیح مقدمات بنائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ زمانہ ان تمام تعصبات اور دلی رنجشوں سے پاک اور مبرا تھا بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں تنقید کو جس قدر سراہا گیا اتنا دنیا میں کبھی نہیں سراہا گیا۔ سیدنا عمر ؓ، سیدنا عثمان ؓ اور سیدنا معاویہ ؓ کے ادوار میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ خلیفہ وقت کو برسر عام ایک عام آدمی ٹوکتا لیکن بجائے اس بات کے کہ اس کو سزا دیتے الٹا اس کی تحسین کرتے اور اس کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیتے۔

سیدنا عمر ؓ ۲۲ لاکھ مربع میل کی سلطنت کے خلیفہ ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے نام سے ڈرتی ہیں۔ ایک مرتبہ حر بن قیس اور عینیہ بن حصن نے خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "آپ انصاف نہیں کرتے" آپ انہیں کچھ بھی نہیں کہتے"۔

(کنز العمال، ج ۶، ص ۳۵۲)

ایک مرتبہ ایک شخص نے کئی بار سیدنا عمر ﷛ کو مخاطب کر کے کہا:

اتق اللہ یا عمر

"اے عمر ﷛ اللہ سے ڈرو"

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا۔ سیدنا عمر ﷛ نے فرمایا نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم نہ مانیں تو ہم بے مصرف ہیں"۔

(کتاب الخراج، ص ۷)

اسی طرح ایک دفعہ سیدنا عمر ﷛ مہر کی مقدار کے بارہ میں فرما رہے تھے کہ ایک عورت نے برسر عام ٹوکا۔ آپ نے بجائے گرفت کرنے کے اس کی تحسین فرمائی اور اس کا دل بڑھانے کے لیے فرمایا کہ ایک عورت بھی عمر ﷛ سے زیادہ قرآن جانتی ہے۔

سیدنا معاویہ ﷛ جن کے بارے میں آج طرح طرح کی روایات گھڑلی گئی ہیں' ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ سیدنا ابومسلم الخولانی ﷛ نے کھڑے ہو کر تمام لوگوں کے سامنے سیدنا معاویہ ﷛ سے کہا:

"اے معاویہ ﷛ یہ مال نہ تیرا ہے' نہ تیرے باپ کا ورنہ تیری ماں کا"۔

واقعہ یہ تھا کہ سیدنا معاویہ ﷛ نے بعض حالات کے پیش نظر سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ کی تنخواہیں نہیں دی تھیں۔ سیدنا ابومسلم الخولانی ﷛ کی یہ بات سن کر سیدنا معاویہ ﷛ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ خود گھر تشریف لے گئے اور غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا:

"لوگو! ابومسلم ﷛ نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا۔ ابومسلم ﷛ نے سچ کہا اور میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثرات کے باعث ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ فوراً غسل کر لے۔ اب تم سب اپنی تنخواہیں وصول کر لو۔ اللہ رب العزت برکت دیں"۔

(حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۱۲۸)

یہ صرف چند مثالیں تھیں۔ وگرنہ خلافت راشدہ کی پوری تاریخ اس قسم کے

ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے کہ خلیفہ وقت پر تنقید کرنے والوں کی ستائش و تحسین کی گئی۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو جائز اور اچھا نہیں سمجھتے تھے تو آخر بیعت کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اور ڈر کس بات کا تھا؟ صاف کہہ دیتے کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ آخر ''اسد اللہ'' تھے لیکن حقیقت یہ نہیں۔ وہ اخلاص وللہیت کے مجسمہ تھے۔ وہ امیر کی بجائے وزیر رہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ کیونکہ امارت وخلافت کا بار بہت گراں ہے۔ جس کو بار دوش بنانا وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر وہ بارگراں ان کے دوش ہو بھی جاتا تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی مکمل صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی سب روایات رنگ صداقت سے خالی اور لباس حقیقت سے عاری ہیں اور یہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں لوگوں کو بدعقیدہ بنانے کے لیے گھڑی گئی ہیں۔

خلافت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام کا تعین

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے سے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ شیخین (سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما) کے بعد پوری امت میں افضل ہیں کیونکہ مجلس مشاورت کے حکم سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ زندہ فرمایا تھا کہ

واللہ علی ان لا الوا عن افضلکم

''خدا گواہ ہے کہ میں افضل شخص کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا''۔

(بخاری، ج۱، ص۵۲۴)

چوتھا باب

اپنے دور خلافت

میں

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فیصلے

☆...... خطبہ خلافت ☆...... عمال کے نام فرامین

☆...... محافظین سرحد اور عوام کے نام آپ رضی اللہ عنہ کے فرامین

☆...... عثمانی دور میں نظم و نسق مملکت

☆...... گورنروں کا عزل ونصب

☆...... علاحی فلاح و بہبود کے دیگر فیصلے

سیدنا عثمان ؓ خلیفہ کی حیثیت سے

صحیح روایات کے مطابق سیدنا عمر ؓ پر ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہارشنبہ کے دن فجر کی نماز میں ابولولو فیروز نے حملہ کیا، جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ ۳ روز تک آپ اس دنیائے فانی میں زخمی حالت میں رہے اور ۳۰ ذی الحجہ ۲۳ھ ہفتہ کے روز آپ عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔ یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو آپ کی تدفین ہوئی۔ تدفین سے فراغت کے بعد صحابہ ؓ کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی اور ۳ محرم الحرام ۲۴ھ کو سیدنا عثمان بن عفان ؓ بلا تفاق سریر آرائے خلافت ہوئے اور زمام اقتدار سنبھالی۔ اس روز عیسوی تاریخ ۱۰ نومبر ۶۴۴ھ کو سیدنا عثمان بن عفان ؓ بالاتفاق سریر آرائے خلافت ہوئے اور زمام اقتدار سنبھالی۔ اس روز عیسوی تاریخ ۱۰ نومبر ۶۴۴ھ بیان کی جاتی ہے اور قمری سن کے لحاظ سے آپ کی عمر ۷۰ سال اور عیسوی سن کے لحاظ سے ۶۸ سال تھی۔ آپ مجلس مشاورت کے تمام اراکین سے زیادہ عمر والے تھے۔

خلافت کا پہلا خطبہ

خلافت کی بیعت کے بعد امیر المومنین سیدنا عثمان ؓ نے سب سے پہلی نماز جو عام مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت المسلمین ادا فرمائی وہ عصر کی نماز تھی۔ اس کے بعد آپ منبر نبوی پر تشریف لے گئے اور موجود مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔ اللہ کی حمد وثنا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

> ''لوگو! تم اپنی باقی زندگیاں دار قلعہ (مدینہ منورہ جو شیطانی دسترس سے محفوظ و مصئون ہے) میں گزار رہے ہو۔ چونکہ ساز ہستی کا تار ٹوٹنے والا ہے لہٰذا جس نیکی کرنے پر تمہیں قدرت حاصل ہے اس کو اسی عالم رنگ و بو میں جس میں تم اپنے شب و روز گزار رہے ہو جلد از جلد کر لو۔ کیونکہ دنیا ایک فریب کدہ ہے اور اس دنیا کی زیب و زینت کہیں تمہیں اس کے خم و پیچ میں الجھا نہ دے اور شیطان کے پنجہ اغوا میں گرفتار نہ کر دے۔ تم سے

پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ان کے حالات بد سے عبرت حاصل کرو اور سرمایہ آخرت کی فراہمی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھو اور غفلت کو اپنا شعار نہ بناؤ۔ ذرا اس کرہ ارض پر نظر تو دوڑاؤ کہ ابنائے دنیا اور دنیا کی محبت میں منہمک ہو کر اللہ کو بھولنے والے لوگ کہاں گئے جنہوں نے اس دنیا کی تعمیر و ترقی میں کافی حصہ لیا۔ بلاد و امصار کو بسایا پھر (اپنے خیال میں) کافی مدت تک اس سے بہرہ یاب اور لطف اندوز بھی ہوتے رہے۔ کیا دنیا نے ان کو اپنے سے دور نہیں پھینک دیا؟ تم بھی دنیا کو اسی طرح پھینکو جیسا اللہ رب العزت نے اس کو پھینکا ہے۔ اور ہمیشہ آخرت کی تلاش جاری رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین مثال سے سمجھایا ہے کہ:

واضرب لهم مثل الحيوٰة الدنيا كماءٍ انزلنٰه من السماء فاختلط به نبات الارض

اے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں سے ایک مثال بیان فرما دیں کہ اس دنیوی زندگی کی مثال پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے بارش کی شکل میں آسمان سے اتارا۔ پس زمین کی روئیدگی پانی سے مل گئی۔ پھر آخر کار بھوسہ ہو کر رہ گئی جس کو ہوائیں لیے پھرتیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ مال اور اولاد اس دنیوی زندگی کی چند روز ٹھاٹھ باٹھ ہے اور اعمال صالحہ آپ کے رب کے نزدیک بلحاظ ثواب اور جزاء کے بہتر اور اچھے ہیں"۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۴۷۔۱۴۸۔ طبری، ج ۳، ص ۳۰۵)

علامہ ابن کثیرؒ کی تصریح

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سیدنا عثمان ؓ جب اپنا پہلا خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر تشریف لے گئے تو آپ پر خوف و ڈر کی وجہ سے ایک

رعشہ کی سی کیفیت طاری تھی (یعنی فن خطابت سے بالکل نا آشنا تھے) اور زبان سے بات نہیں نکلتی تھی لہٰذا آپ نے صرف اتنا فرمایا: ''اے لوگو! پہلی سواری مشکل ہوتی ہے اگر میں زندہ رہا تو اچھے خطبے دیا کروں گا''۔ یہ بات صاحب العقد الفرید'' نے کہی ہے' لیکن امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ولکن لم ارباسنا و تسکن النفس الیه

''میں نے اس واقعہ کی کوئی تسلی بخش سند نہیں دیکھی''۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۴۷۔۱۴۸۔طبری، ج ۳، ص ۳۰۵)

گویا یہ واقعہ غلط اور بے ہودہ ہے یا لوگوں نے ویسے ہی افسانے کے طور پر اس کو سیدنا عثمان ؓ سر منڈھ دیا ہے۔

عوام اور عمال حکومت کے نام فرامین

خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت عثمان ؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عمال حکومت، فوجی سپہ سالاروں، محصلین خراج اور عوام الناس کے نام حکومت کی پالیسی کی وضاحت کے لئے فرامین جاری کیے، عمال حکومت کے نام جو فرمان جاری کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے

انصاف کی تلقین و تعلیم

(۱) حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خلفاء کو حکم دیا ہے کہ وہ عوام کے محافظ بنیں محصل نہ بنیں، ان کو عوام پر بالا دستی اس لئے حاصل نہیں ہوئی کہ وہ صرف خراج وعشر وصول کرتے رہیں۔اس امت کے ابتدائی دور کا آغاز اس طرح ہوا ہے کہ ہمارے پیش رو خلفاء عوام کے راعی تھے محصل نہ تھے، لیکن عنقریب وہ زمانہ آرہا ہے کہ حکام کی نظر محاصل پر ہوگی اور انہیں عوام کے حقوق کا کوئی خیال نہ ہوگا، یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں شرم وحیاء اور امانت ووفاداری کا خاتمہ ہو جائیگا، یاد رکھو منصفانہ روش یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے معاملات

پر گہری نظر رکھو، ان کے تمام حقوق ادا کرو اور جو کچھ ان پر واجب ہو وہ ان سے وصول کرو، ساتھ ہی مخالفوں پر کڑی نظر رکھو مگر کسی حالت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے!

عاملین خراج کے نام فرمان

(۲) عاملین خراج کے نام فرمان میں ارشاد فرماتے ہیں:

حمد وصلوٰۃ کے بعد! حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو برحق پیدا کیا ہے اور وہ ان کو حق پر قائم رکھنا چاہتا ہے لہٰذا حق ادا کرو اور حق وصول کرو، امانت ہی بہترین صفت ہے، تم اپنے اندر امانت کا جوہر پیدا کرنے کی کوشش کرو، کسی خلاف امانت کارروائی میں پہلی کرنے والے نہ بنو ورنہ بعد والوں کی تمام کارروائیوں میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے، انصاف اور وفا کا خیال رکھو، یتیموں اور ذمیوں پر زیادتی نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو خدا تمہارے مد مقابل ہوگا۔!

محافظین سرحد کے نام آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان

(۳) سرحد کے محافظوں اور فوجی سپہ سالاروں کے نام جاری کردہ فرمان میں تحریر فرماتے ہیں:

حمد وصلوٰۃ کے بعد! آپ حضرات مسلمانوں کے محافظ اور خطرات سے ان کا دفاع کرنے والے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کیلئے نظم وضبط کے جو قوانین مقرر کیے ہیں وہ ہم میں کسی سے مخفی نہیں، کیونکہ وہ ہماری نظروں کے سامنے مرتب ہوئے ہیں اور ہمارے ہی مشوروں سے طے پائے ہیں، مجھے ایسی کوئی شکایت نہ پہنچے کہ تم نے قائم شدہ نظم میں کوئی تبدیلی کی ہے! اگر ایسا ہوا تو تمہیں نصب سے ہٹا کر خدا کسی اور کو لے آئیگا! اس لئے تمہیں اپنے طرز عمل کا خیال رکھنا ہوگا اور میں ان تمام معاملات پر کڑی نظر رکھوں گا جن کی نگرانی خدا نے میرے ذمے کی ہے:

عوام الناس کے نام آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان

(۴) مختلف صوبوں اور شہروں کے عوام کے نام حسب ذیل فرمان جاری کیا گیا۔

بعد حمد وصلوٰۃ: تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج تمہیں جو اقتدار اور غلبہ حاصل ہے وہ اطاعت خداوندی اور اتباع سنت رسول کا ثمر ہے، ایسا نہ ہو کہ دنیا تمہیں اپنے اصلی مقصد سے غافل کر دے، اگر ایسا ہوا تو یہ امت بدعات کی طرف جھک جائے گی اور اس کے تین بڑے سبب ہوں گے۔

(۱) دولت ونعمت کی فراوانی (۲) اختلاط نسل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نئی نسل (۳) دیہاتیوں اور عجمیوں کی قرآن فہمی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب کوئی کوئی بات عجمیوں کی سمجھ میں نہیں آئیگی تو وہ تکلف اور جدت پسندی سے کام لیں گے!''

آپ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فرامین کی تشریحات

یہ تمام فرامین ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے خالی ہیں، ان میں جو ہدایات عمال حکومت کو دی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکموں کو عوام کا محافظ اور ان کے حقوق کا نگہبان ہونا چاہئے کیونکہ ہمارے پیش رو، محافظ تھے محصل نہ تھے، اگر اس وصف کو باقی رکھنے کی کوشش نہ کی گئی تو بے حیائی اور بے شرمی عام ہو جائیگی، حق مغلوب ہو جائیگا اور باطل کی چیرہ دستیاں بڑھتی چلی جائیں گی اور وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کی تلقین ہمارے پیش رو آئمہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے، ان میں دوسری اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ نہ حکومت کو خوش کرنے کیلئے عوام کے حقوق غصب کئے جائیں اور نہ ہی عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے حکومت کے واجبات کی وصولی میں کوتاہی کی جائے، حکومت کا حق حکومت کو ملنا چاہئے اور عوام کے حقوق عوام کو، تیسری ہدایت ذمیوں کے حقوق کے بارے میں ہے کہ ان کے جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ مسلمانوں اور ان کی قائم کردہ ریاست کی ذمہ داری ہے، اگر ذمی مسلم ریاست کے خیر خواہ، مخلص اور وفادار ہیں تو ان کے اور مسلمانوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی عدل وانصاف کا استحقاق رکھنے میں مسلمانوں کے مساوی درجہ رکھتے ہیں، چوتھی ہدایت کا تعلق مخالفین اسلام سے ہے جو اسلام اور مسلمانون کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں

کرتے، اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ سورہ برات اور دیگر قرآنی آیات میں نازل شدہ احکام کی روشنی میں عمال حکومت کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ ان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوششیں جاری رکھیں، ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کریں اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو فبہا ورنہ؟ دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں یا مناسب اور قابل عمل شرائط پر مصالحت یا جنگ، اگر صلح طے پا جائے تو بہر صورت ایفائے عہد پر قائم رہنا چاہئے کیونکہ اسلام میں دشمنوں سے بھی غداری کی اجازت نہیں ہے۔

عاملین خراج کے نام ہدایات میں انہی امور کی تاکید کی گئی ہے جن پر عمال حکومت کو توجہ دلائی گئی تھی البتہ ان میں نسبتاً شدت اور تاکید کا پہلو نمایاں ہے جس کی ضرورت بالکل واضح ہے، ان سے کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو برحق پیدا کیا ہے اور وہ حق ہی کو پسند کرتا ہے لہٰذا لوگوں سے حکومت کا جائز حق وصول کرو اور ان کو ان کے جائز حقوق ادا کردو، وہ محصلین کو پرزور انداز میں ہدایت کرتے ہیں کہ حق وانصاف کو ہر حال میں قائم رکھیں کیونکہ اگر انہوں نے کسی قسم کی زیادتی کرنے میں پہل کی تو وہ بھی آئندہ زیادتی کرنے والوں کے جرم میں برابر کے شریک جرم ہونگے، آخر میں یتیموں اور زمیوں پر زیادتی کرنے سے منع کیا ہے اور انتہائی تہدید آمیز انداز میں عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے۔

سرحد کے محافظوں اور فوجی سپہ سالاروں کے نام جاری کردہ فرمان میں ان کو ان کی دفاعی ذمہ داریوں کا جس قوت وشدت کے ساتھ احساس دلایا ہے وہ ان کے لئے نہایت مناسب وضروری تھا، اس فرمان سے حضرت عثمانؓ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فوجی افسروں سے کس زبان میں بات کرنی چاہئے؟ علاوہ ازیں وہ فوجی سپہ سالاروں کو تاکید کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان کے لئے جو نظام مرتب کیا تھا اس میں کوئی معمولی سی تبدیلی بھی گوارہ نہیں کی جائیگی اور اگر انہوں نے مقررہ ضابطوں میں کسی قسم کی تبدیلی کی کوشش کی تو وہ فوجی خدمات سے سبکدوش کردیئے جائیں گے، جن لوگوں نے بڑی جسارت کے ساتھ حضرت عثمانؓ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ ''وہ بتدریج حضرت عمرؓ کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے!'' ان کیلئے اس فرمان میں بڑی عبرت وہدایت

موجود ہے۔

عوام کے نام جاری کردہ فرمان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جن درپیش خطرات سے آگاہ فرمایا ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مستقبل کے متوقع خطرات اور پیش آنے والے حوادث سے پوری طرح باخبر تھے، انہوں نے عوام کو خبردار کیا کہ فتوحات کے نتیجے میں انہیں جو سربلندی حاصل ہوئی ہے وہ اطاعت خداوندی اور اتباع رسول کا نتیجہ ہے لیکن مسلسل فتوحات کے نتیجے میں متوقع خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے انہوں نے ان کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی بھی کر دی کہ عیش وعشرت کی یہ زندگی جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے ان کی ہلاکت وتباہی کا سبب بھی بن سکتی ہے، اسی طرح غیر قوتوں کے اختلاط سے پیدا ہونے والی نئی نسل بھی بہت سی خرابیوں کا سبب بن سکتی ہے، اگر حالات پر کڑی نظر نہ رکھی گئی اور پیش آنے والے خطرات کی بروقت روک تھام نہ کی گئی تو دین میں نئی باتیں داخل ہو جائیں گی اور بدعات کا ایک ایسا دروازہ کھل جائیگا جو کبھی بند نہ ہو سکے گا، دیہاتی عرب اور عجمی مسلمان قرآنی مطالب کو توڑ مروڑ کر پیش کریں گے اور اپنی من مانی تحریفات کے ذریعہ اس کی تعلیمات کو کچھ سے کچھ بنا دیں گے! کہیں حد سے زیادہ سختی برتیں گے تو کہیں بالکل ہی ڈھیل چھوڑ دیں گے اور اس طرح اسلام جو ایک سیدھا سادا سا دین ہے ان کی انتہائی سخت گیریوں اور حد سے بڑھی ہوئی سہل انگاریوں کے درمیان گم ہو کر رہ جائیگا!

پیش آنے والے واقعات وحوادث کا جو نقشہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عوام کے نام اپنے اولین پیغام میں پیش کیا تھا وہ حرف بحرف پورا ہو کر رہا اور متوقع خطرات کے جن عوامل ومحرکات کی نشان دہی آپ نے فرمائی تھی وہی عوامل ومحرکات ان تمام خرابیوں کا سبب بنے جن کے متوقع خطرات سے برسوں پہلے آپ نے مسلم عوام کو آگاہ فرما دیا تھا، یہ فرامین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی اور پیش بینی کا بہترین نمونہ ہیں۔

نظم ونسق مملکت

عہد فاروقی میں اسلامی مملکت حسب ذیل صوبوں پر مشتمل تھی مکہ، مدینہ، شام، الجزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا، ایک حصے کا دار الحکومت ایلیہ اور دوسرے کا رملہ تھا، ایران کی جو تقسیم پہلے سے چلی آرہی تھی یعنی فارس، کرمان، خراسان، سجستان، اور آذربائیجان، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو برقرار رکھا۔

صوبہ جات کی تقسیم اور گورنروں کا تقرر

ا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی نقطہ نظر سے شام کے صوبے کو چار فوجی علاقوں دمشق، حمص، اُردن اور فلسطین میں تقسیم کیا ہوا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس تقسیم کو ختم کر کے ایک صوبہ اور ایک فوجی علاقہ بنا دیا۔

ب۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر دو حصوں میں منقسم تھا بالائی مصر اور زیریں مصر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں حصوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دونوں حصوں کے گورنر الگ الگ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں حصے ایک ہی گورنر کے تحت کر دیئے،

خلافت عثمانی میں ٹیونس، الجزائر، مراکش، قبرص، آرمینہ، طبرستان اور کابل کے نئے صوبوں کا اضافہ ہوا۔ عہد فاروقی کے جو گورنر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کم از کم ایک سال تک اپنے عہدوں اور علاقوں پر برقرار رہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

مکہ مکرمہ	نافع بن عبد الحارث الخزاعی
طائف	سفیان بن عبد اللہ الثقفی
جند	عبد اللہ بن ربیعہ
صنعاء	لیلیٰ بن مبنہ
کوفہ	مغیرہ بن شعبہ

بصرہ	ابوموسیٰ اشعری
مصر	عمرو بن العاص
حمص	عمیر ب سعید
دمشق	معاویہ بن ابی سفیان
فلسطین	عبدالرحمٰن بن عقبہ
بحرین	عثمان بن ابی العاص

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حسب ذیل عمال حکومت مختلف بلاد اسلامیہ میں مقرر تھے۔

مکہ مکرمہ	عبداللہ بن خضرمی
طائف	قاسم بن ربیعہ ثقفی
جند	عبداللہ بن ربیعہ
صنعاء	لیلٰی بن منبہ
بصرہ	عبداللہ بن عامر بن کریز
کوفہ	سعید بن عاص
مصر	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح
شام	معاویہ بن ابی سفیان
حمص	عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید
قنسرین	حبیب بن سلمہ
اردن	ابوالاعوار بن سفیان
فلسطین	علقمہ بن حکیم کنانی
بحرین	عبداللہ بن قیس بن فزاری
قرقیسیا	جر جیر بن عبداللہ
حلوان	عقبہ بن نہاس
ماہ	مالک بن حبیب

ہمدان	نسیئر
ری	سعید بن قیس
سبزان	جیش

خلافت عثمانی ؓ کی اسلامی فلاحی مملکت

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں دفتر عطیات و وظائف میں جن لوگوں کے وظائف درج تھے حضرت عثمان ؓ نے ان میں فی کس سو درہم کا اضافہ کر دیا، رمضان المبارک کے مہینے میں عہد فاروقی میں فی کس ایک درہم یومیہ اور ازواج مطہرات کو دو درہم دیئے جاتے تھے، حضرت عثمان ؓ نے مقرر روزینہ کے علاوہ ان سب کا دو وقتہ کھانا بھی مقرر کر دیا اسی طرح مساجد میں مسافروں، بے گھر لوگوں اور فقراء کو بھی رمضان میں کھانا دیا جاتا تھا، دفتر عطیات و وظائف میں جن لوگوں کے نام درج تھے ان میں امہات المومنین کے اسماء گرامی سرفہرست تھے۔ ان کے بعد وہ مہاجرین و انصار آتے تھے جنہوں نے غزوات میں حصہ لیا تھا، ان میں اصحاب بدر کو دوسروں پر مقدم رکھا گیا تھا، تیسرے نمبر پر وہ ضعیف العمر اور سن رسیدہ اشخاص وظائف کے مستحق تھے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا یا وہ بیوہ عورتیں جن کی کفالت کرنے والے شوہر موجود نہ تھے، ان سب کے وظائف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ تھی چنانچہ سن رسیدہ ذمی مردوں اور عورتوں کے وظائف بھی بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔

تاریخ عالم میں یہ پہلا موقع تھا جب کسی ریاست نے مملکت کے ہر متنفس کو لباس وغذا بہم پہنچانے کی ذمہ داری قبول کی تھی، بنابریں خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی دنیا کی پہلی فلاحی ریاستیں تھیں جو اس ذمہ داری سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئیں۔

ذرائع آمدنی

خلافت فاروقی کی طرح خلافت عثمانی کے ذرائع آمدنی بھی زکوٰۃ، جزیہ، عشر، خراج، فے، غنیمت، معادن اور محصولات پر مشتمل تھے، البتہ زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ پابندی کہ زکوٰۃ کی رقم بیت المال ہی میں جمع کرائی جائے حضرت عثمان ؓ نے نرم کر دی تھی، جس

کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عہد خلافت میں بیت المال بہت خوشحال تھا مگر دوسری تمام آمدنیوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی چنانچہ عمرو بن العاص ؓ کی گورنری میں جب مصر کے خراج کی رقم توقع سے کم وصول ہوئی تو انہیں تنبیہ کی گئی مگر جب اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا گیا جنہوں نے پہلے ہی سال مصر کے خراج کی رقم بیس لاکھ سے بڑھا کر چالیس لاکھ کر دی تھی۔

بروقت احتساب اور انصاف

حضرت عثمان ؓ اپنی نرم خوئی کی وجہ سے مشہور ہیں مگر دینی اور اخلاقی معاملات میں آپ کسی قسم کی نرمی برتنے کے روادار نہ تھے، جب بھی آپ کے علم میں کوئی ایسی بات آئی جس سے دینی اقدار کی پامالی یا اخلاقی بگاڑ کا خدشہ ہوتا تو آپ اس کی طرف داری نہ فرماتے تھے چنانچہ اس مقصد کیلئے آپ نے ایک محکمہ احتساب قائم کیا تھا جس کے تحت حکومت کے اہلکار بازاروں اور بستیوں میں گشت کرتے تھے اور لوگوں کو برائیوں کے ارتکاب سے روکتے تھے، جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ اس کی وجہ سے شہری ماحول میں خرابی یا بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس کو شہر بدر کر دیتے، بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: میں یہ کوئی نیا کام نہیں کر رہا ہوں، حکم بن ابی العاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے طائف بھیج دیا تھا پھر جب اس کا گناہ معاف کر دیا تو واپس آنے کی اجازت رحمت فرمائی تھی۔

ایک شخص نے حضرت عباس ؓ ابن عبدالمطلب کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے اسے سزا دی اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم فرمائیں اور یہ شخص ان کی توہین کرے، میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آتی ہے"۔

لیکن اجراء حدود میں ہمیشہ احتیاط سے کام لیتے تھے ایک مرتبہ ایک عورت بڑے خستہ حال میں آئی اور کہنے لگی "مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے" آپ نے اپنے غلام سے فرمایا: "اسے باہر نکال دو!" غلام نے عورت کو باہر نکال دیا وہ پھر واپس آ گئی اور پھر اسی بات

کو دہرایا۔ آپ نے غلام سے پھر کہا کہ ''اسے باہر نکال دو!'' لیکن عورت پھر لوٹ آئی اور اس نے پھر یہی کہا کہ ''مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے'' آپ نے غلام سے فرمایا: ''افسوس میں اس عورت کو بہت خستہ حال دیکھ رہا ہوں اور زبوں حالی ایسی بُری بلا ہے جو انسان کو ہر برائی پر آمادہ کر دیتی ہے تم اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ، پہننے کو کپڑے دو اور ایک گدھے پر کھجور، آٹا اور کشمش لاد کر کسی قافلے کے ساتھ روانہ کر دو!'' حضرت عثمان ؓ کا یہی غلام بیان کرتا ہے کہ میں نے تعمیل ارشاد کرنے کے بعد عورت سے پوچھا، کیا تو اب بھی ارتکاب زنا کا اقرار کرتی ہے؟'' اس نے کہا نہیں! میں تو اپنی زبوں حالی کی وجہ سے امیر المومنین کے سامنے اقرار کر رہی تھی۔

فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر

اسلامی مملکت کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور غیر معمولی وسعت کے پیش نظر حضرت عمر ؓ نے اہم مقامات پر فوجی چھاؤنیں قائم کی تھیں، جہاں مناسب تعداد میں فوج اور جنگی ساز و سامان کا انتظام رہتا تھا، آپ نے فوجی اعتبار سے اسلامی مملکت کو مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص اور فلسطین کے مراکز میں تقسیم کیا ہوا تھا، حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں طرابلس، قبرص، طبرستان اور آرمینیہ کے مراکز کا اضافہ ہوا، بحری بیڑا خلافت عثمانی میں وجود میں آیا اور اس کے دو مراکز سواحل شام و اسکندریہ میں قائم کیے گئے، شام کا بحری مرکز معاویہ ؓ بن ابی سفیان اور اسکندریہ کا مرکز عبداللہ بن سعد ؓ کی کمانڈ میں تھا چنانچہ اسلام کے انہی بحری جرنیلوں نے شہنشاہ روم کے عظیم بحری بیڑے کو شکست فاش دی تھی، فوجی چھاؤنیوں میں فوجیوں کی رہائش کے لئے باقاعدہ بیرکیں بنائی گئی تھیں جن کے ساتھ گھوڑوں کے بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، ان کے لئے فوجی چراگاہیں مخصوص تھیں جن مین اور کوئی جانور نہیں چرتا تھا۔ یہ انتظام حضرت عمر ؓ کے زمانے سے چلا آرہا تھا، حضرت عثمان ؓ کے عہد میں اس کو مزید ترقی دی گئی، چنانچہ ایک ایک چراگاہمیں ہزاروں اونٹ اور گھوڑے پرورش پاتے تھے۔

دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ کی تعمیرات

خلافت عثمانی میں تعمیرات میں بڑی ترقی ہوئی ۲۶ھ میں مسجد حرام کی توسیع و مرمت کے سلسلے میں بڑا کام ہوا، آپ نے اطراف کی زمینیں خرید کر حرم میں توسیع کرنی چاہی تو زمینوں کے بعض مالکان رضامند نہ ہوئے اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا، ان کے جواب میں آپ نے فرمایا: ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آس پاس کے مکان خرید کر منہدم کرائے تھے اور حرم میں توسیع کی تھی تو تم لوگ خاموش رہے، اب وہی کام میں کر رہا ہوں تو تم لوگ اعتراض کر رہے ہو! غرض آپ نے لوگوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور مکان منہدم کرا دیئے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی، جن لوگوں نے زیادہ مخالفت کی انہیں قید میں ڈال دیا پھر عبداللہ بن خالد بن اسید کی سفارش پر انہیں رہائی ملی۔

۲۹ھ میں مسجد نبوی کی توسیع و تزئین کا کام شروع ہوا تو ابتدا میں اس پر بھی اعتراضات کئے گئے مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں نمازیوں کی کثرت کے باعث مسجد کی توسیع کی ضرورت پر زور دیا تو لوگ اپنے مکان فروخت کرنے پر رضامند ہو گئے، توسیع کے بعد مسجد کا طول ایک سو ساٹھ گز اور عرض ایک سو پچاس گز ہو گیا تھا، مسجد کے فرش اور دیواروں پر پچی کاری کا کام کرایا گیا، چھت میں عمدہ لکڑی استعمال کی گئی اور ستون ایسے پتھروں سے بنائے گئے جن میں سیسہ بھرا گیا تھا لیکن دروازوں کی تعداد بدستور سابق چھ رہی۔

ان تعمیرات کے علاوہ بہت سے دوسرے تعمیری کام ہوئے، سڑکیں بنی، پل تعمیر ہوئے دفاتر کیلئے بڑی بڑی عمارتیں بنوائی گئیں، مفتوحہ ممالک میں مسجدیں تعمیر ہوئیں، کوفہ بڑا تجارتی شہر تھا وہاں مسافروں کے لئے مہمان خانہ بنایا گیا، حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر نے مدینہ اور دوسرے شہروں سے آنے والے مسافروں کیلئے ایک بڑا مسافر خانہ تعمیر کرایا جس کا نام قصر عثمان رکھا پھر اس کے سامنے دوسرا مہمان خانہ قصر رملہ کے نام سے تعمیر کیا۔

مدینہ میں منہرور اور مزنیب کی وادیوں میں خیبر کی طرف سے اکثر سیلاب آ جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات مبارکہ میں یہ تجویز پیش فرمائی تھی کہ ان وادیوں

کے پانی کو روک کر نشیب کی طرف بہا دیا جائے، یہ خوش قسمتی بھی حضرت عثمانؓ ہی کے حصے میں آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق آپ نے مدینہ سے کچھ فاصلے پر بند بنوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی غفسان واقع ہے جہاں میٹھے پانی کے کنویں ہیں، ان میں ایک کنواں حضرت عثمانؓ کا بنایا ہوا ہے جس کا تذکرہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں بطور خاص کیا ہے۔

تبادلہ اراضی

حضرت عثمانؓ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مفتوحہ علاقوں کی بیشتر زمینیں اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی تھیں، حضرت عثمانؓ نے اس کے جواب میں فرمایا: جو زمینیں فتح ہوتی گئیں وہ انصار و مہاجرین میں تقسیم کر دی گئیں پھر کچھ لوگ تو ان زمینوں پر آباد ہو گئے اور کچھ لوگ اپنے آبائی وطن کی طرف لوٹ آئے تو میں نے مفتوحہ ممالک میں ان کی خالی پڑی ہوئی زمینوں کا تبادلہ بلاد عرب کی ان زمینوں سے کر دیا جن کے مالک مفتوحہ علاقوں میں آباد ہونا چاہتے تھے۔

یہ انتظام شہروں کی توسیع و ترقی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کیلئے بہت ضروری تھا کیونکہ اگر مفتوحہ علاقوں سے اپنے آبائی وطن کی طرف واپس آنے والے مالکان اراضی کی مفتوحہ زمینیں یونہی پڑی رہتیں اور بلاد عرب کی زمینوں سے ان کا تبادلہ نہ کیا جاتا تو یہ صورت کسی کے مفاد میں بھی نہ ہوتی بلکہ ان زمینوں کا بیشتر حصہ کاشت نہ کئے جانے کے باعث بے مصرف پڑا رہتا جسے دنیا کی کوئی حکومت بھی پسند نہیں کر سکتی۔

سیدنا عثمان ؓ کے گورنر

امیرالمومنین سیدنا عثمان بن عفان ؓ! نے اپنے بارہ سالہ دورِ خلافت میں جن حضرات کو مختلف صوبوں میں اپنا گورنر مقرر فرمایا ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ مکۃ المکرمہ......مختلف مواقع پر چار حضرات گورنر رہے۔

(i) خالد ؓ بن العاص بن ہشام المخزومی، الاستیعاب تحت ترجمہ خالد بن العاص ؓ

(ii) علی ؓ بن عدی بن ربیعہ، (تجرید اسماء الصحابہ، جلد ۱، ص ۱۵۶)

(iii) عبداللہ بن عمرو الحضرمی (تاریخ یعقوبی، جلد ۳، ص ۱۸۶)

(iv) عبداللہ بن حارث بن نوفل الہاشمی

۲۔ طائف......قاسم بن ربیعہ الثقفی ؓ (ابن اثیر، جلد ۳، ص ۱۸۶، یعقوبی، جلد ۲، ص ۱۷۶، طبری تحت عمال عثمان)

۳۔ صنعا (یمن)......یعلی بن میتہ التمیمی ؓ (طبری، جلد ۳، ص ۴۴۵، یعقوبی، جلد ۲، ص ۱۷۶)

۴۔ الجند......(یمن)......عبداللہ بن ابی ربیعۃ المخزومی (طبری، جلد ۳، ص ۴۴۵، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۱۸۶)

۵۔ صنعا (شام)......ثمامہ بن عدی

۶۔ حمص......عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ؓ (ابن اثیر، جلد ۳، ص ۱۸۶)

۷۔ قنسرین......حبیب بن مسلمہ الفہری ؓ (طبری، جلد ۳، ص ۴۴۶)

۸۔ اردن......ابوالاعور بن سفیان ؓ

۹۔ فلسطین......علقمہ بن حکیم الکنانی ؓ

۱۰۔ قرقیساء......جریر بن عبداللہ ؓ (ابن اثیر، جلد ۳، ص ۱۸۶، طبری جلد ۳، ص ۴۴۵)

۱۱۔ آذربائیجان......اشعث بن قیس الکندی ؓ (ابن اثیر، جلد ۳، ص ۱۸۶)

۱۲۔ حلوان......عتیبہ بن النہاس ؓ (طبری، جلد ۳، ص ۴۴۶)

۱۳۔ حلوان......عتیبہ بن النہاس رضی اللہ عنہ (طبری جلد۳،ص۴۴۶)

۱۴۔ ماہ......مالک بن حبیب رضی اللہ عنہ (ابن اثیر، جلد۳،ص۱۸۷)

۱۵۔ عذان......النسیر (طبری، جلد۳،ص۴۴۶، ابن اثیر، جلد۳،ص۱۸۷)

۱۶۔ رے......سعید بن قیس رضی اللہ عنہ

۱۷۔ ماسبذان......حبش رضی اللہ عنہ (ابن اثیر، جلد۳،ص۱۸۷، طبری، جلد۳،ص۴۴۶)

۱۸۔ قومس......جبلہ بن حیوہ الکنانی رضی اللہ عنہ

۱۹۔ موصل......حکیم بن سلامہ رضی اللہ عنہ

۲۰۔ بصرہ......عبداللہ بن عامر بن کریز الاموی رضی اللہ عنہ (ابن اثیر، جلد۳،ص۱۸۶، مروج الذھب، جلد۲، صفحہ۳۳۴)

۲۱۔ کوفہ

(i) پہلے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تھے (ابن اثیر، جلد۳،ص۱۸۶، یعقوبی، جلد۲،ص۱۷۲)

(ii) پھر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر بنے۔

(iii) پھر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ گورنر مقرر ہوئے۔

(iv) پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر بنائے گئے۔

(v) اور آخر میں ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ گورنر ہوئے۔

۲۲۔ مصر......

(i) پہلے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔ (طبری جلد۳،ص۴۴۶)

(ii) پھر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ (یعقوبی، جلد۲،ص۱۷۶، مروج الذھب، جلد۲،ص۳۳۴)

۲۳۔ شام......سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ عنہ (طبری، جلد۳،ص۴۴۶، مروج الذھب، جلد۲،ص۳۳۴)

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل حضرات مختلف عہدوں پر مقرر تھے۔

(i) سر رئیس البحریہ......عبداللہ بن قیس الکنانی رضی اللہ عنہ

(ii) بیت المال......عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

(iii) قضاء دمشق......ابوالدرداء الانصاری رضی اللہ عنہ

(iv) خراج کوفہ..... جابر بن عمر المزنی اور سماک الانصاری

(v) حرب کوفہ..... قعقاع بن عمرو ؓ

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''طبری'' جلد ۵، ص ۱۴۸، ابن الاثیر، جلد ۳، ص ۹۵، ''تاریخ خلیفہ بن خیاط'' جلد ۱، ص ۱۵۶۔ ''التمہید والبیان'' ص ۱۵۰، ''تاریخ یعقوبی'' جلد ۲، ص ۱۷۶، ''البدایۃ والنہایۃ'' جلد ۷، ص ۱۵۱، ''الاصابہ'' جلد ۲، ص ۳۵۲، ''اسد فی معرفۃ الصحابہ'' جلد ۳، ص ۱۹۱، سیر اعلام النبلاء'' جلد ۳، ص ۱۳

علاوہ ازیں آپ نے مروان بن الحکم الاموی کو اپنا کاتب اور منشی مقرر فرمایا۔ ان حضرات میں سے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ، سیدنا ولید بن عقبہ ؓ سیدنا سعید بن العاص ؓ اور سیدنا مروان بن الحکم ؓ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ لہٰذا قدیم اور جدید سبائیوں نے انہیں اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا اور ساتھ ہی سیدنا عثمان ؓ کی شخصیت کو بھی مجروح کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ ان لوگوں کو صرف اپنا قریبی رشتہ دار سمجھتے ہوئے گورنر بنایا گیا بذات خود ان حضرات میں کوئی خوبی نہیں تھی۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا عثمان ؓ نے ان حضرات کو ان کی قابلیت کی وجہ سے مختلف عہدوں پر فرمایا تھا نہ کہ قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اور ان حضرات کی کارکردگی اور خدمات نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ یہ واقعہ ان عہدوں کے مستحق اور سزاوار تھے اور انہوں نے اسلام اور اہل اسلام کے لیے وہ خدمات جلیلہ سرانجام دیں جن کے لیے تاریخ کے صفحات تا قیامت ان کی خدمات کو سراہتے رہیں گے ان حضرات کی قابلیت کی وجہ ہی سے صحابہ کرام ؓ نے جن کی موجودگی مین امیر المومنین ؓ نے ان کو مختلف خدمات پر مامور فرمایا تھا' کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ مواقع پر ان حضرات کی قیادت وسیادت میں مختلف صحابہ ؓ نے نہایت خوش دلی کے ساتھ جہادی خدمات سر انجام دیں۔

چونکہ ان حضرات کے معترضین اپنی تنقید کا ہدف اور ان کی وجہ سے امیر المومنین سیدنا عثمان ؓ کو بھی مطعون کرتے ہیں لہٰذا ہم آئندہ صفحات میں ان حضرات کی خدمات اور چند فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین اور عام لوگوں کو اس بات کا علم ہو

جائے کہ یہ حضرات کوئی معمولی انسان نہیں تھے بلکہ نہایت اعلیٰ کردار کے مالک اور تدین میں اعلیٰ اور بلند مقام کے حامل تھے۔

(سیرت حضرت عثمان ص! از حکیم محمود احمد ظفر ص ۵۲۸)

خلافت عثمانی کے گورنروں کا نصب وعزل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک ان کے مقرر کردہ گورنروں میں سے کسی کو معزول نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت میں یہ مصلحت مضمر تھی کہ ان کے مقرر کردہ عمال نے جن کاموں کا آغاز کیا ہوا ہے ان میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور جو اصلاحی یا ترقیاتی منصوبے شروع کئے ہوئے ہیں وہ انہی کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچیں جنہوں نے ان کا آغاز کیا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف یہی نہیں کیا کہ عمال کے عزل ونصب کی کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اپنے تمام عمال کو بڑی سختی کے ساتھ یہ ہدایات جاری کیں کہ وہ اسی پالیسی پر عمل پیرا ہیں جو پالیسی نظم حکومت کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب فرمائی تھی، اسی طرح فوجی سپہ سالاروں کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فوجی حکمت عملی کے مطابق اقدامات کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں تا کہ ان تمام مقاصد کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھے کامیابی کے ساتھ حاصل کیا جا سکے، جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ! پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرتب کردہ پالیسیوں سے بتدریج ہٹتے چلے گئے یا یہ کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنروں کو تبدیل کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے نا تجربہ کار نوجوانوں کو حکومت کے بڑے بڑے مناصب پر مقرر کر دیا، اول تو اس الزام میں کوئی صداقت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کی پوری طرح پابندی کی بلکہ ان کی مقرر کردہ (ایک سال کی) مدت کے بعد بھی اگر کسی گورنر کو تبدیل کیا ہے تو اس تبدیلی کیلئے معقول سیاسی اور انتظامی وجوہات موجود تھیں کیونکہ جس قسم کی انتظامی تبدیلیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی ہیں ایسی بہت سی تبدیلیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی ہوتی رہی ہیں چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے متعلق انہوں نے اپنے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ کو بطور خاص وصیت فرمائی تھی کہ ”میں نے انہیں کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا اسلئے نئے خلیفہ کو ان کا ہر ممکن تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

ان اعتراضات میں اس لئے بھی کوئی وزن نہیں کیا ہے کیونکہ جن معترضین نے عہد عثمانی کے گورنروں کے تقرر پر اعتراضات کئے ہیں انہوں نے خود اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ کے مقرر کردہ گورنروں اور سپہ سالاروں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی صلاحیتوں کا ثبوت پیش کیا ہے اور ان کے ہاتھوں عظیم الشان فتوحات عمل میں آئی ہیں' اس اعتراف کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ گورنروں کے عزل ونصب میں جو کارروائی بھی کی گئی اس میں کوئی نہ کوئی سیاسی یا انتظامی مصلحت پیش نظر رہی ہے۔

عزل ونصب کی تفصیلات

ذیل میں عہد عثمانی کے گورنروں کا مختصر تعارف اور ان کے عزل ونصب کی تفاصیل پیش کی جارہی ہیں تاکہ حقیقت حالات کا صحیح نقشہ سامنے آجائے۔

(۱) مکہ کے گورنر نافع ؓ بن عبدالحارث خزاعی تھے جو قریشی نہیں تھے، یہ حضرت عمر ؓ کے مقرر کردہ گورنر تھے، جنہیں حضرت عثمان ؓ نے ان کے منصب پر برقرار رکھا۔

(۲) طائف بن ثقیف کا شہر ہے اس کے گورنر سفیان بن عبداللہ ثقفی تھے یہ بھی قریشی نہ تھے۔

(۳) صنعاء کے گورنر یعلی بن مبنہ تھے جو قریشی نہیں ہیں بلکہ نوفل بن عبد مناف کے حلیف ہیں۔

(۴) جند کے گورنر عبداللہ بن ابو ربیعہ تھے جو بنی مخزوم سے تعلق رکھتے ہیں، فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا اسلامی نام عبداللہ رکھا، عہد نبوی میں مقام جند اور اس کے اطراف واکناف پر بطور گورنر مقرر ہوئے، خلافت شیخین ؓ میں اسی منصب پر برقرار رہے بلکہ حضرت عمر ؓ نے یمن کا دارالحکومت صنعاء بھی ان کی تحویل میں دے دیا، حضرت عثمان ؓ کے پورے عہد خلافت میں اسی منصب پر فائز رہے، حضرت عثمان ؓ کے ایام محصوری میں مدد کیلئے روانہ ہوئے تھے مگر مکہ کے قریب گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہو گئے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ

(۵) کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ تھے جو ثقفی ہیں، بڑے بیدار مغز مدبر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پہلے بصرہ کے گورنر بنے جب وہاں کے لوگوں نیں ازش کر کے زنا کا سنگین الزام لگایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سازش پکڑ لی تھی مگر انتظامی مصلحت کے پیش نظر انہیں بصرہ کی گورنری سے تبدیل کر کے کوفہ کا گورنر بنا دیا اور فرمایا کہ تم کو یاد ہے اہل بصرہ نے تم پر کیسی سنگین تہمت لگائی تھی، مطلب یہ تھا کہ کوفہ و بصرہ کے لوگ سازشی ذہن کے مالک ہیں تمہیں بصرہ میں ان سے سابقہ پڑ چکا ہے، اب کوفہ جا رہے ہو تو ان کی سازشی ذہنیت سے ہوشیار رہنا ورنہ بصرہ کی طرح ان کی کسی خطرناک سازش کے شکار ہو جاؤ گے"۔

بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

(۶) بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے جو نہ قریشی ہیں نہ مضری نہ عدنانی بلکہ یمنی ہیں اکابر مہاجرین میں سے ہیں، عبداللہ نام اور ابو موسیٰ کنیت ہے، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، اسلام کا شہرہ سن کر یمن سے مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ہی ملاقات میں شرف با سلام ہو گئے، وطن واپس جا کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم ہجرت فرمایا تو یہ بھی اپنے قبیلہ (اشعر) کے پچاس افراد کے ساتھ بحری راستے سے عازم مدینہ ہوئے مگر باد مخالف نے تمام اہل قافلہ کو حبشہ پہنچا دیا، کچھ دن وہاں قیام کیا پھر مہاجرین حبشہ کے ساتھ یہ اور ان کے ساتھی فتح خیبر کے موقع پر مدینہ پہنچے، فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک کی مہمات میں شرکت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو اقصائے یمن کا (جسمیں جند اور عدن شامل تھے) عامل مقرر فرمایا تو یمن کی عملداری ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دی اور ان دونوں حضرات کو نصیحت فرمائی کہ "لوگوں پر آسانی کرنا سختی نہ کرنا، ان کو اچھی خبریں سنانا، نفرت کی باتیں نہ کرنا" حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت مدبر،

معاملہ فہم اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمدین میں سے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شیخین ؓ کے عہد خلافت میں وہ اس منصب پر اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے، حضرت عمر ؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی بصرہ کی گورنر سے معزولی کے بعد ان کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا لیکن جب اہل کوفہ کی شکایت پر ۲۳ھ میں حضرت عمار بن یاسر ؓ کوفہ کی گورنری سے معزول کئے گئے تو خود اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت ابو موسیٰ بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیئے گئے، کچھ عرصہ بعد پھر بصرہ واپس آ گئے، حضرت عمر ؓ کی شہادت کے وقت یہ بصرہ کے گورنر تھے، حضرت عثمان ؓ نے حضرت عمر ؓ کی وصیت کے مطابق ان کو بصرہ کی گورنری پر برقرار رکھا اور ۲۹ھ تک یہ بصرہ کے گورنر رہے مگر جیسا کہ کوفہ و بصرہ کے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنے حاکم سے زیادہ عرصے تک خوش نہیں رہتے تھے، یہی صورت حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے سلسلے میں پیش آئی اور اہل بصرہ نے حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں وفود بھیجنے شروع کر دیئے کہ ہم پر کسی نوجوان گورنر کو مقرر کیا جائے، بعض لوگوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ وہ ہماری زمینیں بھی کھا رہے ہیں اور اپنی قوم کے لوگوں کو کھلا رہے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ ؓ حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت سے بصرہ کے گورنر چلے آ رہے تھے۔

بصرہ میں عبداللہ بن عامر کا تقرر

خلافت عثمانی میں کم و بیش چھ سال تک بصرہ کے گورنر رہے، آخر لوگوں کی شکایتوں سے مجبور ہو کر حضرت عثمان ؓ نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا، یہ نوجوان بلا کر بہادر بیدار مغز، مضبوط ارادے کا مالک اور مشکلات و مصائب سے عہدہ برآ ہونے کی غیر معمولی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھا، فتوحات کے معاملے میں اس نے سعید ؓ بن العاص کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

حضرت ابو موسیٰ ؓ اشعری کی گورنری کے عہدے سے معزولی خود اہل بصرہ کی شکایات پر عمل میں آئی تھی لہٰذا یہ الزام کہ آپ نے اپنے خاندان کے ایک نوجوان کو مقرر

کرنے کیلئے ابوموسیٰ کو معزول کیا اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو حضرت عمر ﷺ کی وصیت کے مطابق ایک سال کی مدت پوری ہوتے ہی حضرت ابوموسیٰ ﷺ کو ہٹا کر کسی اموی نوجوان کو مقرر کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اب بھی اگر اہل بصرہ ان سے نہ اکتا گئے ہوتے تو وہ انہیں ان کے منصب سے ہرگز معزول نہ کرتے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ واقعہ تحکیم کے بعد مکہ چلے آئے اور خانہ نشین ہو کر بیٹھ رہے ۴۴ھ میں یہیں ماہ ذی الحجہ میں وفات پائی۔

حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص ﷺ

(۷) مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص ﷺ تھے جو قریش ہیں اور قبیلہ بنی سہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے مدبر، انتہائی بیدار مغز، غیر معمولی فہم وفراست کے مالک اور ایک عظیم جرنیل تھے، مصر کا علاقہ انہی کی کوششوں سے فتح ہوا اور اسی نسبت سے فاتح مصر کہلائے، ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق حضرت عثمان ﷺ نے اپنے ابتدائی عہد خلافت میں کم از کم ایک سال تک حضرت عمر ﷺ کے مقرر کردہ گورنروں اور عمال حکومت کو اپنے عہدوں پر برقرار رکھا اور کسی فوری تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن جیسے جیسے حالات تبدیل ہوتے گئے ان کے مطابق ضروری تبدیلیاں عمل میں آتی رہیں۔

مصر سے خراج کی وصولی کے سلسلے میں حضرت عمر ﷺ کو بھی حضرت عمرو بن العاص ﷺ سے یہ شکایت تھی کہ مصر جیسے سرسبز و شاداب اور زرخیز ملک سے جو خراج وصول ہوتا ہے وہ بہت کم ہے یہی شکایت ان سے حضرت عثمان ﷺ کو بھی ہوئی اور آپ نے انہیں بار بار اس طرف توجہ بھی دلائی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

عبداللہ بن سعد کی تقرری

حضرت عمر ﷺ نے مصر کو بالائی اور نشیبی دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا، ان میں سے ایک حصے کے گورنر عمرو بن العاص ﷺ تھے اور دوسرے حصے کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح گورنر تھے، حضرت عثمان ﷺ نے نئی اسکیم کے تحت دونوں حصوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا اور چونکہ خراج کے سلسلے میں وہ حضرت عمرو بن العاص ﷺ کے انتظامات سے مطمئن نہ تھے

اسلئے مصر کے فوجی گورنر کے طور پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھنے کی تجویز پیش کی اور انتظامی معاملات عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تجویز سے اتفاق نہ کیا بالآخر پورے مصر کا چارج عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔

جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر کے دو حصوں (بلائی اور نشیبی) پر بیک وقت دو گورنر مقرر تھے اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نئی اسکیم میں بھی ان دونوں کی گورنری کو برقرار رکھا گیا تھا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سول گورنر کے طور پر خدمات انجام دیں گے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے فوجی گورنر کی حیثیت سے کام کرتے رہیں گے، یہ تبدیلی سیاسی اور انتظامی نوعیت کی تھی جسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قبول کر لینا چاہئے تھا مگر انہوں نے اس صورت حال کو منظور نہیں کیا جس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کے صوبے کا مکمل چارج عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

ارتداد سے توبہ

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے بارے میں بالعموم دو اعتراضات کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ عبداللہ مرتد ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اسے واجب القتل قرار دیا تھا، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ شمالی افریقہ کے مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو بطور انعام بخش دیا تھا۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، کتابت وحی کے فرائض بھی انجام دیئے، بعد ازاں مرتد ہو گئے اسی لئے فتح مکہ کے موقع پر واجب القتل قرار دیئے گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں ہمراہ لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے جہاں انہوں نے ارتداد سے تائب ہو کر تجدید اسلام کا اعلان کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرما لیا۔ کسی مرتد کو اسلام کی طرف راغب کرنا اور تجدید اسلام پر آمادہ کر لینا اگر کوئی قابل اعتراض بات ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ غلطی واقعی سرزد ہوئی ہے اور اگر یہ نیکی کا کام ہے تو معترضین کیلئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جس طرح قبول

اسلام کے بعد کفر و شرک کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسی طرح ارتداد سے توبہ کرنے اور دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی پچھلے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا جنگ ارتداد میں گرفتار ہو کر آیا اور تائب ہو کر تجدید اسلام کا اعلان کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنی بہن ام فروہ کو اس کے نکاح میں دیدیا۔

عبداللہ بن سعدؓ میں ارتداد کے کچھ بھی اثرات ہوتے تو حضرت عمرؓ ان کو مصر کے بالائی حصے کا گورنر ہرگز مقرر نہ فرماتے، پھر اسلام کے لئے ان کی فتوحات اور جنگی کارناموں کا یہ عالم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے بعد اسلام کے سب سے بڑے جنرل اور امیر البحر تھے، انہی کی کوششوں سے شمالی افریقہ کا تمام علاقہ فتح ہوا جو کوئی آسان کام نہ تھا، اسی لئے حضرت عثمانؓ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر ان کے ہاتھوں افریقہ فتح ہو گیا تو انہیں مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ بطور انعام دیا جائیگا، کسی غیر معمولی کارنامے کی انجام دہی پر حوصلہ افزائی کی نیت سے انعام کا وعدہ کرنا اور کارنامے کی تکمیل کے بعد اسے پورا کر دینا سربراہ مملکت کیلئے کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، بلکہ اسے پورا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ کوئی عظیم کارنامہ انجام دینے پر وہ انعام واکرام کے مستحق افراد کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کیلئے سرکاری خزانہ سے مناسب رقم بطور انعام دیدے، لیکن لوگوں کے اعتراض کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے فیصلے پر قطعاً اصرار نہیں کیا بلکہ غنیمت کی جو رقم عبداللہ بن سعد کو دی تھی وہ ان سے واپس لیکر بیت المال میں جمع کرادی حالانکہ وہ اگر چاہتے تو اپنے فیصلے کو برقرار رکھنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استدلال پیش کر سکتے تھے کہ آپ نے غزوہ بدر میں خود ان کی عدم شرکت کے باوجود انہیں مال غنیمت کا پورا حصہ عطا فرمایا تھا اسی طرح غزوہ طائف کے موقع پر مولفۃ القلوب کو اتنا بڑا حصہ عطا فرمایا کہ بعض انصار کو شکایت پیدا ہو گئی (جس کی پوری تفصیل صحیح بخاری، غزوہ طائف میں موجود ہے) بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری خلیفہ کو مال غنیمت کی تقسیم میں مناسب حد تک تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

کوفہ پر سعد ﷛ بن ابی وقاص کی تقرری

(۸) ۲۴ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرنیکے بعد حضرت عثمان ﷛ نے سعد ﷛ بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا لیکن دو سال کی مدت پوری نہ ہونے پائی تھی کہ انہیں بھی کوفہ کی گورنری سے سبکدوش کرنا پڑا اور ان کی جگہ ولدین بن عقبہ کو کوفہ کی گورنری پر مقرر کیا گیا، کوفہ و بصرہ کے لوگوں کی افتاد طبع ہی کچھ ایسی تھی کہ یہاں جو شخص بھی گورنر مقرر ہو کر آتا کچھ عرصہ تو یہ لوگ اس کی اطاعت کرتے اور پھر اس کے خلاف دربار خلافت میں جھوٹی سچی شکائتیں پہنچانی شروع کر دیتے، اگر شکایتیں کارگر ثابت نہ ہوتیں تو اس پر کوئی سنگین الزام لگا کر اس سے چھٹکارا حاصل کر لیتے، حضرت عمر ﷛ کے زمانے میں بھی ان کا یہی طرز عمل تھا، انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛ پر زنا کا سنگین عائد کیا، اگرچہ الزام جھوٹا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور حضرت عمر ﷛ نے انہیں انتظامی مصلحت کے تحت بصرہ کی گورنر سے تبدیل کر دیا۔

حضرت عثمان ﷛ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ کا تقرر حضرت عمر ﷛ کی اس خواہش کی تکمیل کی غرض سے کیا تھا کہ

"اگر وہ میرے بعد خلیفہ نہ بن سکیں تو ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ میں نے انہیں کسی خیانت کی بناپر معزول نہیں کیا تھا"

لیکن حالات سے مجبور ہر کر حضرت عثمان ﷛ کو انہیں بھی جلد ہی معزول کرنا پڑا۔ ان کی برطرفی کے جو اسباب ہم تک پہنچے ہیں وہ یہ ہیں کہ حضرت سعد ﷛ بن ابی وقاص نے کچھ رقم بیت المال سے بطور قرض لی تھی لیکن وہ اس رقم کو بروقت ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ بیت المال کے خزانچی تھے انہوں نے رقم کی ادائیگی کیلئے تقاضا کیا، حضرت سعد ﷛ نے مزید مہلت طلب کی، عبداللہ بن مسعود ﷛ اس پر راضی نہ ہوئے جس کے باعث باہمی اختلافات بڑھ گئے، دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف اہل کوفہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تو انہیں دربار خلافت تک دونوں کی شکایتیں پہنچانے کا موقع ہاتھ آگیا، حضرت عثمان ﷛ کو جب ان دونوں کے باہمی اختلافات کا علم ہوا تو اول وہ دونوں پر برہم ہوئے اور دونوں ہی کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ کیا مگر بوجہ عبداللہ بن مسعود ﷛ کے

خلاف کارروائی سے رکے رہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو گورنری سے معزول کر دیا۔

معزولی کی وجوہات

اگر تاریخی روایات کی یہ تفاصیل درست ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی برطرفی کے اقدام میں بالکل حق بجانب تھے کیونکہ بیت المال سے قرض لی ہوئی رقم کو بروقت ادا نہ کرنا، اس کی ادائیگی پر تاخیر پر تاخیر کرتے رہنا، اور مزید مہلت طلبی کیلئے اہل کوفہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کیس کو کمزور ثابت کر رہی ہیں، دوسری طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیت المال سے قرض لی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں جو کسی طور پر بھی غلط قرار نہیں دیا جا سکتا،، اسی لئے جب ان دونوں کے باہمی اختلافات اور تلخ کلامی کا علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوا تو فوری طور پر تو انہوں نے دونو ہی کی برطرفی کا ارادہ کر لیا تھا مگر بعد میں معاملے کے ہر پہلو پر غور کرنیکے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوئی زیادتی نہیں کی، وہ بیت المال کے محافظ وامین تھے اس لئے انہیں رقم کی بروقت ادائیگی کیلئے تقاضا کرنے اور دباؤ ڈالنے کا پورا حق حاصل تھا، بنابریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ عین ممکن ہے اہل کوفہ نے اپنی عادت وفطرت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کی کچھ اور جھوٹی سچی شکایتیں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائی ہوں جن کے بعد یہ برفی ضروری ہو گئی۔

ولید بن عقبہ کی تقرری اور اس کی وجوہات

(۹) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے بعد کوفہ کی گورنری کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نگہہ انتخاب ولید بن عقبہ پر پڑی جو جواں عمر وجواں سال ہونیکے علاوہ انتہائی سخت گیر ومتشدد اور بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے ان کے انہی اوصاف وکمالات کے باعث انہیں کوفی جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر کیا گیا، ولید بن عقبہ کے ان اوصاف و کمالات کا اعتراض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معترضین وناقدین بھی کرنے پر مجبور ہیں چنانچہ ڈاکٹر طہٰ حسین مؤلف فتنہ الکبری لکھتے ہیں:

اور یہ بات ہمیں تسلیم کرنی ہوگی کہ ولید نے اپنی حکومت کے زمانے میں

اخلاص اور آزمائش کی غیر معمولی مثالیں پیش کیں، سرحدوں کی حفاظت اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں اس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ اس سلسلے میں اس کے کارنامے خود اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد عوام کا موضوع سخن بنے رہے، اس نے کوفہ کے عوام کو تدبر، حوصلے اور پامردی کے ساتھ حکومت کی، امن عامہ برقرار رکھا، نئے خون والے مغد نوجوانوں کا صفایا کیا جو نہ کسی نظام کا احترام کرتے تھے اور نہ دین کا وقار جانتے تھے، ایک مرتبہ چند نوجوانوں نے ایک کوفی جوان پر زیادتی کی اور اسے مار ڈالا، ولید نے ان سے مواخذہ کیا اور ان پر حد جاری کی چنانچہ اپنی کوٹھی کے سامنے ان کی گردنیں اڑا دیں۔

بعض راویوں کا خیال ہے کہ ولید کے اس اقدام نے مقتول کے قاتلوں کے سرپرستوں کو ولید کا دشمن بنا دیا اور ان کے دلوں میں عداوت کے جذبات پیدا کر دیئے، چنانچہ ولید کی لغزشوں کی تلاش میں رہنے لگے اور انہوں نے اس کے خلاف تہمتیں تراشنی شروع کر دیں اور لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے لگے بالآخر فران میں سے ایک شخص نے ولید کی مجلس تک رسائی حاصل کر لی اور داستان سرائی شروع کر دی، قصہ گوئی میں رات کافی گذر گئی تو ولید کو نیند آ گئی، تب اس داستان سرا نے ولید کی انگلی سے اسکی انگوٹھی نکال لی اور اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں انگوٹھی سمیت حاضر ہوا پھر دونوں نے اس بات کی شہادت دی کہ ولید نے شراب نوشی کی ہے:

اس واقعے کا بناوٹی ہونا کسی بیان و تشریح کا محتاج نہیں ہے، کوئی امیر قصہ گویوں کی موجودگی میں سو نہیں جاتا اور وہ بھی ایسی گہری نیند کہ کوئی انگلی سے انگوٹھی اتار لے اور اسے خبر تک نہ ہو اور نہ اس کے خادموں اور پرہ داروں کو پتہ چل سکے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا موقف

اس کے بعد لکھتے ہیں:

ولید کے مخالفوں کی ایک دماغی پیداوار جسے ہم غلو کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے، وہ یہ ہے کہ ایک دن ولید نے شراب کے نشے میں مست صبح کی نماز کی امامت کی اور تین یا چار رکعتیں پڑھا دیں اور پھر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اگر تم چاہو تو میں کچھ رکعتیں زیادہ کر دوں!''

پھر لکھتے ہیں:

میرا خیال ہے کہ یہ قصہ سر سے پاؤں تک بے اصل اور من گھڑت ہے، اگر ولید نے نماز میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا ہوتا تو کوفہ کے مسلمان جن میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور متعدد قاری اور صالحین موجود تھے ہرگز اس کا اتباع نہ کرتے اور نہ اس بات پر راضی ہوتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صرف شراب کی حد جاری کر دیں اس لئے کہ نماز کا مذاق یا اس میں اپنی طرف سے اضافہ خدا اور مسلمانوں کے نزدیک شراب نوشی سے کہیں زیادہ خطرناک تھا۔

(ترجمہ الفتنۃ الکبری، ص ۱۰۵-۱۱۰)

کوفہ و بصرہ کے لوگوں کے عادات و خصائل کے پیش نظر یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح اہل بصرہ نے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ پر نہایت سنگین الزام لگایا تھا وہی حربہ اہل کوفہ نے ولید بن عقبہ کے خلاف استعمال کیا تا کہ اس سخت گیر حاکم سے نجات حاصل کر سکیں ولید پر اگر چہ شراب نوشی کا الزام ثابت نہیں ہو سکا کیونکہ کوئی عینی شاہد موجود نہ تھا تاہم رفع شر کے خیال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو گورنری سے معزول کر دیا اور اجراء حد کا معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا جنہوں نے ولید کو چالیس کوڑے مارے گورنر سے معزولی اور اجراء حد کے بعد بھی جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اقربا نوازی کے الزامات عائد کرتے ہیں انہیں سوچنا

چاہئے کہ شبہ کی موجودگی میں حد جاری نہ کرنے پر بھی حضرت عثمان ﷛ پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی تھی مگر آپ نے بر بنائے قرابت ولید کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی!

سعید بن العاص کا تقرر

(۱۰) ولید بن عقبہ کے بعد ۳۰ھ میں سعید بن العاص کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے اور حضرت عثمان ﷛ کی شہادت تک اس منصب پر برقرار رہے، اس کے بعد مکہ چلے گئے، ان کی ابتدائی پرورش حضرت عثمان ﷛ نے کی اس کے بعد حضرت معاویہ ﷛ کے پاس شام چلے گئے وہاں سخت بیمار ہو گئے، حضرت عمر ﷛ کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ سعید کو بحفاظت مدینہ بھیج دیں، یہاں آکر ان کی صحت بحال ہوگئی، حضرت عمر ﷛ نہایت محبت وشفقت سے پیش آئے اور اپنے زیر سایہ ان کی تربیت فرمائی، نہایت بہادر اور اعلیٰ درجہ کے جنرل تھے، ۳۰ھ میں جب یہ کوفہ سے خراسان کی مہم پر روانہ ہوئے تو اسی ہزار کا لشکر ان کے زیر کمان تھا، اس لشکر میں اکابر صحابہ ﷛ عبداللہ بن عمر ﷛ بن العاص ﷛ اور فرزندان علی ﷛ حسن ﷛ وحسین ﷛ شامل تھے، طبرستان جو ایران کا بہت بڑا صوبہ ہے انہی کے ہاتھوں فتح ہوا اور اسی وجہ سے فاتح طبرستان کہلائے۔ یہ ۲۷ سالہ نوجوان تھے جو کوفہ کے گورنر مقرر کئے گئے جن حالات میں ان کا تقرر عمل میں آیا اس منصب کیلئے ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا تھا، علامہ ذہبی ان کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> سعید بن العاص، امیر، شریف، سخی، قابل ستائش، بردبار، بھاری بھرکم شخصیت کے مالک، دور اندیش اور نہایت زیرک انسان تھے، کسی صوبہ کی گورنری کے بجائے خلافت کے سزاوار تھے

(سیر الاعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۹۴)

عبداللہ بن عامر ﷛ کی لیاقت

(۱۱) عبداللہ ﷛ بن عامر بن کریز حضرت عثمان ﷛ کے خالہ زاد بھائی تھے، یہ وہ واحد گورنر ہیں جنہیں حضرت عثمان ﷛ نے بطور خود مقرر فرمایا، جس وقت بصرہ کے گورنر بنے ان کی عمر ۲۵ سال تھی، نہایت عالی ہمت، بہادر، سرچشم، بہترین منتظم، اعلیٰ درجہ

کے فاتح غرض لیڈر شپ کے تمام اوصاف و کمالات سے متصف تھے، مشرق میں فارس سے لیکر کابل تک کی شاندار فتوحات کا سہرا انہی کے سر ہے، اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیتوں کے علاوہ آبادکاری اور خدمت خلق کا بڑا جذبہ رکھتے تھے، بصرہ میں ایک کشادہ سڑک تعمیر کی، عرفہ میں حوض بنا کر چشموں کا پانی یہاں تک پہنچایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ "ابن عامر رضی اللہ عنہ نوجوانان قریش کا سردار ہے!" تین برس کی عمر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا: یہ ہمارا بیٹا ہے اور تم سب میں ہم سے زیادہ مشابہ ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان بطور گورنر

(۱۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کے فرزند تھے جو تمام قریش کے سردار اور سپہ سالار رہے، آپ قریش کے ان چند اشخاص میں سے ایک تھے جو نوشت و خواند جانتے تھے، آپ کی تربیت میں آپ کے بڑے بھائی یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا بڑا ہاتھ تھا، عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں تمام معرکوں میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رہے جنہوں نے ان کی سیرت میں غیر معمولی پختگی اور حسن کردار کی تمام خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں، سخاوت، بہادری، سیر چشمی، حلم و بردباری اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ تھے، ظاہری شان و شوکت اور تمکنت کے باوجود مزاج میں حد درجہ تواضع اور سادگی تھی، علامہ ابن کثیرؒ نے "البدایۃ والنہایۃ" میں امام ابن حنبلؒ کے حوالہ سے علی ابن ابی جمعہ کے والد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق میں ممبر پر خطبہ دیتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ آپ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۱۳۵)

اسی طرح یونس بن میسر الحمیری اوزاعی کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا، پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیض پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ تھا اور آپ اسی حالت میں دمشق کے بازار

میں پھر رہے تھے“ (حالانکہ آپ اس علاقے کے حاکم تھے)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت

دینی فہم میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے جب لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ کے ایک وتر پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

”اس نے درست کہا کیونکہ وہ حقیقتاً فقیہہ ہے!“ (بخاری، ج ۱ ص ۵۳۱)

علامہ ابن کثیرؒ نے طبری کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے کسی معاملے میں مشورہ کرنا چاہا یہ دونوں حضرات کوئی مناسب مشورہ نہ دے سکے اور عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا ”ادعوا معاویۃ فانہ قوی امین“ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دو معتبر آدمیوں پر اطمینان نہیں کہ قریش کے بچوں میں سے ایک بچے کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ ”معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ!“ جب معاویہ رضی اللہ عنہ آ گئے تو آپ نے فرمایا: ”اب تم لوگ اپنی بات اس کے سامنے بیان کرو کیونکہ یہ قوی اور امین ہے!“

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۲)

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے تو آپ نے فرمایا: تجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا!“

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۳)

حکومت وخلافت کی پیشین گوئی کے علاوہ مخالفین پر غالب وفتح یاب ہونے کے سلسلے میں بھی آپ کا ارشاد ہے کہ ”معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں جو بھی آئیگا، معاویہ رضی اللہ عنہ اسے پچھاڑ دے گا!“

(کنز العمال ج ۷ ص ۸۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آخرت میں انعام خداوندی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا: حق

تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ ان پر نور ایمان کی چادر تنی ہوگی!

(کنز العمال ج ۶ ص ۱۹۰)

علامہ ابن تیمیہ کا تبصرہ

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ آپکی سیرت و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور مخالفین کی ایزارسانی کو سب سے بڑھ کر صبر و تحمل سے برداشت کرتے تھے، اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا اس کی تالیف قلب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے،

"تطہیر الجنان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے کہ میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار شخص معاویہ رضی اللہ عنہ ہے!"

اس سلسلے میں خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول لائق توجہ ہے کہ میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک وہ میرے اور میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہوں"۔ (بحوالہ طبری، الکامل لابن اثیر، الاسلام والحضارۃ فی السلام)

ان کے علم و بردباری اور وسعت قلبی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل ابن ابی طالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک جنگ ہوئے تھے۔

آپ کے انہی اوصاف و کمالات اور غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپکو خصوصی اعتماد حاصل تھا جس کی بنا پر بارگاہ رسالت سے کتابت وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا چنانچہ شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے اعتراف کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے!

(ابن ابی الحدید ج ۱، ص ۳۳۸)

بعض روایات کے مطابق کتابت وحی کا ذمہ دارانہ منصب آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی عطا فرمایا تھا چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہیے

اور نیکی کی تلقین فرمایئے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی وحی کے بہترین امین ہیں!"

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۰)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنانے کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ انہیں کاتب وحی بنائیں کیونکہ وہ امین ہیں!" (ایضاً ج ۸ ص ۱۲۰)

دورِ عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عہد عثمانی کے گورنروں میں سب سے اہم شخصیت کے مالک ہیں جو عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں ہر اعتبار سے نہایت کامیاب گورنر ثابت ہوئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معتمد خصوصی تھے اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خلیفہ وقت کا جو اعتماد انہیں حاصل ہوا وہ کسی دوسرے گورنر کو حاصل نہ ہو سکا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۱۸ھ اپنے بڑے بھائی یزید رضی اللہ عنہ ابن سفیان کے انتقال کے بعد دمشق اور اردن کے گورنر مقرر کئے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ کسی گورنر یا سپہ سالار کو زیادہ عرصے تک ایک جگہ نہیں رکھتے تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واحد شخصیت ہے جنہیں ان کے منصب سے معزول یا تبدیل کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ۱۲ سالہ عہد خلافت میں وہ بدستور اپنے منصب پر برقرار رہے جس بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر میں کس قدر قابل اعتماد تھے!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کو حمص کی گورنری سے معزول کیا اور انکی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بطور گورنر مقرر فرمایا تو بعض لوگوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ نازیبا کلمات کہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاویہ

رضی اللہ عنہ کے متعلق اگر کوئی بات کرنی ہے تو اچھائی اور خیر کے ساتھ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ذریعہ ہدایت بنا''

(ترمذی ص ۲۴۷، البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۲)

علامہ ابن کثیرؒ نے اسی قسم کی ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کی ہے کہ جب کچھ لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کی ناتجربہ کاری اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی ذہنی پختگی کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معترضین کے جواب میں یہی حدیث پیش فرمائی تھی! نیز فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب شام سے واپسی پر شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے انہیں (شرجیل) کو کسی ناراضی کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ اس لئے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی!'' (الفاروق ج ا ص ۲۹۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہ فاروقی میں

چنانچہ حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد عہد فاروقی ہی میں شام کا پورا علاقہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت آچکا تھا، جن لوگوں نے بار بار اس الزام کو دہرایا ہے کہ ''عہد فاروقی میں وہ صرف دمشق کے چھوٹے سے علاقے کے گورنر تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے ملک شام کا گورنر بنا دیا'' انہیں اردن اور حمص کے علاقوں پر عہد فاروقی میں ان کے تقرر سے سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی خلافت فاروقی کے وہ واحد گورنر تھے جنہیں نہ صرف طویل عرصے تک اپنے منصب پر برقرار رکھا گیا بلکہ جب بھی ضرورت محسوس کی گئی ان کے زیر تسلط علاقوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں کم وبیش پورے ملک شام کے گورنر بن چکے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی غیر معمولی صلاحیتوں پر جو اعتماد تھا وہ کسی دوسرے شخص پر نہ تھا چنانچہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کے اعتراف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بے شمار اقوال کتب تاریخ و سیر میں موجود ہیں!

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کی مجلس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ

نازیبا کلمات کہے تو آپ نے فرمایا: قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو، یہ نوجوان ایسا ہے جو غصے میں بھی ہنستا ہے اور سوائے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا، اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے یعنی اس کی عزت وتکریم کے ذریعہ!

(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۷۵، البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۴)

حضرت عمر ؓ اپنی مجلس گفتگو میں بارہا فرمایا کرتے تھے کہ "جب معاویہ ؓ جیسا مجسمہ عقل ودانش تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں قیصر وکسریٰ کی زیرکی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۲، طبری ج ص ۱۴۷)

حضرت عمر ؓ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ ؓ نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا، حضرت عمر ؓ کو شان وشوکت کا یہ مظاہرہ بالکل پسند نہ آیا، آپ نے فرمایا: معاویہ ؓ تم نے وہ سادہ روش کیوں چھوڑ دی؟ حضرت معاویہ ؓ نے جواب دیا: امیر المومنین! ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بکثرت ہیں لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کیلئے ظاہری شان وشوکت کا اظہار ضروری ہے اس میں اسلام اور اہل اسلام دونوں کی عزت ہے!" اس مجلس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ بھی موجود تھے وہ بولے: امیر المومنین! دیکھئے انہوں نے کس خوبی سے اپنے آپکو بچا لیا ہے؟ حضرت عمر ؓ نے ارشاد فرمایا: انہی خوبیوں کی وجہ سے ہم نے یہ بارگراں ان کے کندھوں پر ڈالا ہے!

معترضین کی خدمت میں گذارش

جس شخص کی گورنری میں حضرت عمر ؓ نے دمشق کے علاوہ اُردن اور حمص کے علاقے ضم کردیئے اور تقریباً پورے ملک شام کو ان کے زیر تسلط کردیا، اگر حضرت عثمان ؓ نے فلسطین کا علاقہ ان کے تحت کردیا تو کونسا جرم ہوگیا؟ جس شخص کی قابلیت وصلاحیت پر فاروق اعظم ؓ کو مکمل اعتماد تھا اگر وہی شخص حضرت عثمان ؓ کا معتمد علیہ بنا رہا تو اس پر اعتراض کیوں کیا جارہا ہے؟ پھر جس شخص کو حضرت عمر ؓ نے اپنے طویل عہد خلافت میں

کبھی تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اس کے منصب اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہی فرمایا، پھر اگر یہی روش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برقرار رکھی تو جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت ہے کہ ''وہ بتدریج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے'' کم از کم انہیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہئے اور ان کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ رویہ تنقید و تنقیص کے بجائے تحسین و ستائش کا مستحق ہونا چاہئے!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر مسلموں کی نظر میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف اور مدبرانہ سیاست کی مدح و ستائش میں انہوں کو چھوڑ کر غیر مسلم مورخین تک یک زبان ہیں جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا کا مقالہ نویس لکھتا ہے (۱) معاویہ رضی اللہ عنہ ایک پیدائشی حکمراں تھے اسی لئے شام انتظامی نقطۂ نظر سے تمام اسلامی مملکت میں ایک مثالی صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا، آپ شامیوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، آپ نے طاقت سے نہیں نرمی، بردباری اور خداداد ذہانت سے حکومت کی!''

(۲) بہ حیثیت سیکرٹری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین خدمات انجام دیں، یہیں آپ نے اسلام کی نئی حکومت میں کام کرنا سیکھا، فتح شام میں آپ کو بھی یزید رضی اللہ عنہ ابن ابی سفیان کے ساتھ بطور نائب سالار بھیجا گیا جہاں آپ نے حیرت انگیز سرگرمیوں اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور تیاریہ وغیرہ کی فتوحات سے ممتاز درجہ حاصل کرلیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیکرٹری اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہونا بھی آپ کو شیعہ حضرات کے طعن و تشنیع سے نہ بچاسکا، حلم کی جتنی خوبیاں ہیں وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں، آپ کا حلم ضرب المثل تھا، مغرور ترین دشمن کو اپنی ایک مسکراہٹ سے غیر مسلح کر دیتے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۳ ص ۶۱۷)

معاویہ رضی اللہ عنہ پانچ بہترین مقررین میں سے ایک!

(۳) معاویہ رضی اللہ عنہ میں حلم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی سیاسی زیرکی، قوت فیصلہ، اور حسن خطابت کی تمام خوبیاں تھیں، آپ کا شمار اپنے وقت کے پانچ بہترین مقررین میں ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے ''میں نے زبان سے تلوار کی بہ نسبت زیادہ کام لیا ہے!''

(۴) معاویہ رضی اللہ عنہ جو دولت بنی امیہ کے بانی ہیں اسلام کے عظیم ترین مدبروں میں سے تھے، پیغمبر اسلام کے سیکرٹری تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک نمایاں جرنیل بن گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ کی پالیسی ہمیشہ مدبرانہ رہی اور روشن دماغی سے امور مملکت انجام دیتے رہے، آپ نے اسلامی مملکت کو انتشار کے بعد دوبارہ یکجہتی بخشی۔"

(۵) معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ درجہ کے فوجی منتظم تھے، ان کے جرنیلوں نے مملکت اسلامیہ کو غیر معمولی وسعتوں سے ہمکنار کیا، ان کا شکار عالم عرب کے چار مدبروں میں ہوتا ہے!"

(انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز جلد ۱۱)

(۶) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی مملکت اور نظام حکومت کو جو آپس کی خانہ جنگیوں سے درہم برہم ہو چکا تھا ایک بار پھر فاروقی بنیادوں پر استوار کر دیا۔ (بروکلمن ص ۴۷)

(۷) مشہور مستشرق ہٹی لکھتا ہے:

معاویہ رضی اللہ عنہ میں سیاسی حس اپنے پیش رووں سے کچھ زیادہ ہی تھا، عرب مورخین کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خوبی حلم و بردباری تھی، وہ غیر معمولی قابلیت جس سے طاقت کا استعمال صرف اس وقت لیا جاتا تھا جب وہ انتہائی ضروری ہوتا ورنہ ہر موقع پر نرمی اور بردباری سے کام لیا جاتا تھا وہ اپنی نرمی سے دشمن کو غیر مسلح کر دیتے تھے ان کا دیر میں غصے میں آنا اور اپنے اوپر مکمل ضبط انہیں ہر موقع پر کامیاب و کامران بنا دیتا تھا جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: "میں اس جگہ تلوار استعمال نہیں کرتا جہاں میرا کوڑا کام دے جائے اور جہاں میری زبان سے کام نکل جائے وہاں کوڑا استعمال نہیں کرتا، اور جہاں میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال کے برابر بھی رشتہ موجود ہو میں اسے نہیں توڑتا کیونکہ جب وہ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیلا چھوڑ دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیلا کرتے ہیں تو کھینچ لیتا ہوں"

یہی مستشرق آگے لکھتا ہے:

اسلامی تاریخ نے جو زیادہ تر عباسی عہد حکومت میں شیعی اثرات کے تحت

مرتب ہوئی ان کے دینی کمالات کو قابل اعتراض اور مشکوک بنا کر پیش کیا
ہے لیکن ابن عاکمر، کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بہترین
مسلمان تھے!''

(ہسٹری آف دی عربس ص ۱۹۷۔۱۹۸)

یہ وہ حقائق ہیں جو عرب مورخین کی جانب دارانہ تاریخ نویسی کے باوجود جن کی طرف ہٹی نے بھی ''ہسٹری آف دی عربس'' میں اشارہ کیا ہے غیروں کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکے اور وہ ان کا برملا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے مگر اس نابغہ اسلام کے یہی اوصاف و کمالات اور شاندار کارنامے خود اپنوں کی نظروں سے نہ صرف اوجھل رہے بلکہ بہت سی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتے رہے، حالانکہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے طرابلس الشام کو فتح کیا، عموریہ پر لشکر کشی کی، طیطلہ پر قبضہ کیا، ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب دو رومی قلعے فتح کئے، جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کیلئے پانچ سو جہازوں پر مشتمل اسلام کا پہلا بحری بیڑا تیار کیا اور فتح قبرص کے بعد بنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے، ۳۱ھ میں قیصر روم کو ذلت آمیز شکست دی شام میں بحر روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لیکر طرطوس تک فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، ایک ایسے بہادر جرنیل اور مدبر حکمراں کو اگر پورے ملک شام کی گورنری سونپ دی گئی اور اس نے ہر اعتبار سے خود کو اس کا اہل بھی ثابت کر دکھایا تو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سیاسی تدبر اور کمال جوہر شناسی کا ثبوت ہے!

اصلاحات عثمانی رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہری زمانہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں کثرت فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت کی پہنائیوں میں اس قدر اضافہ ہوا جو اس سے قبل کی دونوں خلافتوں میں نہیں ہوا تھا اور اسلام افریقہ اور یورپ کے براعظموں تک پہنچ گیا جیسا کہ جلد اول میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دور خلافت میں مسلمانوں کی سطوت ایک طرف بلادنوبہ تک اور دوسری طرف ہندوستان کی حدود تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ ان کا دمامہ

دولت ہرات تک بجنے لگا۔ سلطنت کسریٰ جس کی حدود کی وسعت اور جس کی ہیبت وسطوت دنیا کی دوسری اقوام کے قلوب پر مستولی تھیں ' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قعر عدم میں چلی گئی۔ ۲۸ھ میں جزیرہ قبرص فتح ہوا اور ۳۰ھ میں نیشاپور، طوس، سرخس، مرو وغیرہ مقامات اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔

فتوحات کی اس کثرت سے مدینۃ الرسول میں سیم وزر کا سیلاب آ گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر وہ زر و مال رعایات میں تقسیم کیا، لہٰذا پوری سلطنت اسلامیہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے مال و دولت کی خواہش ہو۔ مال و دولت کی فراوانی اس قدر ہوئی کہ مدینۃ الرسول میں ایک ایک گھوڑا ایک ایک لاکھ درہم میں فروخت ہونے لگا۔

(الاستیعاب ج ۳، ص ۴۷)

ان ایام میں مدینۃ الرسول نہایت آباد و معمور تھا۔ ہر طرف سے ملکوں کا خراج اور مال غنیمت سمٹا ہوا مدینۃ الرسول میں پہنچ رہا تھا اور ساری دنیا کی نگاہیں اس کو دیکھ کر خیرہ ہو رہی تھیں۔

مال کی اس بہتات کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے لیے بہت سے کام کیے جن کی وجہ سے مدینہ منورہ کی ریاست ایک مثالی فلاحی ریاست بن گئی اور اسلام کا وہ نظام مملکت جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب وسنت میں بتایا تھا، عملی طور پر لوگوں کے سامنے آ گیا اور کوئی شخص اپنی روزمرہ کی زندگی میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا تھا۔ مرفہ حالی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اصلاحات کی وجہ سے ملک کے ہر صوبے میں ترقی اور خوشحالی کی لہریں دوڑنے لگیں۔

رفاہ عام کے کام

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت ہی میں رفاہ عامہ کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور اس کے لیے بہت سے ادارے قائم کیے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب اداروں کو اسی طرح قائم رکھا بلکہ ان میں عوام الناس کی بہتری کے لیے کچھ ترامیم بھی کیں اور زمانہ کے حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ رد و بدل بھی

کیا۔ تواریخ کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر ﷺ کے زمانہ ہی میں نہ صرف مدینہ طیبہ کے بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کے لوگ نہایت مرفہ حالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سیدنا عثمان ﷺ! کے زمانہ میں ہی خراج، فئے اور غنیمت کا مال مملکت کے مختلف گوشوں سے سمٹ کر بیت المال میں آیا۔ آپ نے اسے رفاہ عامہ میں خرچ کر کے لوگوں کی خوشحالی میں مزید اضافہ کیا۔

سیدنا عثمان ﷺ شروع ہی سے داد و دہش میں اپنی مثال آپ تھے۔ چاہ رومہ کی خریداری، غزوہ تبوک میں اسلامی لشکر کی امداد، فاقہ کش لشکر کے لیے سامان خوراک کی فراہمی، سیدنا طلحہ ﷺ کے قرض کی معافی اور سیدنا علی ﷺ کو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حق مہر کی رقم کی عطا وغیرہ، آپ کی کتاب سخاوت کے اہم ترین باب ہیں۔ مہاجرین وانصار کی مالی امداد آپ زندگی کے آخری سانسوں تک کرتے رہے اور سریر خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی اپنی طرف سے اور اپنی حکومت کی طرف سے آپ نے اس جود وسخا کے وطیرہ کو برابر جاری وساری رکھا۔ چنانچہ امام حسن بصری ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کے باوجود کہ بعض لوگ سیدنا عثمان ﷺ کی عیب جوئی کیا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا:

مایاتی علی الناس یوم الاوھم یقتسمون فیہ خیرا

''لوگوں پر ہر روز سیم وزر اور رزق ومال تقسیم ہوتا رہتا تھا''۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۱۴)

پوچھا گیا کہ وہ مال ورزق لوگوں پر کیسے تقسیم ہوتا' فرمایا:

''انہیں کہا جاتا اے مسلمانو! اپنے عطیات صبح سویرے حاصل کر لو۔ چنانچہ لوگ وافر مقدار میں اپنے عطیات حاصل کر لیتے۔ پھر انہیں کہا جاتا کہ اپنے روزینے حاصل کر لو۔ چنانچہ وہ اپنے روزینے وافر تعداد میں حاصل کر لیتے۔ پھر کہا جاتا کہ اپنے حصے کا گھی اور شہد لے لو۔ چنانچہ وہ اپنے حصے کا گھی اور دودھ ایک بڑی مقدار میں حاصل کر لیتے کیونکہ حالت یہ تھی کہ اس وقت مملکت اسلامیہ میں رزق کے دریا بہہ رہے تھے، دشمن مارے خوف کے دبکا ہوا تھا' اہل اسلام باہم الفت ومحبت کی تصویر بنے ہوئے تھے، خیر وبرکت کی فراوانی تھی اور حالت یہ تھی کہ کسی مومن کو دوسرے مومن سے ذرہ برابر کوئی خوف وہراس نہیں تھا۔

بلکہ جب وہ کسی دوسرے مومن کو ملتا تو اسے اپنا بھائی سمجھتا اوراس کی الفت ومحبت اور خیر خواہی کا طالب ہوتا"۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۱۳، استیعاب، ج ۳، ص ۴۷-۴۷)

معاشرہ میں انسانی اقدار کا فروغ

میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی اصلاح جو انہوں نے اپنی رعایا میں جاری وساری کی وہ یہی تھی کہ انہوں نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں ایمانی اور انسانی اقدار کو فروغ ملا باہم الفت ومحبت کے رشتے استوار ہوئے۔ اخوت و برادری کا دور دورہ ہوا اور ساری مملکت اسلامیہ کے مسلمان بلکہ انسان آپس میں بھائی چارے کے ماحول میں اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔ کیونکہ رعایا کے لیے اگر سب کچھ بھی مہیا کر دیا جائے اور بڑے بڑے ادارے قائم کر دیئے جائیں اور پبلک ورکس اور رفاہ عامہ کے خواہ کتنے محکمہ جات کیوں نہ کھول دیئے جائیں لیکن ملک میں امن وامان اور دلی یگانگت کا فقدان ہو۔ بھائی چارہ اور خیر خواہی کے ماحول کے بجائے منافقت اور تشتت وافتراق کا ماحول پیدا کر دیا جائے تو رفاہ عامہ کے یہ سارے ادارے بیکار محض ہو کر رہ جاتے ہیں، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انسانی اور ایمانی اقدار معاشرے میں پیدا کرنے کے باوجود رفاہ عامہ کے بھی سارے کام کیے جن سے ان کی اس مادی زندگی کے ایام بھی خوشی ومسرت اور سکون و اطمینان سے گزرنے لگے۔

تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عوالی کے عمال کو یہ حکم فرمایا تھا کہ عوالی میں رہنے والے لوگوں کی فہرست انہیں بھیجی جائے۔ جب وہ فہرست دربار فاروقی میں پہنچی تو آپ نے ان سب کے روزینے جاری فرما دیئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان روزینوں میں اضافہ کر دیا اور نہ صرف روزینوں میں اضافہ کیا بلکہ لباس اور پوشش بھی انہیں دینا شروع کر دی۔

علامہ سیوطیؒ نے تو اس بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ کثرت فتوحات کی وجہ سے جب سلطنت کی پہنائیوں سے دولت کے انبار سمٹ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان کے لیے خزانے تعمیر کروائے۔ اور مستحق اور قلاش لوگوں کو اتنا مال دیا کہ ہر آدمی کو

ایک ہزار تھیلی اور ہر تھیلی میں چار ہزار اوقیہ تھا' یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم۔ (تاریخ الخلفاء)

روزینوں میں اضافہ

سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں پبلک کے جو روزینے مقرر فرمائے تھے' سیدنا عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں ان روزینوں میں فی کس سو درہم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے:

اول خلیفة زاد الناس فی اعطیاتهم ماة عثمان۔

''سیدنا عثمانؓ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے لوگوں کے وظائف اور روزینوں میں سو درہم فی کس کا اضافہ کیا''۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۴۸، طبری، ج ۳، ص ۳۰۷)

سیدنا عمر الفاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں عوام الناس کے لیے جو مال فئے سے امداد کا مستحق ہوتا، ایک ایک درہم اور امہات المومنینؓ کے دو دو درہم روزانہ بیت المال سے جاری فرمایا ہوا تھا۔ آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ کھانا پکوا کر ان لوگوں کو کھلایا کریں تو یہ بہتر ہو۔ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں دل جمعی کے ساتھ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔ لہٰذا سیدنا عثمانؓ نے یہ سب روزینے نہ صرف اسی طرح برقرار رکھے بلکہ رمضان المبارک میں مسجد کے عبادت گزاروں، مسافروں اور گداگروں کو کھانا کھلانا اس پر مستزاد فرما دیا۔

(طبری ج ۳، ص ۳۰۷، فتوح البلدان، ص ۲۲۳، البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۴۸)

مسافروں اور نومولود بچوں کے وظائف

علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں کہ:

واتخذ سماطاً فی المسجد ایضا للمتعبدین والمعتکفین وابناء السبیل والفقراء والمساکین۔

''اور سیدنا عثمانؓ نے مسجد نبوی میں عبادت گزاروں' اعتکاف کرنے

والوں، مسافروں، مساکین وغیرہ کے لیے عام دستر خوان بھی بچھادیا"

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۴۸)

وظائف اور روزینوں کے بارے میں آپ میں اس قدر ذمہ داری کا احساس تھا کہ اپنے ایام محاصرہ میں جب شورش پسندوں نے آب و دانہ تک آپ پر بند کر دیا، آپ نے اس بارے میں اپنے فرائض میں ذرہ برابر غفلت نہ برتی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ ہی بیان فرماتے ہیں کہ محمد بن ہلال اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ محاصرہ کے ایام میں میں سیدنا عثمان ؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتی تھی۔ ایک روز جب کہ میں نہ آئی آپ نے میری غیر حاضری کے بارے میں استفسار فرمایا۔ بتلایا گیا کہ اس کے ہاں بچہ (ہلال) پیدا ہوا ہے۔ اس پر سیدنا عثمان ؓ نے میرے پاس درہم اور کپڑے بھیجے، اور کہلا بھیجا کہ یہ تمہارے بچے کا وظیفہ ہے۔ جب اس کی عمر ایک سال ہو جائے گی تو اس کا وظیفہ دوگنا کر دیا جائے گا۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷ ص ۲۱۳)

کنویں اور آب رسانی کے دیگر ذرائع

سیدنا عثمان ؓ نے رفاہ عامہ کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں کنویں اور پانی کے چشمے بنوائے، کیونکہ ملک کے بعض حصوں میں لوگوں کو پینے اور کھیتی باڑی کے لیے پانی کی سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے ایک کنواں برارلیس خریدا اور اس کو اس علاقے کے فقراء، ساکین، یتامی اور ذوالقربی، کے لیے وقف کر دیا۔

(وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۲۱۷)

نجد کے راستے میں مدینہ طیبہ سے قریباً ۲۴ میل، دور آپ نے عام لوگوں کی سہولت کے لیے ایک کنواں کھدوایا جس کا نام بئر السائب تھا۔

(وفاء الوفاء، ج ۴، ص ۱۱۳۸)

علامہ طبری نے ایک اور کنویں کا ذکر بھی کیا جو امیر المومنین ؓ نے مدینہ طیبہ میں عوام الناس کی بہتری کے لیے کھدوایا۔

فحضر بئرا بالمدینۃ شربا للمسلمین

''آپ نے مدینہ طیبہ میں اہل اسلام کے پانی پینے کے لیے ایک کنواں کھدوایا''۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۳۵)

کنوؤں کے علاوہ آپ نے کچھ چشمے بھی جاری کروائے جن میں ایک چشمہ فید کے مقام پر جو عراقی حاجیوں کا ایک پڑاؤ تھا، جاری کروایا، جس سے ایام حج اور غیر ایام حج میں لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔

(وفاء الوفاء، ج ۳، ص ۱۱۰۲)

مدینہ منورہ اور دوسرے کئی ایک مقامات کو سیلاب سے روکنے کے لیے آپ نے بند بھی بنوائے۔ چنانچہ بئر مدری کے قریب ایک بند بنوایا جس سے اس سیلاب کا رخ مدینہ منورہ سے پھر گیا جس کی وجہ سے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی کو سیلاب کا سخت خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ بند باندھ کر آپ نے وہاں ایک نہر بھی کھدوائی تاکہ بارشوں کے زمانہ میں سیلاب کا پانی اس نہر کے ذریعے مدینہ طیبہ کی طرف آنے کی بجائے دوسری جانب چلا جائے۔ اس بند کو ''بند ضرور'' کہتے ہیں۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۲۱۷)

سرائیں اور بندوں کی تعمیر

سلطنت اسلامیہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی اور مختلف جگہ کے لوگ اپنی شکایات کے لیے اور صورتحال سے آگاہ ہونے کے لیے آئے دن مدینہ طیبہ آتے۔ اس زمانے میں ذرائع آمد و رفت اتنے تیز نہیں تھے جتنے آج کل ہیں، لہٰذا آنے والوں کو راستہ میں کئی کئی مختلف جگہوں پر ٹھہرنا پڑتا۔ ان کی سہولت اور آسائش کے لیے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف آنے والے راستوں پر مختلف قسم کی سرائیں اور چوکیاں بنوائیں۔ جہاں لوگ رات کو آرام کرتے۔ انہیں وہاں کھانے پینے اور آرام و آسائش کی ہر شئے میسر آتی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل دور نجد کے راستہ میں آپ نے ایک نہایت

شاندار اور آرام دہ سرائے تعمیر کروائی۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا بازار بھی تھا جہاں ضرورت زندگی کی ہر شئے میسر آتی۔ وہاں بئر السائب کے نام سے میٹھے پانی کا ایک کنواں بھی بنوایا گیا جس کا ذکر گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

(وفاء الوفاء ج ۲، ص ۲۱۷)

امیر المومنین سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تقریباً اکثر شہروں میں سرکاری اور عوامی مہمان خانے بنائے گئے تھے لیکن پھر بھی کئی ایک شہر ایسے تھے جہاں کوئی مہمان خانہ نہیں تھا، خصوصی طور پر کوفہ جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تعمیر کروایا تھا۔ وہاں ابھی تک کوئی مہمان خانہ نہیں بنا تھا۔ چنانچہ ابوسمال الاسدی اپنے گھر کو ان لوگوں کے لیے مہمان خانے کے طور پر استعمال کرتے جن کا کوفے میں قیام کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ کوفہ کے چیف جسٹس سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مکان جو رمادہ کے مقام ہذیل میں واقع تھا، مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتا۔ طبری کے الفاظ ہیں:

وکان الاضیاف ینزلون داره فی هذیل اذا ضاق علیهم ما حول المسجد

''مہمانوں پر جب مسجد کے اردگرد کی جگہیں تنگ ہو جاتیں تو وہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر واقع ہذیل میں قیام پذیر ہو جاتے''۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۲۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب لوگوں کی اس تکلیف کا پتہ چلا تو آپ نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات کو بطور مہمان خانہ کے لیے خرید کر وقف کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ:

فاتخذ عثمان للاضیاف منازل

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کے لیے کئی مہمان خانے بنوائے''۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۲۷)

بصرہ میں سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا کہ بصرہ میں ایک مہمان خانہ بنایا جائے جس میں مدینہ کے مسافر اور دوسرے لوگ ٹھہر سکیں۔ وہ خود تعمیرات اور رفاہ عامہ کے

کاموں کا بڑا ذوق رکھتے تھے، لہٰذا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم ملتے ہی انہوں نے ایک ہی جگہ دو مہمان خانے تعمیر کروائے جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر "قصر عثمان رضی اللہ عنہ" اور دوسرے کا ان کی بیوی کے نام پر "قصر رملہ" رکھا گیا۔

(المعجم البلدان ج ۷، ص ۹۸)

مرور کا بند

مدینہ طیبہ میں دو وادیاں تھیں ایک کا نام مرور اور دوسری کا نام مزنیب تھا۔ ان سے کبھی کبھی مدینہ طیبہ کی طرف سیلاب آجاتا تھا جو کہ مدینہ کے لوگوں کے لیے پریشانی اور تکلیف کا باعث ہوتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی حین حیات میں اس کی جانب توجہ دلائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

یمسك حتی الکعبین ثم یرسل الاعلی الاسفل۔

"ان وادیوں کا پانی ٹخنوں تک روک کر نشیب کی طرف بہا دیا جائے"۔

(موطا امام مالک باب القضاء فی الماء" ص ۵۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کی تکمیل میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک بند بنوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام "سد مرور" تھا۔

(وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۶۱۷)

علاوہ ازیں وادی عسفان میں چونکہ اور مدینہ کے مابین پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے وہاں میٹھے پانی کے کنوؤں میں سے ایک کنواں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بنا ہوا ہے۔

(ابن بطوطہ، ص ۱۲۹)

بنجر زمین کی زرخیزی

جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ عرب کی زمین غیر آباد، ریگ زار اور بنجر ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے زرخیز اور مرغزار بنانے کی ہر ممکن

کوشش کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ اپنی مشہور کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں سیدنا عثمان ﷛ پر کیے گئے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان ﷛ پر بیت المال سے ذاتی تعمیرات اور باغات وغیرہ کی خریداری کرنے کا الزام سراسر دروغ اور افتراء ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا عثمان ﷛ کو تکثیر مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کاص علم عطا فرمایا گیا تھا''۔

جنت البقیع کی توسیع

''حش کوکب'' ایک باغ تھا جو مدینہ طیبہ میں جنت البقیع کے مشرقی جانب واقع تھا۔ سیدنا عثمان ﷛ نے محسوس کیا کہ جنت البقیع کا قبرستان روز بروز چھوٹا ہوتا جا رہا ہے کیونکہ مدینہ طیبہ کی آبادی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ آپ نے ''حش کوکب'' کو خرید کر اس کو جنت البقیع کے قبرستان کے ساتھ شامل کر دیا۔ بعد میں سیدنا معاویہ ﷛ کی خلافت میں گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم ﷛ نے درمیانی دیواری گرا کر اس کو جنت البقیع میں داخل کر دیا۔

(وفاء الوفاء، ج ۳، ص ۹۱۳)

سیدنا عثمان ﷛ کو شہادت کے بعد اسی حش کوکب میں دفن کیا گیا تھا۔

مسجد الحرام کی توسیع

علامہ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ ۲۶ھ میں سیدنا عثمان ﷛ نے مسجد الحرام کی توسیع فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے حرم کی توسیع کی غرض سے اردگرد کے مکانات کو خریدنے کی کوشش فرمائی۔ اکثر لوگوں نے اپنے مکانات حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیئے لیکن بعض لوگوں نے اپنے مکانات بیچنے سے انکار کر دیا، چونکہ حرم کی توسیع نہایت ضروری تھی جو ان لوگوں کی ناجائز ضد کی وجہ سے روکی نہیں جا سکتی تھی لہٰذا امیر المومنین ﷛ نے ان کے مکانات کی قیمتیں بیت المال میں جمع کروا دیں تا کہ جب وہ چاہیں وہاں سے لے لیں۔

امیر المومنین ﷛! کے اس فعل پر ان لوگوں نے سیدنا عثمان ﷛ کے پاس ااکر شور

اور ہنگامہ کرنے کی کوشش کی جس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

اتدرون ماجراکم علي ؟ماجراکم على الاحلمی قد فعل هذا بکم عمر فلم تصیحوابه

''کیا تم جانتے ہو کہ میرے بارے میں تمہیں کس چیز نے جری اور گستاخ بنا دیا۔ سوائے میرے حلم کے تمہیں کسی اور چیز نے میرے بارے میں جری اور گستاخ نہیں کیا۔ تمہارے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی معاملہ کیا تھا لیکن تم نے ان کے سامنے نہ ہی شور مچایا اور نہ ہی کوئی ہنگامہ کیا''۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۰)

ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد سیدنا عبداللہ بن اسید نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے ان کی رہائی کے بارے سفارش کی جس پر آپ نے ان سب کو رہا کر دیا۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۰، ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۴۔۴۵، فتوح البلدان، ص ۵۳)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع

آپ نے اپنے ۱۲ سالہ دور خلافت میں مملکت اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں کئی مساجد تعمیر کروائیں لیکن مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر اور توسیع کا داعیہ مدت سے آپ کے قلب میں اٹھکیلیاں لے رہا تھا۔ چنانچہ جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیری و توسیع بھی کی اور تزئین و آرائش بھی۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ تاریخ

مسجد نبوی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا کے بعد تعمیر کروائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت الٰہی کی خاطر ایک مسجد کی ضرورت کو محسوس کیا جس جگہ مسجد نبوی تعمیر ہے۔ یہ جگہ اس زمانے میں ''مربد'' تھی (مربد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوروں کو خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں) یہ جگہ دو یتیم انصاری بچوں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جگہ ان سے دس دینار میں خرید لی۔ حالانکہ وہ دونوں بچے اس جگہ کو بلا معاوضہ دینا چاہتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ

علیہ وسلم بلا معاوضہ لینے پر راضی نہ ہوئے۔

(فتوح البلدان، ص ۱۰)

جگہ کے انتخاب اور اس کی خریداری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت کے ساتھ اس کی تعمیر شروع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تعمیر میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ مسجد کی تعمیر میں پہلا پتھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرا پتھر رکھا، پھر آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیسرا پتھر تم اس کے ساتھ رکھو' پھر عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو چوتھا پتھر تم رکھو' پھر فرمایا:

ھولاء الخلفاء من بعدی

"یہ اسی ترتیب کے ساتھ میرے بعد خلیفہ ہوں گے"۔

مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں سے۔ ۷ھ میں نمازیوں کی کثرت کے باعث مسجد میں کچھ تنگی محسوس ہونے لگی۔ مسجد کے جوار میں ایک شخص کا مکان تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ اس کو خرید کر مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اپنے خطبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دی اور جنت کا وعدہ فرمایا' جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں وہ مکان خرید لیا اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۷۸)

مسجد نبوی دور فاروقی میں

وقت کے مہ و سال گزرتے گئے اور مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ مسجد کی وسعت میں مزید اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ ۱۷ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اردگرد کے مکانات خرید کر مسجد کو وسیع کرنا چاہا۔ اور لوگوں نے تو اپنے مکانات حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیئے لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنا مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے' سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا

کہ میں عباسؓ کو بڑے سے بڑا معاوضہ دیتا ہوں لیکن وہ اپنا مکان فروخت نہیں کرتے۔ لہٰذا آپ کسی طریقے سے انہیں راضی کریں تاکہ مسجد کی جلد از جلد توسیع ہو سکے۔ سیدنا ابی بن کعبؓ نے کہا کہ حکومت کو کسی شخص کا مکان جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ اس پر سیدنا عباسؓ نے اپنا وہ مکان بلا معاوضہ حکومت کو دے دیا۔

یہ روایت عام کتابوں میں ہے لیکن علامہ بلاذریؒ نے اس کو صحیح نہیں جانا اور لکھا ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا عباسؓ سے اپنا مکان فروخت کرنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے جملہ اہل اسلام کے نام وہ مکان بجائے فروخت کرنے کے ہبہ کر دیا۔ علامہ بلاذریؒ کے الفاظ ہیں:

وکلم العباس بن عبدالمطلبؓ فی بیع دارہ لیزید فیه فوهبها العباس لله وللمسلمین۔

''سیدنا عمرؓ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ سے مکان فروخت کرنے کے بارے میں بات کی تاکہ مسجد کو وسیع کیا جس کے۔ پس آپ نے اپنا وہ مکان اللہ اور جملہ اہل اسلام کے نام وقف کر دیا''۔

(فتوح البلدان، ص ۱۳)

سیدنا عباسؓ کا مکان فروخت کرنے سے انکار کرنا اور سیدنا ابی بن کعبؓ کا ثالث بننا یہ سب بعد کی وضعی روایات ہیں۔ حقیقت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ سیدنا عباسؓ نے سیدنا عمرؓ کے کہنے پر فوراً مکان ہبہ کر دیا۔

مسجد نبوی کے ساتھ ایک مکان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر طیارؓ بن ابی طالب کو مرحمت فرمایا ہوا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے وہ مکان پچاس ہزار درہم میں خرید لیا۔ (۶) اس کے علاوہ دوسرے کئی ایک اور ملحقہ مکانات آپ نے خرید لیے تاکہ مسجد کی توسیع کی جا سکے۔ سیدنا عمرؓ نے مسجد نبوی کی جو توسیع کی اس میں صرف لکڑی کے ستون تبدیل کیے۔ باقی دیواریں پہلے کی طرح کچی اینٹوں اور چھت کھجور کی شاخوں کی رہنے دی۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں کی ڈلوائی اور صحن کچا ہی رکھا جس کی وجہ سے جب کبھی مدینہ طیبہ میں بارش ہوتی تو بارش تو ایک روز ٹپکتی لیکن مسجد کی چھت دو تین روز تک ٹپکتی رہتی جس سے مسجد کے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی۔ سیدنا عمر ﷺ جب اپنے عہد خلافت میں مسجد کی توسیع فرما رہے تھے تو سیدنا عثمان ﷺ نے مسجد کی چھت اور صحن پختہ بنانے کی تحریک پیش کی۔ سیدنا عمر ﷺ نے یہ کہہ کر ان کی تحریک کو رد کر دیا کہ:

"بیت المال مجاہدین اور غازیان اسلام کی اعانت و کفالت کے لیے ہے نہ کہ مسجد کی چھتوں اور صحنوں کو پختہ کرنے کے لیے۔ نیز فرمایا: عثمان ﷺ اگر تمہیں نمازیوں کی تکلیف کا اتنا ہی احساس ہے تو اپنی جیب خاص سے ان دونوں چیزوں کو پختہ بنا دو"۔

سیدنا عثمان ﷺ اس وقت تو سیدنا فاروق اعظم ﷺ کے پاس ادب کے لیے خاموش ہو گئے۔ لیکن اس بات کو آپ نے اپنے دل میں چھپائے رکھا' یہاں تک کہ زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی

دور عثمانی میں مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر

۲۴ ہجری میں جب سیدنا عثمان ﷺ سریر آرائے خلافت ہوئے تو لوگوں نے مسجد کی تنگی کی شکایت کی' کیونکہ اسلام کی روز افزوں ترقی کے باعث اہل اسلام کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور مسجد کی تنگ دامنی شکوہ سنج تھی۔ چنانچہ آپ نے مسجد کی توسیع اور اس کی پہلی عمارت کو گرا کر پوری عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لیے آپ نے اردگرد میں رہنے والوں سے کہا کہ وہ اپنے مکانات حکومت کے ہاں بیچ دیں تا کہ مسجد کی توسیع کی جا سکے۔ آپ نے انہیں کافی معاوضہ بھی پیش کیا لیکن وہ کسی صورت اپنے مکانات فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ آپ نے انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر کی لیکن ہر تدبیر بے سود رہی۔ لہٰذا توسیع و تعمیر کا معاملہ پانچ سال تک تعطل والتواء میں رہا۔ جب آپ نے اپنے اس ارادے کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو ایک جمعہ کو

آپ نے نہایت موثر خطبہ دیا اور لوگوں کو نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگ دامنی کی طرف نہایت دردانگیز لہجے میں توجہ دلائی۔ جمعہ کی مبارک گھڑی اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے دردانگیز لہجے نے حاضرین پر خاص اثر کیا اور وہ سب لوگ جو ابھی تک اپنے مکانات حکومت کے ہاتھ فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے تھے فوراً اپنے مکانات بیچنے پر راضی ہو گئے...... امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اس بات کی بڑی مسرت ہوئی۔ چنانچہ آپ نے انہیں منہ مانگے دام دے کر وہ سارے مکانات خرید لیے۔

عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کا ایک مکان مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔ مسجد کی توسیع کے لیے اس کا خریدنا بھی نہایت ضروری تھا لیکن یہ اپنا مکان فروخت کرنے پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے انہیں اس مکان کے بدلہ میں بصرہ میں نہر کے کنارے وہ مکان دے کر راضی کر لیا جو "شط عثمان رضی اللہ عنہ" کے نام سے مشہور ہے۔

اب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کو منہدم کروایا اور اس کو اس طریقے سے پختہ بنوانا شروع کیا جس میں تزئین و آرائش کا پہلو بھی نمایاں ہو۔ مدینہ منورہ میں چونا نہیں ملتا تھا۔ وہ مدینہ طیبہ سے چند میل دور بطن نخلہ سے منگوایا۔ دیواروں کے لیے منقش پتھر منگوائے گئے۔ چھت کے لیے سالوان کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ ابن اثیر کا بیان ہے:

کان ینقل الجص من بطن نخل و بناه بالحجارة المنقوشة وجعل عمده من حجاره فیها وصاص و سقفه ساجا۔

"چونا کو بطن نخلہ سے جو مدینہ کے قریب بصرہ کے راستہ پر ایک گاؤں ہے لانے کا انتظام کیا گیا اور مسجد کو منقوش پتھروں سے بنایا گیا۔ اس کے ستون پتھر کے تھے جن میں سیسہ بھرا گیا تھا اور چھت ساگوان کی تھی"۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۱۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۵۴)

مسجد کی تکمیل کے مراحل

مسجد کی تعمیر تقریباً دس ماہ میں مکمل ہوئی۔ تعمیر کے دوران آپ اکثر اوقات وہاں رہتے اور بہ نفس نفیس کام کی نگرانی فرماتے۔ چنانچہ سیدنا صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے

عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سیدنا عثمان ﷛ مسجد نبوی تعمیر کروا رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امیر المومنین ﷛

یقوم علی رجیله والعمال تعلمون فیه حتی تاتی الصلوة فیصلی بهم ربما نام ثم رجع و ربما نام فی المسجد۔

''کام کی نگرانی کے لیے اپنے دونوں پاؤں پر کھڑے رہتے جبکہ کام کرنے والے مسجد میں کام کرتے ہوتے یہاں تک کہ نماز کا وقت آجاتا پھر آپ انہیں نماز پڑھاتے۔ بعض اوقات آپ گھر میں سو کر مسجد میں تشریف لے آتے اور بسا اوقات مسجد ہی میں سو جاتے''۔

(وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۵۰۵)

اس دوران آپ کاریگروں کو اپنی جیب خاص سے انعام واکرام سے نوازتے اور کھانے اور کپڑے سے بھی ان کو خوش وخرم رکھتے تاکہ وہ کام میں گہری دلچسپی لیں۔ اس طریقے سے ربیع الاول ۲۹ھ سے محرم الحرام ۳۰ھ تک برابر کام کی نگرانی فرماتے رہے اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سیدنا عمر ﷛ نے مسجد کے چھ دروازے رکھے، آپ نے بھی اتنے دروازے رکھوائے۔ (ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۵۱)

سیدنا فاروق اعظم ﷛ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد کی جو توسیع فرمائی تھی اس کے بعد مسجد کی لمبائی ۱۴۰ ہاتھ اور چوڑائی ۱۲۰ ہاتھ ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنے زمانہ میں اس کی جو توسیع کی اس سے مسجد کا طول ۱۶۰ ہاتھ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ ہوگیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۵۱۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۴)

گویا عہد عثمانی میں مسجد طول میں بیس ہاتھ اور عرض میں تیس ہاتھ بڑھی لیکن بعض روایات میں ہے کہ عرض میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا مگر طول میں پچاس ہاتھ کا اضافہ ہوا۔

(خلاصہ الوفاء، ص ۱۲۴)

غرض آپ نے شبانہ روز انتھک کوششوں سے اپنی نگرانی میں مسجد کی تعمیر نو اور توسیع کروائی اور اس کی تزئین وآرائش میں ذاتی دلچسپی لی۔ چنانچہ مسجد کی یہ عمارت اپنی مضبوطی، خوبصورتی اور تزئین وآرائش کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔

مدینہ طیبہ کے ماحول کی خوشگواری

مدینہ طیبہ اس زمانے میں مملکت اسلامی کا دارالخلافہ تھا۔ ساری مملکت کے لوگوں کی نگاہیں مدینہ طیبہ کے لوگوں پر تھیں۔ اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کوشش تھی کہ مدینہ طیبہ میں شر و فساد کے جراثیم پیدا نہ ہوں اور یہاں کا ماحول دینی، اخلاقی، فکری اور معاشرتی لحاظ سے پاکیزہ اور خوشگوار رہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے ایک خطبہ اس بات کی طرف اشارہ بھی فرمایا۔ آپ نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

یا اهل المدینة! انتم اصل الاسلام، انما یفسد الناس بفسادکم و یصلحون بصلاحکم۔ والله، والله والله، لا یبلغنی عن احد منکم حدث احدثه الا سیرته۔

"اے اہل مدینہ! تم اسلام کی اصل ہو، اگر تم بگڑ گئے تو تمہارے بگڑنے سے دوسرے لوگ بھی بگڑ جائیں گے اور اگر تم درست رہے تو دوسرے لوگ بھی درست رہیں گے۔ خدا کی قسم (آپ نے تین بار قسم اٹھائی) جس کسی کے متعلق بھی مجھے پتہ چلے گا کہ وہ فتنہ کا بیج بو رہا ہے میں اسے مدینہ طیبہ سے چلتا کر دوں گا"۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۲۸)

فسادی کیلئے سزا

سیدنا سالم بن عبداللہ جو راوی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس پر برابر عمل کیا، اور اگر کسی شخص کے بارے انہیں پتہ چل جاتا کہ وہ مدینہ طیبہ میں شر و فساد کی تخم ریزی یا اس کی آبیاری کر رہا ہے تو آپ اس کا سختی سے محاسبہ فرماتے اور اگر اس کو جلاوطن بھی کرنا پڑتا ہے تو اس سے بھی نہ چوکتے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں اس بارے میں چہ میگوئیاں ہونی شروع ہو گئیں۔

اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک شخص ضابی بن الحرث البرجمی نے چند انصار سے

ایک شکاری کتا مستعار لیا...... لیکن بعد میں اس کتے کو واپس کرنے میں پس و پیش کی۔ انصاری لوگوں نے اس سے وہ کتا زبردستی چھین لیا۔ ضابی کو اس بات پر سخت غصہ آیا۔ وہ شاعر تھا لہٰذا اس نے انصاری کی ہجو لکھ دی۔ انصار نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ضابی کو قید کر دیا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ قید خانہ میں مر گیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۸۳)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے پر سزا

اسی طرح کا ایک اور واقعہ طبری نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ آپ نے اس کو مارا، کسی پوچھنے والے نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ایفخم رسول الله صلی الله علیه وسلم عمه وارخص فی الاستخاف به' لقد خالف رسول الله صلی الله علیه وسلم من فعل ذالك ومن رضی به منه۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی عزت و توقیر کریں اور یہ شخص اس کی توہین کرے، میں اسے کیسے برداشت کر سکتا ہوں جو شخص ایسا کرے یا جو اس بات پر راضی ہو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی"۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۲۹، ابن اثیر، ص ۱۸۲)

گویا کہ آپ نے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی کہ مدینہ طیبہ کا دینی اور معاشرتی ماحول خوشگوار رہے تاکہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے شہروں پر اس کے خوشگوار اثرات پڑیں۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر آباد ہونے کی اجازت

جیسا کہ ہم نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں کو جاری رکھا اور جس نہج پر انہوں نے امور مملکت کو ترتیب دیا تھا' آپ نے اکثر

معاملات کو اسی طرح چلنے دیا۔ لیکن بعض امور ایسے بھی تھے جس کے بارے میں سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ نے سیدنا عمر ؓ کی پالیسیوں کے خلاف بھی کیا۔ کیونکہ سیدنا فاروق اعظم ؓ کے عہد خلافت میں حالات کا تقاضہ کچھ اور تھا اور آپ کے عہد خلافت میں حالات نے نئی کروٹ لی تھی۔ مملکت کی پہنائیوں میں معتد بہ اضافہ ہوا تھا۔ دولت کے ڈھیر مدینہ طیبہ میں سمٹ کر آرہے تھے۔ نئی نسل نئے زمانے کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا چاہتی تھی۔ لہٰذا آپ نے دینی اور سیاسی مصالح کے تحت سیدنا عمر ؓ کے بعض معاملات اور ان کی پالیسیوں میں تبدیلی کی۔ کیونکہ حالات وظروف کا یہی تقاضا تھا۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ سیدنا فاروق اعظم ؓ نے اپنے عہد خلافت میں اکابر صحابہ ؓ پر یہ قدغن اور پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ خلیفۃ المسلمین کی اجازت کے بغیر مدینہ طیبہ سے باہر سکونت اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ سیدنا عثمان ؓ نے اپنے عہد خلافت میں تمام اکابر صحابہ ؓ کو مدینہ طیبہ سے باہر سکونت پذیر ہونے کی اجازت دے دی اور ان میں سے کئی حضرات باہر دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

سیدنا عمر ؓ اکابر صحابہ ؓ کو باہر سکونت کیوں اختیار نہیں کرنے دیتے تھے اس کی ایک وجہ تھی جس کو آپ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا جس کا ذکر امام حسن بصریؒ نے کیا ہے۔ آپ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

> ”یاد رکھو! میرے نزدیک اسلام کی عمر کے مدارج وہی ہیں جو ایک اونٹ کی زندگی کے مدارج ہوتے ہیں۔ اونٹ پہلے جذع کہلاتا ہے۔ پھر ثنائی، پھر رباعی اور پھر سدیس۔ لیکن جب وہ ۹ سال کا ہو جاتا ہے تو پھر اس کو بازل کہتے ہیں۔ یہ اونٹ کی نشوونما کا نقطہ عروج ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ترقی کی منزلیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ زوال کی منازل کی طرف رجوع کرتا ہے۔
>
> یاد رکھو! اسلام بھی اب بازل ہو گیا ہے۔ یعنی اپنے نقطہ عروج پر ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ قریش اب یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو

نظر انداز کر کے اموال پر اب خود قبضہ کر لیں۔ یعنی دوسرے شہروں میں آباد ہو کر جاگیریں اور مال بنائیں۔ لیکن وہ حضرات سن لیں کہ جب تک ابن الخطاب رضی اللہ عنہ زندہ ہیں وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دے گا"۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۲۶)

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہر کے شہروں میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔

فلما ولی عثمان لم یا خلھم بالذی کان یا خذبه عمر۔ فانسا حوا فی البلاد۔

"جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آراء خلافت ہوئے تو آپ نے ان پر وہ پابندی نہ لگائی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لگاتے تھے۔ لہٰذا وہ مختلف شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے"۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۲۶)

اگرچہ طبری اور دوسرے کئی ایک ان جیسے مورخین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی کو صحیح نہیں بتایا اور ان کے آخری ایام خلافت میں جو فتنہ مملکت اسلامیہ میں پھیلا اس کے اسباب دو جوہات میں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے لیکن ہمیں ان کی اس رائے سے اختلاف ہے۔

محکمہ افتاء و قضاء دور عثمانی رضی اللہ عنہ میں

افتاء و قضاء کے دونوں محکمے شروع سے چلے آرہے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں محکموں کو کافی ترقی دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان محکموں کو مزید ترقی دی۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت کے چیف جسٹس سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے اور شام کی صوبائی عدالت کے جج سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۴۶)

افتاء کے محکمہ کے آپ کے صدر مفتی امام ذہبیؒ کے مطابق سیدنا ابوذر غفاریؓ تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۱، ص ۳۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی کتنی قدر تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی انہی ملکی اصلاحات کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں اسلامی مملکت ایک فلاحی مملکت تھی جس میں تنگدستی اور افلاس بالکل ختم تھا۔ مملکت کا ہر فرد خوشحال زندگی بسر کرتا تھا۔ (۷) روزگار سے معذور' ضرورت مند محتاج لوگوں کی ضروریات کی کفیل خود ریاست تھی۔ کسب معاش کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے تھے۔ کسی پر کوئی پابندی اور قدغن نہ تھی۔ بچہ پیدا ہوتے ہی پچاس درہم ماہانہ اس کا وظیفہ لگ جاتا تھا جو ایک سال کے بعد دگنا یعنی ایک سو درہم ماہانہ ہو جاتا تھا۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۲۱۴)

سیدنا حسن بصریؒ کی گواہی

اور ہر شخص کو اپنی شکایات امیر المومنین رضی اللہ عنہ تک پہنچانے کی پوری آزادی تھی جس کے لیے مختلف انتظامات ریاست اسلامی سے کیے گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں حالانکہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کا عہد خلافت دیکھا ہے۔ حال یہ تھا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب اہل حاجت میں عطیات تقسیم نہ ہوتے ہوں۔ آپ کے عہد خلافت میں روزانہ منادی ہوتی تھی کہ اے لوگو! اپنے روزینے لے جاؤ اور لوگ جھولیاں بھر بھر کر اپنے روزینے لاتے۔ اسی قسم کی منادی اشیائے خوردنی، گھی اور شہد کے بارے میں بھی تھی اور لوگ ہر شئے وافر مقدار میں لے جاتے تھے۔ فیا خلونها و افتره

غرض کہ اس دور خلافت میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔ ہر طرف خوشحالی کی جوئے شیریں بہہ رہی تھی' دشمن خوف زدہ تھا' لوگوں کے باہمی

تعلقات نہایت خوشگوار تھے' ہر طرف نیکی اور پاکیزگی ہی نظر آتی تھی' کوئی مومن کسی دوسرے مومن سے نہیں ڈرتا تھا (بلکہ اس کو اپنا محافظ اور خیر خواہ سمجھتا تھا) جو اسے ملتا اسے اپنا بھائی سمجھتا اور وہ سب آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے''۔

سیدنا حسن بسریؒ فرماتے ہیں:

''یہ سب کچھ نتیجہ تھا اس الفت ومحبت اور خیر اندیشی اور خیر سگالی کے جذبے کا جو سیدنا عثمان ؓ سب لوگوں کے ساتھ رکھتے تھے''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۲۱۴۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۷۲۔۷۳)

گمشدہ اونٹوں کے بارے اصلاح

آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عمر ؓ کے طریقہ سے ہٹ کر ایک اصلاح یہ فرمائی کہ آپ کے زمانہ خلافت میں لاوارث اور گم شدہ اونٹوں اور جانوروں کے بارے میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ ان کو پکڑ کر سرکاری حفاظت میں رکھا جائے اور ان کے متعلق باقاعدہ اعلان کیا جائے کہ وہ اونٹ کن کی ملکیت ہیں۔ اگر ان کا کوئی دعویدار نہ آئے تو ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ اور اگر اونٹ کو فروخت کرنے کے بعد اس کا کوئی مالک آجائے تو بیت المال سے اس کی قیمت نکلوا کر اونٹ کے مالک کو دے دی جائے۔

سیدنا عثمان ؓ سے پہلے سیدنا عمر ؓ کے زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ گمشدہ اونٹ یا جانور کو پکڑ کر سرکاری حفاظت میں رکھا جاتا۔ پھر اس کو سرکاری خزانہ سے کھلایا پلایا جاتا اور اس کی نسل بڑھتی، کوئی شخص ایسے اونٹ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔

(موطا امام مالک، ص ۵۳۸)

پانچواں باب

سیدنا عثمان غنی ﷛ کی دینی خدمات اور فیصلے

☆...... قرآنی تعلیم کا انتظام
☆...... قرآن کریم کو نشر کرنے کا فیصلہ
☆...... سیدنا عثمان غنی ﷛ کے پانچ کمالات
☆...... سیدنا عثمان غنی ﷛ کے اجتہادی فیصلے

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات

از حکیم محمود احمد ظفر

اسلام میں خلیفہ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے لیے روٹی' کپڑا اور مکان کا بندوبست کرے بلکہ اس کے اولین فرائض میں سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی دینی تعلیم، دین اسلام کی اشاعت، زندگی کے ہر شعبہ میں اس پر عمل، صفائی قلب، توجہ الی اللہ اور دینی فکر کی طرف پوری پوری توجہ دے۔ بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلامی اور غیر اسلامی حکومت میں یہی ایک چیز ما بہ الامتیاز ہے جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ وامر وابالمعروف ونھوا عن المنکر ، ولله عاقبه الامور۔

"یہ لوگ وہ ہیں جنہیں اگر ہم تمکین فی الارض (یعنی حکومت) عطا فرمائیں تو یہ نماز کو قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔

(حج:۴۱)

اس آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے قیام کی غرض وغایت کو بیان فرمایا، لیکن اگر اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو دراصل اس میں خلفائے راشدین کی حکومت کا خصوصی طور پر اور بعد میں آنے والی اسلامی حکومتوں کا عمومی طور پر نصب العین اور لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے کی دو تین آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا ذکر فرمایا گیا کہ انہیں ظلم و جبر کے ساتھ اپنے گھروں سے نکال دیا گیا۔ ان کو اب اذن جہاد وقتال دیا جا رہا ہے اور بطور خبر کے بتایا کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار مل جائے تو یہ ظلم وجور جبر واستبداد، فسوق وفجور اور کبر وغرور سے کام نہیں لیں گے بلکہ اللہ کے دین کی اشاعت اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام دنیا میں برپا کریں گے کیونکہ اس کرہ ارضی پر بسنے والوں

کی مادی اور روحانی اصلاح کا دارومدار انہی باتوں پر ہے۔

سیدنا عثمان ؓ بن عفان ؓ بھی ظلم و استبداد کے ساتھ اپنے گھر سے نکالے گئے تھے۔ بلکہ آپ تو صاحب ہجرتین (دو ہجرتوں والے) تھے اور کفار کے جور و استبداد کی چکی میں آپ بھی دوسرے مظلوم صحابہ ؓ کی طرح پیسے گئے تھے۔

اس لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی یہ خبر دی جارہی ہے اور رب العزت نے جیسی خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد نے اسی طرح اس کو پورا کر دکھایا اور اسلام کو براعظم افریقہ اور برعظم یورپ تک پہنچادیا۔ ان کے مخلص گورنروں، بہادر جرنیلوں، صاحب تقویٰ، مبلغوں اور صاحب ہمت سپاہیوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد سے لاکھوں انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور ان کی زندگیوں میں اس دین کامل کو رچادیا۔ چنانچہ جس روز آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے اس روز اس ربع مسکون کے نصف سے زائد ملکوں میں اسلام کی ہیبت وسطوت کا دمامہ بجتا تھا اور اللہ کی توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

آپ ؓ کی خدمات سے مورخین کی چشم پوشی

آپ نے دین کی اشاعت اور نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ قائم کرنے کے لیے کیا کیا خدمات انجام دیں ان کا احاطہ کرنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ بنوامیہ کے دشمن مورخین نے اپنے قلبی عناد کی وجہ سے ان کی ان سب خدمات کو تاریخ کے اوراق میں ایک تو درج ہی کم کیا ہے۔ دوسرے اگر کیا بھی ہے تو منتشر اوراق میں تاکہ ان کو بمشکل اکٹھا کیا جاسکے۔ لہٰذا جو کچھ تاریخ کے اوراق میں سے ہمیں مہیا ہوسکا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آپ ؓ سیدنا فاروق اعظم ؓ کے نقش قدم پر چلے

اس ضمن میں ایک اور بات بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا عثمان ؓ نے اپنے پیش رو سیدنا عمر الفاروق ؓ کی قریباً قریباً تمام اصلاحات کو بعینہ رہنے دیا۔ کیونکہ سیدنا عمر ؓ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں جو کچھ دین اسلام اور مملکت اسلامیہ کی بہتری کے

لیے کیا اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ اور رائے بھی شامل تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئے تو آپ اسے یک قلم منسوخ کر دیں یا انہیں تبدیل کر دیں۔ البتہ بعض معاملات میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے جس تبدیلی کی ضرورت تھی وہ آپ نے ضرور کی بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ساری پالیسیاں اور حکومت کے معاملات جس نہج پر چل رہے تھے آپ نے اسی طرح انہیں چلنے دیا۔ کیونکہ وہ ساری پالیسیاں اور اصلاحات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی مجلس شوریٰ نے جس کے ایک اہم رکن خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے' بڑے غور و فکر کے بعد وضع کی تھیں۔ لہٰذا ان پالیسیوں اور اصلاحات کو اسی طرح قائم رکھنا اور ان کو جاری رہنے دینا' اس کا کریڈٹ بھی آپ کی خلافت کو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خط میں جو سرحدی کمانڈروں کے نام لکھا اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''واضح ہو کہ تم مسلمانوں کے حامی و ناصر اور محافظ و نگران ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ حضرات کے لیے جو ضابطہ عمل مقرر فرمایا تھا' وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ ہمارے ہی مشورہ سے مقرر ہوا تھا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں نے اس میں کوئی تبدیلی کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری دلی کیفیت میں تبدیلی پیدا فرما دے گا اور تمہاری جگہ تم سے بہتر لوگ لے آئے گا۔ غور کیجئے کہ تم لوگ اپنی ذمہ داریوں کے بار دوش سے کس طرح سبکدوش ہوتے ہو اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں میں ان کو ضرور سرانجام دوں گا''۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۰۶)

اسی طرح اور بھی کئی مواقع پر آپ نے اپنی اس پالیسی کا اظہار فرمایا کہ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے نظام حکومت کے بارے میں جو لائحہ عمل اختیار کیا تھا وہ ہمارے ہی مشورہ سے ہوا تھا، لہٰذا میں اس کو قائم رکھوں گا۔

آپ ﷺ نے امہات المومنین کو ہر سال حج کروایا

سیدنا عثمان ذوالنورین ﷺ جتنا عرصہ اس جہان فانی میں رہے ہر سال حج کیا اور ازواج مطہرات ﷺ کو بھی اسی طرح حج کروایا جس طرح سیدنا فاروق اعظم ﷺ انہیں حج پر بھیجا کرتے تھے۔ سوائے آخری سال کے' کیونکہ اس سال شورش پسندوں کی وجہ سے آپ حج پر تشریف نہ لے جا سکے اور اپنی جگہ پر آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ کو امیر الحج مقرر فرما کر بھیجا۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۴۳)

گورنروں کی کڑی نگرانی

سیدنا عمر ﷺ اپنے اعمال (گورنروں) کی خاص طور پر نگرانی فرمایا کرتے تھے تا کہ لوگوں کو ان کے بارے میں کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے بھی سیدنا عمر ﷺ کی اس پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے گورنروں کے کاموں کی کڑی نگرانی فرمائی اور ان پر خاص نظر رکھی۔ آپ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ جن لوگوں کو گورنروں سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر انہیں ملیں اور ان کے کسی گورنر کے خلاف اگر کوئی شکایت ہو تو انہیں پیش کریں۔

گورنروں کے علاوہ آپ نے عام مسلمانوں کو بھی ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا، جس میں لکھا:

"تم سب لوگ معروف پر قائم رہو اور منکر سے بچو اور کوئی مومن اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے' میں قوی کے مقابلے میں ہر کمزور کا اس وقت تک ساتھ دوں گا جب تک وہ مظلوم ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ"۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۴۷)

آپ ﷺ کا محکمہ احتساب

آپ نے اپنے گورنروں کی نگرانی کی تا کہ وہ کوئی غلط کام نہ کر سکیں۔ ویسے آپ کے گورنروں کی اکثریت صحابہ کرام ﷺ پر مبنی تھی اور صحابہ ﷺ تو زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ

تھے۔ان کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے خود بطور مثال پیش کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان امنو بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا

لیکن اس کے باوجود سیدنا عثمان ؓ نے ایک احتساب کا محکمہ قائم کیا ہوا تھا جو عوام کے اخلاق اور معمولات کی بھی نگرانی کرتا اور گورنروں پر بھی کڑی نظر رکھتا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں کبوتر بازی کا رواج پڑنے لگا تو سیدنا عثمان ؓ نے اس کو روکا اور ایک شخص کو اس کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۲۷)

اسی طرح بعض لوگوں کے بارے میں جب آپ کو پتہ چلا کہ انہوں نے ایسی نبیذ پینی شروع کی ہے جس سے نشہ ہونے کا احتمال ہے تو طبری کے الفاظ میں:

فارسل عثمان طائفاً يطوف عليهم بالعصاء فمنعهم من ذالك

"تو سیدنا عثمان ؓ نے چند آدمی ایسے مقرر فرمائے جو مدینہ کے گلی کوچوں میں لاٹھیاں لے کر گشت کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے"۔

لیکن جب بعض لوگ اس طرح بھی باز نہ آئے تو آپ نے ارباب رائے کے مشورہ سے نبیذ کے استعمال پر سزا کا اعلان فرما دیا اور جو لوگ پکڑے جاتے ان کو کوڑے لگائے گئے۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۲۷)

جمعہ کے روز رعایا کا حال پوچھنے کا معمول

اسی سلسلہ میں روایات میں مرقوم ہے کہ:

"سیدنا عثمان ؓ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے ملک کے اطراف واکناف کی خبریں پوچھتے اور جو کچھ وہ بتاتے اسے توجہ سے سنتے"۔

(مسند احمد ابن حنبل، ج ۱، ص ۷۳)

اس طریقے سے آپ کو پتہ چل جاتا کہ ملک کے دور دراز گوشوں میں کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ ابن ذی الحبکہ النہدی نامی ایک شخص ٹوٹے ٹوٹکے سے علاج کرتا ہے۔ سیدنا عثمان ؓ نے گورنر کوفہ سیدنا ولید بن عقبہ ؓ کو لکھا کہ اس سے اس بارے میں پوچھا جائے، اگر وہ اقرار کرے تو اس کی گوشمالی کی جائے۔ راوی کا بیان ہے:

وتعجبوا من وقوف عثمان علی مثل خبره

''لوگوں کو تعجب ہوا کہ اتنی دور سے اس بارے میں خبر رکھتے ہیں''۔

(طبری، ج ۳، ص ۴۳۱)

قرآنی تعلیم کا انتظام

قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس کی طرف آپ نے خصوصی توجہ کی اور تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ اس کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے باتنخواہ معلم اور قاری مقرر فرمائے' چنانچہ علامہ ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے:

ان عمر بن الخطاب وعثمان بن العفان کانا یرزقان المو ذنیبن والائمة والمعلمین۔

''یہ عمر بن خطاب ؓ اور عثمان بن عفان ؓ نے موذنوں' اماموں اور استادوں کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا''۔

(سیرۃ العمرین، ص ۱۶۶)

تنخواہ اتنی تھی جتنی سے ان کی ضروریات زندگی آسانی کے ساتھ پوری ہو جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ مختلف حضرات کو سلطنت کے مختلف گوشوں میں لوگوں کو قرآن حکیم کی تعلیم کے لیے بھیجا۔

سیدنا عثمان ؓ اور قرآن

جس طرح سیدنا ابوبکر ؓ کا نام سُن کر ان کی رفاقت وصداقت اور سیدنا فاروق اعظم کا نام سن کر ان کی شجاعت وامارت کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے بالکل اسی شان سے سیدنا عثمان کا اسم گرامی زبان پر آتا ہے اس میں شک نہیں کہ قرآنی خدمات کے لحاظ سے

چاروں خلفاء ماشاء اللہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن جزوی فضیلت کے طور پر سیدنا عثمان کا مقام نرالا ہے اور اب تک جامع القرآن کے طور پر انہی کے نغمے گونجتے ہیں۔

حفظ اور تلاوت میں شغف

ابو ثور فہمی کے واسطہ سے حضرت عثمان ابن عفان ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف یاد کر لیا تھا۔

(ف) چونکہ آپ کو قرآن مجید پورے کا پورا یاد تھا اور حفظ بھی بارگاہ نبوت میں رہ کر کیا تھا اس لیے محمد بن سیرین اور عثمان بن عبدالرحمان تیمی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان ﷺ تمام رات ایک رکعت میں کھڑے قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔

کہنا آسان ہے، لیکن عمل کرنا مشکل ہے واللہ یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک قلب میں کلام الٰہی کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت پیوست نہ ہو چکی ہو۔

نیند اور آرام کو قربان کر دینا آسان کام نہیں۔ خشیت الٰہی ہی اعمال صالحہ کا داعیہ بنتی ہے بحمد اللہ سیدنا عثمان ﷺ انہی خلفات عالیہ سے متصف تھے۔

سیدنا عثمان ﷺ ناشر قرآن تھے

اشاعت قرآن کے سلسلے میں سیدنا عثمان نے جن پانچ امور کا خاص طور پر خیال رکھا وہ ذیل میں درج ہیں پڑھیے اور ان کے کمالات عالیہ کی داد دیجیے۔

سیدنا عثمان ﷺ کا پہلا کمال

حضرت کے عہد میں لوگوں نے اپنے اپنے تلفظ اور اپنے اپنے لہجہ میں قرآن مجید اور اس کی آیات کو لکھا ہوا تھا۔ آپ نے انہیں نا تمام قرار دے دیا۔ صدیقی ﷺ و فاروق ﷺ کا مصحف نقل کرا کر اطراف عالم میں بھجوایا۔ اور لوگوں کو لغت قریش پر لکھنے کی تاکید فرمائی ماشاء اللہ آپ کی اس سعی سے امت مسلمہ میں افراق و اختلاف کا اندیشہ ختم ہو گیا اور تمام مسلمان ایک قرآن پر جمع ہو گئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

فی کتاب تاریخ القرآن لابی عبداللہ الزنجانی احد الشیعة العاسرین ان علی بن موسیٰ المعروف بابن طاؤس وھو من علمائھم نقل فی کتابه سعد السعود عن الشھرشانی فی مقدمة تفسیرہ عن سوید بن غفلة قال سمعت علی ابن ابی طالب یقول ایھا الناس اللہ اللہ ایاکم وامر عثمان واما احراق المصاحف فواللہ ما احرقھا الاعن ملاء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ عسلم جمعنا وقال ما تقولون فی ھذالقراۃ التی اختلف الناس فیھا یلقی الرجل الرجل فیقول قرائی خیر من قرائتك وھذا یجری الی الکفر فقلنا ما الرائی قال ارید ان اجمع الناس علی مصحف واحد فانکم ان اختلفتم الیوم کان من بعد اشد اختلافاً فقلنا نعم مارایت۔ (حاشیه المنتقی ص ۲۹۲)

ابوعبداللہ زنجانی شیعہ کی کتاب تاریخ القرآن میں ہے کہ علی بن موسیٰ المعروف ابن طاؤس شیعی عالم نے اپنی کتاب شہرستانی سے مقدمۃ التفسیر میں سوید بن غفلہ سے نقل کیا ہے کہ سوید بن غفلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا۔ فرماتے تھے۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ تم کہتے ہو کہ وہ قرآن کے جلانے والا تھا۔ خدا کی قسم اس نے تو اُسے جلایا تھا جو کہ ہم نے صحابہ نے تفسیر کے طور پر حاصل کیا تھا میں تفسری، نوٹ: اپنی یادداشتیں جلائی تھیں۔ نوٹ: اور فرمایا اس قرأت کے متعلق کیا کہتے ہو۔ جس میں لوگ اختلاف کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو طعن کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میری قرأت تیری قرأت سے بہتر ہے اور یہ سلسلہ انکار تک چلا جاتا۔ پس ہم نے کہا کیا رائے ہے انہوں نے فرمایا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردوں پس اگر تم اختلاف کر رہے ہو۔ تو تمہارے بعد شدید اختلاف ہوگا۔

پس ہم نے کہا آپ نے بہتر سوچا ہے۔

رہا یہ کہ سیدنا عثمان ؓ نے کس مصحف پر جمع کیا تھا۔ اس کا جواب العواصم ن القواصم ص ۶۳۔۶۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لانہ ھو الذی حفظ فی الفوصة الاخیرة لکتاب اللہ علی الرسول صلوات اللہ علیہ قبیل وفاتہ۔

یہ قرآن وہ تھا جو کہ سیدنا عثمان ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر لمحات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا تھا۔

سیدنا عثمان ؓ کا دوسرا کمال

آپ نے تابعین کی ایک جماعت کو تلاوت کلام الٰہی کا طریقہ فن تجوید کے مطابق سکھایا چنانچہ عبداللہ اور حضرت حمزہ کی قرأت سیدنا عثمان ؓ کی طرف منسوب ہے۔

سیدنا عثمان ؓ کا تیسرا کمال

آپ اسی غرض سے کہ مقتدی حضرات اپنا تلفظ صحیح کرلیں، رکعتوں میں تلاوت زیادہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ فرافعہ بن عمیر حنفی فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ یوسف کو سیدنا عثمان ؓ سے نماز میں سُن سُن کر یاد کیا ہے قرآن مجید سے سیدنا عثمان کا یہ شغف ان کے کمال علمی پر دلالت کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی نظر تلطف اور نگاہ شفقت ملاحظہ فرمایئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ روایت فرماتی ہیں کہ بارہا ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما ہوتے اور اتنے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی اور آپ یعنی حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم پر اپنی پشت مبارک سے سہارا لگائے ہوتے اور سیدنا عثمان ؓ سے فرماتے کہ لکھو۔

سیدنا عثمان ؓ کا چوتھا کمال

سیدنا عثمان نزول قرآن کے ابتدائی عہد سے قرآن مجید کے کاتب تھے۔ اسی

لیے آپ نے فرمایا یہ پہلا ہاتھ ہے۔ جس نے سور مفصل کو لکھا ہے۔

(ف) کتابت قرآن اپنے مقام پر ایک اہم ذمہ داری کا کام ہے لیکن اس کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جبکہ اس کام کی تفویض حضور علیہ السلام کی طرف سے ہو۔ جب تک کاتب پورا دیانت دار اور امین نہ ہو۔ نیز صحیح مسلمان اور پورا ایمان دار نہ ہو اس وقت تک حضور علیہ السلام کی شان سے یہ بعید ہے کہ قرآن کی کتابت اس کے سپرد فرمائیں اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ منع فرما دیتے۔ اگر خدانخواستہ سیدنا عثمان کے ایمان واخلاص میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش ہوتی تو اتنی بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد نہ کی جاتی۔

سیدنا عثمان کا پانچواں کمال:

آپ اِس قدر محتاط تھے کہ سورہ انفال اور سورہ برات کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر نہیں فرمائی محض اس لیے کہ حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں اور نہ حضرت صلی اللہ علیہ السلام سے اس بارے میں کسی قسم کی ہدایت ثابت ہے۔

سیدنا عثمان ؓ کی شہادت اور تلاوت قرآن

تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جب اُن ظالموں نے سیدنا عثمان کو شہید کیا تو آپ تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ اور آپ کے خون کا پہلا قطرہ فسیکفیکھم اللہ پر پڑا۔ اور وہی قرآن آج تک محفوظ ہے اور آپ کی شہادت کی شہادت دے رہا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کتابت وحی

حضرت عثمان ؓ کو اپنے دوسرے اوصاف وکمالات کے علاوہ کتابت وحی کا شرف بھی حاصل تھا کیونکہ حضرت عثمان ؓ کو قریش کے ان چند افراد میں سے ایک تھے جو نوشت وخواند جانتے تھے، فاطمہ ؓ بنت عبدالرحمٰن اپنے چچا سے نقل کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ

انہوں نے انھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق آپکی کیا رائے ہے کیونکہ بعض لوگ انھیں بُرا بھلا کہتے ہیں، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرے وہ معلون ہے، فاطمہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ کلمہ تین مرتبہ دہرایا اور فرمانے لگیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عثمانؓ کے زانو کو سہارا لئے ہوئے تھے اور میں آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرات خشک کر رہی تھی کیونکہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ لکھو! خدا کی قسم حق تعالیٰ نے اپنے نبی کی امت میں یہ منصب باعزت لوگوں کو ہی بخشا ہے (یعنی قرآن حکیم نے کاتبانِ وحی کو کرام بررہ فرمایا ہے)

نوٹ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں یوں تو بیشمار روایتیں نقل کی جاسکتی ہیں۔ مگر محدثین کی تصریح کے مطابق خصوصاً امام الحدیث احمد بن حنبل کی تصریح کے مطابق حدیث کے تین ابواب کی کوئی اصل نہیں ہے اول مناقب وفضائل، دوم تفسیری روایات سوم ملاحم وفتن سے متعلق احادیث، تنبیہ کے بعد ہم صرف اُن چند روایات کو بیان کرتے ہیں جو کافی مشہور ہیں اور جنھیں صحاح کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے لیکن باوجود ان خصوصیات کے ہم ان تمام روایات سے بھی متفق نہیں ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعان علی رضی اللہ عنہ اور شیعان عثمان کے دو مستقبل گروہ مسلمانوں میں پیدا ہوگئے اور ہر فریق نے اپنے حق میں اور فریق مقابل کے خلاف بے شمار حدیثیں وضع کی ہیں جن سے صحاح کی کتابیں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں۔

عظیم الشان دینی کارنامہ

جمع قرآن

اگرچہ اسلام میں ہر فعل جو احکام خداوندی کے ماتحت ہو اور جس کا مقصد حصول رضاء الٰہی ہو دینی اور مذہبی فعل ہے، اور اس لئے حضرت عثمان ؓ کے تمام کارنامے دینی کارنامے ہیں، تاہم سب سے بڑا اور نہایت عظیم الشان دینی کارنامہ مصحف عثانی کی ترتیب وتدوین ہے، یہی وہ کارنامہ ہے جس کے باعث قرآن جیسا نازل ہوا تھا ویسا ہی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا، اس کی تفصیل یہ ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اُس وقت تک قرآن کتابی صورت میں مرتب و مدون نہیں ہوا تھا، بلکہ اس کے اجزاء منتشر اور متفرق تھی خلافت صدیقی میں یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے نہایت شدید جنگ ہوئی، اور حفاظ وقراء کی ایک بڑی تعداد اس میں کام آ گئی، یہ دیکھ کر حضرت عمر ؓ کو قرآن مجید کے ضائع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا اور آپ ؓ نے امیر المومنین کو مشورہ دیا کہ قرآن کی ترتیب وتدوین کرا دیں، چونکہ یہ کام عہد نبوت میں نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت ابوبکر ؓ کو شروع میں تامل تھا، لیکن پھر راضی ہو گئے اور نہایت اہتمام سے قرآن مجید کو کتابی شکل میں یکجا کر دیا، اس بناء پر قرآن کے جامعہ اول حضرت ابوبکر ؓ ہیں۔

لیکن حضرت عثمان ؓ کے عہد میں ایک اور فتنہ پیدا ہوا، اور وہ یہ کہ عرب میں بہت سے الفاظ کا تلفظ سب قبیلوں کا ایک نہیں تھا، بلکہ وہ مختلف تھے، جیسا کہ آج بھی ہے اور ایک عربی پر کیا موقوف ہو کم وبیش ہر زبان کا حال یہی ہوتا ہی اس بناء پر اگرچہ قرآن کا نزول بلغت قریش ہوا تھا جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی، لیکن دوسرے قبائل کے

لئے آسان نہ تھا کہ وہ اپنے قبائلی تلفظ کو ترک کر کے ان الفاظ کا تلفظ قریش کے تلفظ اور ان کے لہجہ کے مطابق کریں، اس مجبوری کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو وقتی طور پر اجازت دیدی تھی کہ الفاظ متعلقہ کا تلفظ وہ اپنے اپنے لہجہ کے مطابق کریں۔

اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی تھی کہ بڑے شہروں میں قرآن مجید کا درس جو صحابہ کرام دیتے تھے تو وہ درس یا زبانی ہوتا تھا یا ان تمام چند اجزاء کے ذریعہ ہوتا جو ان صحابہ کے پاس لکھے ہوئے موجود تھے پھر قبائل میں اختلاف صرف قرأت اور تلفظ الفاظ کا نہیں تھا بلکہ خود الفاظ کا بھی تھا، یعنی ایک معنی اور مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ایک قبیلہ ایک لفظ استعمال کرتا تھا اور دوسرا قبیلہ دوسرا لفظ بولتا تھا، اس بناء پر کسی قبیلہ کے کسی فرد کو لغت قریش پر نازل شدہ کوئی لفظ نامانوس اور زبان پر ثقیل معلوم ہوتا تھا تو وہ بے تکلف اس لفظ کی بجائے اپنے قبیلہ کی زبان کا تلفظ تلاوت کرنے لگتا تھا۔

علاوہ ازیں ایک صورت یہ بھی تھی کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یا کسی اور صحابی سے قرآن مجید کا کوئی جز سنا اور اپنے صحیفہ میں اسے لکھ لیا، لیکن اسی جز میں کوئی لفظ بہ لغت قریش ایسا تھا جس کے معنی معلوم نہیں تھے اس لئے اپنے صحیفہ میں اس لفظ منزل من اللہ کے ساتھ ایضاح معنی کی غرض سے اپنی زبان کا ایک لفظ بھی لکھ لیا، مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں سورۃ القارعہ میں العھن کے ساتھ القطن بھی لکھا ہوا تھا۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اکثریت عظمیٰ ان ہی حضرات کی تھی جو قرآن کی تلاوت محض اپنی یاد سے کرتے تھے، اس بناء پر قبائل اور ان کی شاخوں کی عظیم اکثریت اور ان کے باہمی لغوی اور لہجاتی اختلاف کے پیش نظر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ پورے قرآن کی تلاوت میں کم و کیف کیا اعتبار سے اختلافات کی نوعیت کیا ہو گی؟ خصوصاً اس وقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اختلافات کے ساتھ تلاوت کرنے کی اجازت منقول بھی ہو، تاہم یہ سب اختلافات موجود تھے، لیکن شدت کے ساتھ ان کا ظہور فتح مکہ کے بعد ہوا، جب چند در چند قبائل مشرف باسلام ہوئے، انہوں نے نیا قرآن پڑھنا شروع

کیا، اور ان کو خدمت نبوی میں رہنیا ور مستند قراء صحابہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

اختلاف قرأت پر لکھی جانیوالی کتابیں

قرآن مجید کی قرأت اور اس کی وجہ سے کتابت میں جو عظیم اختلافات رونما ہوئے متعدد مصنفین نے اُن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، سات کتابوں کا ذکر ندیم نے کیا ہے، ان میں سے ایک کتاب ابن ابی داؤد السجستانی کی یورپ میں طبع ہو چکی ہے، اختلافات مصاحف پر ان مستقل اور مبسوط کتابوں کے علاوہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (۲۱۳۔ ۲۷۴ھ) نے تاویل مشکل القرآن میں اور جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان میں بھی ان اختلافات کا ذکر کیا اور ان کیوجوہ واسباب پر گفتگو کی ہے، علاوہ ازیں یہ اختلافات صرف قرأت کے نہیں تھے، بلکہ قرآن مجید میں کمی بیشی کے بھی تھے، چنانچہ مصحف عبداللہ بن مسعود ؓ میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین کا اندراج نہیں تھا، اور اس کے برعکس مصحف ابن ابی کعب میں دُعائے قنوت بھی دو سورتوں کی شکل میں مندرج تھی، یہ اختلافات مدینہ، حجاز، کوفہ، بصرہ، عراق اور شام سب میں تھے لیکن کچھ دبے دبے اور غیر نمایاں سے تھے، فوج میں چونکہ ملک کے مختلف حصوں کے لوگ سب ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے، اس لئے اس نوع کے اختلافات سب سے زیادہ ایسی ہی جگہوں میں نمایاں ہو سکتے تھے، چنانچہ خلافت عثمانی میں ایسا ہی ہوا۔

اختلاف قرأت کے ہولناک مناظر

صحیح بخاری کی روایت ہے: حذیفہ بن الیمان آذربائیجان اور آرمینیہ کی جنگ میں جس میں شام اور عراق کی فوجیں ایک ساتھ تھیں شریک تھے، وہاں انہوں نے اختلاف قرأت کا یہ ہولناک منظر دیکھا تو پریشان ہو گئے، حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: امیر المومنین! خدا کے لئے اُمت کی خبر لیجئے، قبل اس کے کہ قرآن مجید سے متعلق اختلافات ایسے ہی شدید ہو جائیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات ہیں۔ ظاہر ہے اتنا اہم اور عظیم الشان کام امیر المومنین خود اپنی راہی سے انجام دینے کی

جسارت نہیں کر سکتے تھے، اس لئے آپ نے صحابہ کی مجلس شوریٰ طلب کی، جو کام آپ کرنا چاہتے تھے جب سب ارباب شوریٰ نے متفقہ طور پر اس کی تصویب اور تائید کر دی تو قرآن مجید کا ایک نسخہ جو حضرت عثمان ؓ نے یہ نسخہ اُم المومنین سے عاریۃ لیا اور ایک کمیشن مقرر فرما دیا جو ارکان ذیل پر مشتمل تھا: (۱) زید بن ثابت ؓ (۲) عبداللہ بن زبیر ؓ (۳) سعید بن العاص ؓ (۴) عبدالرحمٰن ؓ بن حارث بن ہشام، کمیشن کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ حضرت حفصہ ؓ کے مصحف کو بنیاد بنا کر قرآن مجید کا ایک نہایت مستند ایڈیشن تیار کریں، اس کمیشن میں صرف زید ابن ثابت انصاری ؓ تھے اور باقی تینوں ارکان ناموران قریش تھے، اسی بناء پر حضرت عثمان ؓ نے کمیشن کو ہدایت کی کہ چونکہ قرآن مجید کا نزول زبان قریش پر ہوا ہے اس لئے تینوں ارکان کو جہاں زید بن ثابت ؓ سے اختلاف ہو وہاں وہ اپنی قرأت کو ترجیح دیں۔

جب یہ ایڈیشن تیار ہو گیا تو حضرت حفصہ ؓ کا مصحف واپس کر دیا گیا، اور یہ ایڈیشن جس کا نام مصحف عثمانی ہے اس کی متعدد نقلیں تیار کرا کے انہیں مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا، کہ بس اس کو مستند مانا جائے اور اسی کے مطابق قرأت اور کتابت کی جائے اور مصحف عثمانی کے علاوہ جتنے مصاحف تھے اور جو دستیاب ہو سکے ان کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عثمان ؓ کے اس اقدام کی اہمیت

نکتہ چینوں نے حسب معمول اس پر بھی نکتہ چینی کی، اور اسے مورد اعتراض قرار دیا، اور دوسری طرف ہمارے مورخین و مصنفین اس واقعہ کا سرسری ذکر کر کے گذر گئے ہیں، فرض کیجئے کسی آبادی میں نہایت شدید قسم کا طاعون پھیل پڑا، قریب ہی کہ پوری آبادی اس کا شکار ہو کر لقمہ اجل ہو جائے، لیکن اچانک ایک نہایت قابل اور مخلص ڈاکٹر جو اس مرض کے علاج میں مہارت خاص رکھتا ہے مع اپنے عملہ کے یہاں پہنچ جاتا ہے اور شب و روز کی محنت، ہمدردی اور خلوص سے کام کر کے وہ آبادی کو وبا کی زد سے بچا لیتا ہے، اب دیکھئے اس صورت میں آبادی کے مرد وزن جو ڈاکٹر اور اس کے عملہ کی عظیم الشان خدمت کا براہ راست علم اور تجربہ رکھتے ہیں انہیں تو یقین کیا عین الیقین ہے کہ ڈاکٹر ان سب کا کتنا بڑا محسن

ہے اور اس کے کارنامہ کی کیا اہمیت ہے؟ لیکن ظاہر ہے اس اہمیت کا احساس آئندہ نسل کے لوگوں میں اس درجہ کا نہیں ہوگا، کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کے لئے جو چیز دیدہ تھی وہ ان کے لئے محض شندیہ ہے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ، اس بناء پر حضرت عثمان ؓ کے اس کارنامہ کی اہمیت کا اندازہ کر لینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اختلافات قرأت کی نوعیت معلوم کر لی جائے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ طاعون کس غضب کا تھا؟

اختلافات قرأت کی نوعیت

جو اختلافات شائع و ذائع تھے ابن قتیبہ کے بقول اگر ان کا تفحص اور تجزیہ کیا جائے تو وہ حسب ذیل سات قسم کے ملیں گے:

(۱) لفظ کی صورت تو بعینہٖ ایک ہی رہتی ہے، مگر اعراب میں اختلاف ہے اس اختلاف کا اثر معنی پر کچھ نہیں ہوتا، مثلاً سورۂ ہود میں هولاء بناتی هن اطهر لکم اور اطهر نفتح الراء، سورۂ سبا میں وهل نجازی الا الکفور میں وهل یجازی

(۲) لفظ کے اعراب اور اس کے حرکات میں ایسا اختلاف جس سے معنی بدل جائیں اگرچہ لفظ کی کتابت میں فرق نہ ہو، مثلاً سورۂ سبا میں ربنا باعد بین اسفارنا میں باعد، سورۂ النور میں اذ تلقونہ بالسنتکم میں تلقونہ سورۂ یوسف میں وادکر بعد امۃ میں بعد امۃ،

(۳) لفظ کے حروف میں اختلاف ہو اگرچہ اعراب میں نہ ہو، اور اس اختلاف سے معنی بدل جائیں، سورۂ بقرہ میں وانظر الی العظام کیف ننشزها میں ننشزها، حتی اذا فزع عن قلوبھم میں فرغ

(۴) الفاظ مختلف ہوں مگر معنی ایک ہوں مثلاً ان کانت الا صیحة کی جگہ الازقیة یا کالعهن المنفوش کی جگہ کالصوف المنقوش،

(۵) الفاظ مختلف ہوں اور ان کے معنی بھی مختلف ہوں مثلاً وطلح مضود اور طلح منضود،

(۶) تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہو، مثلاً وجاءت سکرت الموت بالحق، اور وجاء سکرۃ الحق بالموت۔

(۷) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف مثلاً وما عملت ایدیھم اور وما عملتہ ایدیھم اوران اللہ ھو الغنی العمید اوران اللہ الغنی الحمید۔

یہ اختلافات تو لفظوں میں محدود تھے، ان کے علاوہ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا مصاحف میں اختلاف سورتوں میں کمی بیشی تک کا تھا، پھر الفاظ کے تلفظ کا اختلاف بھی تھا، مثلاً قبیلہ ہذیل کے لوگ حتیٰ کو عتیٰ بولتے تھے، چنانچہ حتیٰ حین کو عتی حسین پڑھتے تھے، تعلمون اور تعلم میں اسدی کی قرأت بکسر التا۔ یعنی تِعلمون وتِعلم ہے، پھر ایک اختلاف یہ بھی تھا کہ عام قاعدہ کیمطابق ان، ان جو حروف بالفعل ہیں ان کا اسم منصوب ہوتا ہے، مگر بعض قبیلے اسے مرفوع پڑھتے تھے، مثلاً ''ان ھذا ان لساحران'' اور ''ان ھذین لساحران''۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا امت پر احسان

اس تفصیل اور تجزیہ سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اختلافات کتنے شدید تھے؟ اگرچہ قبائل کی سہولت اور آسانی کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیا بتداء قبائل کو اس کا اختیار دیا تھا کہ لغت قریش پر نازل شدہ کسی آیت میں اگر کوئی لفظ کسی قبیلہ کے لئے عسیر التلفظ یا عسیر الفہم ہو تو وہ اس کے بجائے اپنے قبیلہ کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے یہ اجازت موقت ہی ہو سکتی تھی دائمی نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ایمرجنسی کے زمانہ میں احکام عارضی ہونے میں دائمی نہیں ہوتے، پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جو اختلافات مروج تھے، وہ سب وہ نہیں تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انزل القرآن علی سبعۃ احرف کے تحت آتے ہیں، بلکہ وہ اختلافات بھی تھے جن کے باعث قاری کا نسیان، بھول چوک اور غیر شعوری طور پر قرآن کے الفاظ میں ردو بدل تھا۔

اب غور کیجئے، ایک طرف ایک نہایت عظیم ووسیع مملکت اسلامی ہے جس میں چند در چند قومیں جن میں عرب اور غیر عرب، بدوی اور حضری، عالم اور جاہل، مصلح اور مفسد سب شامل ہیں، ملی جلی آباد ہیں اور دوسری طرف مصاحف اور قرأت کے اختلافات کا یہ عالم ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، ان سب کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کہ اگر ان اختلافات کو یوں ہی رہنے دیا جاتا تو قرآن کا حشر بھی وہی نہ ہوتا جو تورات اور انجیل کا ہوا، اس بناء پر کوئی

شک نہیں ہوسکتا کہ جمع قرآن کا کام انجام دیکر اسلام اور دین کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی خدمت انجام دی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ، مرتدین اور مسلیمہ کذاب سے نہایت کامیابی جنگ کر کے اور پھر قرآن کی ترتیب وتدوین کر کے انجام دی تھی، حقیقت یہ ہے کہ کارنامہ صدیقی کی طرح یہ کارنامہ عثمانی بھی تتمہ اور تکملہ کار نبوت کی حیثیت رکھتا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

من نظر فی تجریه وقت امره بجمع القرآن علم مرتبته وجلالته وهو افضل من قرء القرآن علی النبی صلی الله علیه وسلم

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتبہ ومقام اور جلالت شان کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت کا احساس کر کے جمع قرآن کا حکم دیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب لوگوں میں افضل تھے جنہوں نے قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا''۔

جو مصاحف منسوخ کئے گئے تھے ان میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف بھی تھا، اس لئے وہ ابتداء ناراض تھے لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن کو یقین دلایا کہ انہوں نے جو اقدام کیا ہے وہ وقت کا ایک نہایت اہم اور ناگزیر مطالبہ تھا اور انہوں نے اسے تمام صحابہ کے مشورہ اور ان کی تائید سے کیا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے توبہ کی اور مخالفت ترک کر دی۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۱۸)

غضب خدا کا اتنا اہم اور عظیم الشان کارنامہ! دشمنوں نے مصاحف کے نذر آتش کر دینے کو بہانہ بنا کر اسے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک جُرم قرار دیدیا اور اپنے الزامات کی فہرست میں اس کا اور اضافہ کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: اگر عثمان رضی اللہ عنہ مصاحف کو نذر آتش نہ کرتے تو میں کرتا، لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرنے سے بچو، تم کہتے ہو عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف میں تحریف کر دی، خدا کی قسم! انہوں نے جو کچھ کیا ہے صحابہ

کرام کی رائے اور مشورہ سے کیا ہے، اگر میں حکمران ہوتا تو اس معاملہ میں بھی وہی کرتا جو انہوں نے کیا۔

ابن عساکر نے مشہور تابعی عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کی ہے فرماتے تھے کہ حضرت عثمانؓ میں دو صفتیں ایسی ہیں جو اُن کو شیخین پر بھی ترجیح دیتی ہیں ایک اُن کا صبر جس کا انجام شہادت ہوا اور دوسری صفت یہ ہے کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر جمع کر دیا (تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی، تذکرہ عثمانؓ)

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

من مناقبه الكبار وحسناته العظيمة انه جمع الناس على قرأة واحدة

''حضرت عثمانؓ کی ایک بڑی منقبت اور ایک عظیم ترنیکی یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کر دیا''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ بھی لکھتے ہیں، حضرت عثمانؓ امت میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی (حضرت رقیہ) کے ساتھ ہجرت حبشہ کی اور پوری امت کو ایک قرأت قرآن پر جمع کر دیا۔

سیدنا عثمانؓ کی شان اجتہاد

سیدنا عثمان بن عفانؓ قرآن وحدیث کے عالم ہونے کے ساتھ مجتہدانہ شان کے بھی حامل تھے اور نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی ان کے قول وعمل سے استناد کرتے تھے۔

(بخاری، ج۱، ص۴۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۶۰۔۷۰)

عبیداللہ بن عمرؓ کا فیصلہ

۱۔ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ سب سے پہلا مقدمہ آپ کے پاس سیدنا عبیداللہ بن عمرؓ کا آیا۔ (جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے) جس کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہ آپ کے مجتہد ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔ سیدنا عمرؓ کے شدید زخمی

ہونے کے بعد آپ کے صاحبزادے عبیداللہ بن عمر ﷛ نے ہرمزان، جفینہ اور ابولولو کی ایک چھوٹی لڑکی کو قتل کر دیا۔ ہرمزان کسروی خاندان کا ایک گورنر تھا جو ۱۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ ہی میں آباد ہوگیا تھا، جفینہ عراق کا ایک عیسائی عرب تھا وہ بھی بظاہر ہرمزان کی طرح مسلمان ہوگیا تھا اور مدینہ کے بچوں کو عربی لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔ ابولولو ان دونوں سے ملتا جلتا تھا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ﷛ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر ﷛ کے بیان کرنے پر کہ ہم نے ابولولو جیسا خنجر ہرمزان اور جفینہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا یہ کوئی قطعی شہادت نہ تھی۔ بہرحال سیدنا عبیداللہ بن عمر ﷛ نے جذبات سے مشتعل ہو کر تین افراد کو قتل کر دیا۔ آپ کو مسند خلافت پر بیٹھے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ چند لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ عبیداللہ ﷛ کو قتل کی سزا دی جائے کیونکہ انہوں نے عمداً تین خون کیے ہیں۔ لیکن ممتاز صحابہ ﷛ کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ عبیداللہ کو قتل نہ کیا جائے۔

آپ نے اس مقدمہ کا جو فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اگر کسی مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو خلیفہ وقت اس کا والی اور وارث ہوتا ہے اور خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ چاہے قاتل کو قتل کر دے یا دیت لے لے۔ چونکہ مقتولین کا کوئی وارث نہیں تھا۔ اس لیے سیدنا عثمان ﷛ نے بحیثیت امیر المومنین ﷛ ولی مقتول ہو کر قصاص کی بجائے دیت قبول کر لی، اور وہ رقم اپنے مال سے ادا کر کے بیت المال میں جمع کر دی۔

آپ کے چند دیگر اجتہادی فیصلے

۲۔ آپ کے اجتہاد کی ایک اور مثال جو امام ابو یوسفؒ نے نقل فرمائی ہے یہ ہے کہ دیت ۱۰۰ اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا دو ہزار بکری یا دو سو گھوڑے یا دو سو گائے ہیں، لیکن سیدنا عثمان ﷛ نے معطی کو اختیار دیا کہ خواہ اونٹ دے یا ان کی قیمت۔

(کتاب الخراج، ص ۱۸۵)

۳۔ جمعہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی جس سیڑھی پر بیٹھے تھے سیدنا صدیق اکبر ﷛ اپنے زمانہ خلافت میں ادب واحترام نبوی میں اس سے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھنے لگے۔ سیدنا صدیق اکبر ﷛ کے انتقال کے بعد جب سیدنا فاروق اعظم ﷛ کا زمانہ

خلافت آیا تو آپ بھی از راہ ادب سیدنا صدیق اکبر ﷛ سے بھی ایک سیڑھی اور نیچے اتر آئے لیکن سیدنا عثمان ذوالنورین ﷛ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ خیال کر کے یہ سلسلہ کہاں تک چلے گا اور سنت نبوی کی اتباع میں پھر اسی سیڑھی پر بیٹھنا شروع کر دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۱۴۸)

جمعہ کی اذان کے بارے میں آپ کا فیصلہ

۴۔ سیدنا عثمان ﷛ کے زمانہ خلافت سے قبل جمعہ کی نماز میں ایک اذان اور ایک اقامت ہوتی تھی۔ آپ کے عہد خلافت میں آبادی کی کثرت ہو گئی اور مدینہ طیبہ کے مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے مقام زوراء میں ایک اور اذان کا اضافہ فرما دیا اور تمام صحابہ کرام ﷛ نے اس بارے میں ان سے اتفاق کیا۔

(بخاری، کتاب الجمعہ ج ۱ ص)

۵۔ ربیع بن معوذ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ تم لے لو اور اس کے عوض میرا پیچھا چھوڑ دو۔ چنانچہ میرے شوہر نے میرا بستر لے لیا۔ اب جب میں شکایت لے کر امیر المومنین سیدنا عثمان ﷛ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

> ''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ میری ہر شئے لے لو اور آپ نے اس کے شوہر سے فرمایا، اس کی سب اشیاء لے لو''۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۱۳۲)

مرض الموت میں طلاق کے بارے میں آپ کا اجتہاد

۶۔ ائمہ اربعہ میں ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق دے دے تو وہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ ﷛ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ طلاق واقع نہیں ہو گی (اگرچہ ان حضرات میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے لیکن مجموعی فیصلہ یہی ہے) لہٰذا شوہر کے انتقال کے بعد مطلقہ بیوی کو شوہر کی میراث میں

سے ضرور حصہ ملے گا۔

اس کے برعکس امام شافعیؒ اور ابن حزمؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور مطلقہ بیوی وراثت شوہر سے محروم رہے گی۔ اس مسئلہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے بھی وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کی ہے۔

آپ کے زمانہ میں اس طرح کے دو تین واقعات پیش آئے جن میں آپ نے مطلقہ بیوی کو شوہر کی وراثت سے حصہ دلایا۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو مرض الموت میں طلاق دے دی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متوفی کی بیوی کو اس کی میراث میں سے حصہ دیا جائے اور آپ نے اس طلاق کو معتبر نہ جانا۔ اس پر ایک شخص نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بیوی کو طلاق نہ تو نقصان دہی اور ضرر رسانی کے ارادہ سے دی اور نہ ہی ان کا مقصد حکم الٰہی سے فرار تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

> ''اس حکم سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں ایک ایسا قانون بنا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ اللہ کے حکم سے فرار میں خوف محسوس کریں''۔

(المحلی ابن حزم، ج ۱۰، ص ۲۱۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تفقہ اور اجتہاد کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے عزت و وقار کی نظر سے دیکھتے تھے اور ہر مشکل مسئلہ میں ان ہی سے آ کر رائے لیتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے کئی مسائل کتابوں کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ مفتی بھی تھے

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اجتہادی مسائل مختلف کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی بھی تھے۔ چنانچہ علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ۱۳۰ کے لگ بھگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل فتویٰ تھے جن میں سب سے زیادہ فتوے سات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہیں۔

(۱) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۲) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۳) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۴) سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین ؓ (۵) زید بن ثابت ؓ (۶) عبداللہ بن عباس ؓ
(۷) عبداللہ بن عمر ؓ

ان سے سے دوسرے نمبر پر جن کو ابن القیم نے ''المتوسطون'' کہا ہے ۱۳ صحابہ ؓ تھے جن میں ابوبکر صدیق ؓ، عثمان بن عفان ؓ، ابوموسیٰ اشعری ؓ، سعد بن ابی وقاص ؓ اور معاذ بن جبل ؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۱۲)

ایک اور مقام پر علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے:

و کان من المفتیین عثمان بن عفان

''عثمان بن عفان ؓ اصحاب فتویٰ میں سے تھے''۔

(اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۲۰)

سیدنا عثمان ؓ نہ صرف خلافت شیخین (سیدنا ابوبکر ؓ اور سیدنا عمر ؓ) میں مفتی تھے بلکہ عہد رسالت میں بھی آپ اصحاب فتویٰ میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ نے ان کو ان چودہ مفتیوں میں شمار کیا ہے جن کو عہد رسالت میں بھی فتویٰ دینے کی اجازت تھی اور وہ مفتی شمار ہوتے تھے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) سیدنا ابوبکر صدیق ؓ (۲) سیدنا عمر الفاروق ؓ (۳) سیدنا عثمان بن عفان ؓ (۴) سیدنا علی بن ابی طالب ؓ (۵) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف (۶) سیدنا ابی بن کعب ؓ (۷) سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ (۸) سیدنا معاذ بن جبل ؓ (۹) سیدنا عمار بن یاسر ؓ (۱۰) سیدنا حذیفہ بن الیمان ؓ (۱۱) سیدنا زید بن ثابت ؓ (۱۲) سیدنا سلمان فارسی (۱۳) سیدنا ابوالدرداء (۱۴) سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ

(تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر، ص ۵۲)

''علم الفرائض'' میں آپ کا رسوخ

علم الفرائض جس کو علم وراثت بھی کہتے ہیں ایک نہایت مشکل علم ہے کیونکہ اس میں علم حساب کو بڑا دخل ہے اور وہ شخص جو علم الحساب کا ماہر نہ ہو علم الفائض کا ماہر نہیں ہوسکتا۔

اس فن کی تدوین کا سہرا سیدنا زید بن ثابت ﷛ کے سر ہے۔

(کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵)

لیکن روایات میں آتا ہے کہ اس فن کی ترتیب و تدوین میں سیدنا زید بن ثابت ﷛ کے ساتھ سیدنا عثمان بن عفان ﷛ کا بھی پورا پورا تعاون ہے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں فرائض کے بارے میں جو مائل درپیش ہوتے ان کا حل یہی دو صحابہ ﷡ تلاش کرتے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ ﷡ کو اس بابت کا اندیشہ تھا کہ ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد خدانخواستہ یہ فن ہی کہیں ختم نہ ہو جائے۔

(کنز العمال، ج ۶، ص ۳۷۲)

علم المناسک میں آپ کا مقام

علم المناسک اس علم کو کہتے ہیں جس میں حج کے مسائل اور طریقے بیان ہوں۔ اس علم میں سیدنا عثمان ﷛ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور تمام صحابہ ﷡ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ چنانچہ علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

کانوا لایرون اعلمھم بالمناسك عثمان بن عفان ثم ابن عمر بعدہ

''تمام صحابہ ﷡ عثمان بن عفان ﷛ کو مناسک میں سب سے زیادہ عالم سمجھتے تھے اور اس کے بعد ابن عمر ﷛ کو''۔

(اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۱۸)

علامہ ابن سعد نے طبقات میں بھی محمد بن سیرینؒ کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو، طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۶۰)

سیوطی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

کان اعلمھم بالمناسك عثمان و بعدہ ابن عمر۔

''تمام صحابہ ﷡ میں عثمان ﷛ مناسک کے سب سے بڑے عالم ہیں اور ان کے بعد ابن عمر ﷛''۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۹)

آپ رضی اللہ عنہ کے فرامین وخطبات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے نام کئی خطوط اور گشتی مراسلے تحریر فرمائے جن سے آپ کے سیاسی شعور، بلند فکری، ژرف نگاہی اور قلبی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

اور جہاں تک آپ کے خطبات کا تعلق ہے آپ کو خطبات میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے جس طرح قدر خطبات ملتے ہیں' ان کے ایک ایک حرف سے آپ کی علمی قابلیت' فصاحت و بلاغت اور زور خطابت کا پتہ چلتا ہے اور یہ جو بعض ناہنجار لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ آپ تقریر وخطابت میں کمزور تھے اور آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں دوران تقریر آپ کانپنے لگے......اور فرمایا:

ایها الناس انا اول مرکب صعب' وان اعبش فستاتیکم الخطبة علی وجهها۔

''اے لوگو! بے شک پہلی دفعہ ہر سواری مشکل ہوتی ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ تمہارے سامنے ٹھیک طور پر خطبہ دوں گا''۔

یہ کسی ایسے شخص کا قول ہے جس کا قلب بغض عثمان رضی اللہ عنہ سے بھرا ہوا تھا۔ وگرنہ یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنی یہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اصول جہاں بانی سے ناآشنا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات صرف صاحب ''العقد الفرید'' نے کہی ہے''۔

ولکن لم ار باسناد تسکن النفس الیه۔

''یہ روایت کسی ایسی سند کے ساتھ میری نظر سے نہیں گزری جس سے تسکین قلب حاصل ہو''۔

(البدایة والنهایة، ج ۷، ص ۱۴۸)

آپ کے دیگر خطبات بھی زور بیان اور فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ طوالت کی خاطر انہیں یہاں نقل نہیں کیا جا رہا۔

دورِ عثمانی ؓ کی فوجی اصلاحات اور فتوحات

☆ ...... سیدنا عثمان ؓ کی خدمات سے مورخین کی چشم پوشی

☆ ...... مختلف بلاد وامصار اور سمندری جزائر کی فتوحات

دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ کی فوجی اصلاحات اور فتوحات

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفائی اور فلاحی امور کی طرف توجہ دی بلکہ مملکت اسلامیہ کے استحکام کے لیے ایک بہترین عسکری نظام قائم فرما کر ملکی دفاع کو اتنا مضبوط اور مستحکم کر دیا کہ پھر دشمن کو کبھی بھی مملکت اسلامیہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں واضح کیا گیا ہے کہ قریش کے عسکری نظام کی باگ ڈور شروع ہی سے بنوامیہ کے ہاتھ میں رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں سپہ سالاری کے فرائض بنوامیہ ہی نے انجام دیئے۔ اس کے علاوہ انتظامی امور میں بھی بنوامیہ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات میں سب سے زیادہ بنوامیہ ہی کے لوگوں کو گورنری کے عہدوں پر فائز فرمایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی چونکہ اموی تھے لہٰذا یہ سب خصوصیتیں آپ میں بھی دوسرے امویوں کی طرح بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ لہٰذا آپ نے اپنے عہد خلافت میں مملکت کے عسکری نظام میں خاص طور پر دلچسپی لی اور اس میں بڑی مفید اصلاحات فرمائیں۔

آپ کے دور کے فوجی مراکز

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے بڑا مستحکم تھا۔ مفتوحہ علاقوں کو زیر اثر رکھنے' انہیں بغاوت سے روکنے اور مختلف محاذوں پر کمک بہم پہنچانے کے لیے آپ نے جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کی ہوئی تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان سب فوجی مراکز کو قائم رکھا۔ لیکن ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، آرمینیہ اور

دوسرے کئی ایک شہروں میں جو آپ کے عہد خلافت میں زیر نگین ہوئے تھے۔فوجی مراکز قائم کیے اور وہاں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں تا کہ کوئی شخص کسی کے اکسانے پر بغاوت کا علم بلند نہ کر سکے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فوج کا شعبہ انتظامیہ کے تحت ہی ہوتا تھا۔آپ نے اپنے عہد خلافت میں تمام صدر مقامات میں فوج کے شعبہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے مستقل فوجی افروں کے تحت کر دیا۔ایسا کرنے سے بھی فوجی نظام میں ایک خاص قسم کا استحکام پیدا ہوا اور فوج کے افسر بغیر کسی پابندی کے مستقل طور پر فوج کو مستحکم کرنے کے لیے تجاویز سوچنے لگے"۔

تنخواہوں میں اضافہ

اس زمانہ میں چونکہ دولت کی ریل پیل ہو چکی تھی اور مختلف مفتوحہ علاقوں کے مال غنیمت نے بیت المال کو بھر دیا تھا۔لہٰذا جہاں آپ نے عوام الناس پر اس دولت کو تقسیم کیا وہاں اپنے فوجیوں کو بھی اس سے ایک خاص حصہ دیا۔چنانچہ آپ نے اس وظیفہ یا تنخواہ پر جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کی مقرر فرمائی تھی۔ہر سپاہی کے وظیفہ میں ۱۰۰ درہم کا اضافہ فرما دیا، کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہی وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جن کی جانثاری اور جرأت و ہمت سے اگر ایک طرف سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے تو دوسری طرف دولت سمٹ کر اہل اسلام کے قدموں میں آ رہی ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۴۸۔طبری، ج ۳، ص ۲۶۶۔۲۰۵)

نہ صرف یہ کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کی تنخواہوں اور وظیفوں میں سو درہم فی کس کا اضافہ کیا بلکہ ان کی تحسین اور حوصلہ دہی اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف مواقع پر انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا، چنانچہ ایک مرتبہ گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے قطعن بن عوف الہلالی کو کرمان کی مہم پر امیر بنا کر بھیجا۔وہ چار ہزار کی فوج کا ایک دستہ لے کر وہاں گئے۔راستہ میں ایک وادی بہہ رہی تھی جس نے ان کا راستہ روکا۔مہم پر جانا ضروری تھا اور اس وادی سے گزرنا دشوار تر۔لہٰذا امیر لشکر نے کہا جو اس وادی کو عبور کر لے گا اس کو ایک

ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ انعام حاصل کرنے کی اس خواہش پر اہل لشکر نے اس وادی کو عبور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ جو جو آدمی اس کو عبور کر لیتا امیر لشکر قطن بن عوف الہلالی حکم دیتے کہ اس کو ایک ہزار دے دو۔ یہاں تک کہ چار ہزار کے پورے لشکر نے اس وادی کو عبور کر لیا۔ اب کل فوج کا انعام چالیس لاکھ درہم بنا۔ گورنر بصرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اتنی بڑی رقم منظور کرنے سے انکار کر دیا اور یہ معاملہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ بھیجا۔ جناب خلافت ماب رضی اللہ عنہ نے جواب میں گورنر بصرہ کو لکھا:

ان احسبها له ٗ فانه انما اعان المسلمین فی سبیل الله۔

"یہ رقم اسے دے دو۔ کیونکہ اس نے جہاد فی سبیل اللہ میں مسلمانوں کی مدد کی ہے"۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

"اس دن سے اجازت وادی (وادی کے عبور کرنے) کی وجہ سے انعامات کو "جوائز" کے لفظ سے یاد کیا جانے لگا"۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۲۱۵)

فوجی چراگاہیں

موجودہ زمانے کے اسلحہ میں جس طرح فوجی گاڑیاں اور جیپس (Jeeps) نہایت ضروری ہیں اسی طرح اس زمانے میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑوں اور اونٹوں کا ہونا نہایت ضروری تھا۔ لہٰذا گھوڑوں اور اونٹوں کا ہونا نہایت ضروری تھا۔ لہٰذا گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے چراگاہوں کی اشد ضرورت تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مملکت اسلامیہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائیں۔ خود دارالخلافہ مدینہ منورہ کے اطراف ونواح میں متعدد چراگاہیں تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ طیبہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور دس میل چوڑی تھی۔ ایک اور چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ طیبہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھی۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضریہ میں تھی جو ۲۶ مربع میل میں پھیلی ہوتی

تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کی وسعت میں اور اضافہ کیا گیا اور چراگاہ کی سرسبزی اور شادابی کے لیے اس کے قریب چشمے اور تالاب تیار کروائے گئے۔ چنانچہ ضربہ کے مقام پر بنی ضبیہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی زیر نگرانی ایک دوسرا چشمہ تیار کروایا۔ چراگاہ میں جو لوگ کام کرتے تھے یا اس کے منتظم تھے ان کی رہائش کے لیے کوارٹرز اور مکانات تعمیر کیے گئے۔

(خلفائے راشدین۔ ص ۲۴۵)

جب چراگاہوں کی وسعت کا یہ عالم تھا تو اس سے گھوڑوں کی کثرت اور فوج کی تعداد کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ صرف مقام ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ اور گھوڑے پرورش پاتے تھے۔ اب دوسری چراگاہوں میں کس قدر گھوڑے اور اونٹ زیر پرداخت تھے۔ اس کا صحیح اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے اور تواریخ کے رپورٹر اس بارہ میں خاموش ہیں۔

اسلامی بحریہ کی تشکیل کا فیصلہ

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں بہت مستحکم تھا۔ آپ نے ۱۵ھ میں فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کے لیے آپ نے مخترمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جو علم الانساب میں بہت ماہر تھے، بلا کر فرمایا کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصل درج ہو جس میں ان کے اہل و عیال کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی تاکہ یہ لوگ فارغ البلال ہو کر فوجی خدمات سرانجام دے سکیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بری فوج کو اسی ترتیب سے ترقی دی جس ترتیب کے ساتھ خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے ایام خلافت میں بحری فوج بھی مرتب کی جو کہ آپ کا ایک خاص کارنامہ ہے۔ یہ اسلامی بحریہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی تحریک پر وجود میں آئی۔

روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عمر ؓ کے عہد خلافت میں بھی سیدنا معاویہ ؓ نے تحریک پیش کی تھی کہ ہمیں اسلامی بحریہ ترتیب دینی چاہیے تاکہ دشمن کو نہ صرف خشکی پر بلکہ سمندر میں بھی شکست فاش دی جا سکے۔ سیدنا عمر ؓ نے ان کی اس تجویز سے اتفاق نہ فرمایا اور سیدنا عمرو بن العاص ؓ کو جنہیں بحری سفر کا خاصا تجربہ تھا' لکھ بھیجا کہ مجھے سمندر اور اس میں سفر کے بارے تفصیلات لکھ کر بھیجیں کیونکہ میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہے۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ نے سیدنا عمر ؓ کو لکھا:

''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق پر ایک ننھی سی مخلوق اس طرح سوار ہوئی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں اور کوئی شے نظر نہیں آتی۔ اگر وہ رک جائے تو دل پھٹنے لگے ہیں اور اگر حرکت کرے تو دل اڑنے لگتے ہیں۔ ساحل تک پہنچنے کا یقین کم اور شک زیادہ ہوتا ہے اور وہ سمندر میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کیڑا لکڑی پر سوار ہو اور وہ ایک طرف پلٹ جائے تو غرق ہو جائے اور اگر صحیح وسالم ساحل پر پہنچ جائے تو حیران وسراسیمہ ہو جائے۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۶۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸)

اس خط کو پڑھ کر آپ نے سیدنا معاویہ ؓ کو لکھا:

''اس خدا کی قسم جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں مسلمانوں کو سمندر پر کبھی سوار نہیں کروں گا''۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸)

آپ نے سیدنا معاویہ ؓ کو یہ بھی لکھا:

''مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شام کا سمندر دنیا میں سب سے زیادہ طویل ہے اور وہ ہر شام و پگاہ اللہ تعالیٰ سے زمین کو غرق کرنے کا اذان مانگتا ہے۔ لہٰذا میں اس کافر سمندر پر اپنے لشکر کو کس طرح سوار کروں اور بخدا ایک مسلمان مجھے رومی مچھلی سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا اس بات کا آئندہ مجھ سے مطالبہ نہ کرنا۔ میں اس سے قبل بھی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ

اس بات کا ارادہ ترک کر دو اور میں کسی حالت میں بھی اس متلاطم سمندر پر سوار ہونے کا حکم نہیں دے سکتا"۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۶۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کے موصول ہونے کے بعد آپ نے پھر کبھی ان سے اجازت طلب کرنے کی جرأت نہ کی لیکن اس جذبہ کو دل کی گہرائیوں میں چھپائے رکھا کہ جب کبھی مجھے موقع ملا تو میں دشمنان اسلام کی ہلاکت کے لیے اسلامی بحریہ ضرور بناؤں گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے دل میں وہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار ہوئی اور دشمن کو سطح سمندر پر شکست دینے کا جذبہ پھر ہرا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بیم ورجا کی حالت میں جزیرہ قبرص پر بحری حملے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ شرائط کے ساتھ اجازت مرحمت فرما دی۔ آپ نے اجازت ملتے ہی اپنی پوری توجہ بحریہ کی تشکیل کی جانب مرتکز کر دی اور جلد ہی پانچ سو جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا تیار کیا اور جزیرہ قبرص کو فتح فرمایا۔

امیر البحر کا تقرر اور بحریہ بیڑے کے فوائد

گویا اسلامی بحریہ کی تشکیل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک نا قابل فراموش کارنامہ ہے۔ آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر البحر مقرر فرمایا' جنہوں نے پچاس بحری لڑائیاں لڑیں لیکن نہ کوئی ان لڑائیوں میں سمندر میں غرق ہوا اور نہ ہی ہلاک ہوا۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۷)

اہل اسلام نے بحریہ کا مرکز بحر روم کو ٹھہرایا اور اس کے لیے جو بحری فوج تشکیل دی گئی اس میں شامی' افریقی اور اندلسی مسلمان بھی شامل کیے گئے۔ اسلامی بحریہ کی کشتیاں بازنطینیوں کی کشتیوں سے قامت میں زیادہ ضخیم تھیں لیکن رفتار میں کم تھیں۔ پھر ہر جنگی جہاز کا ایک قائد مقرر کیا گیا جسے "مقدم" کہا جاتا ہے۔

(العلم الاسلامیہ۔ ص ۲۴۹، ص ۲۵۴)

اس بحری بیڑے کی وجہ سے سیدنا عثمان ﷛ کے زمانہ میں قبرص کو فتح کیا گیا۔ پھر جزیرہ اردا کو فتح کر کے اس پر اسلامی علم لہرایا گیا۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق اس جزیرہ کو ۵۴ھ میں سیدنا معاویہ ﷛ نے فتح کیا۔

(معجم البلدان، ج۱،ص ۲۰۷)

طبری، ابن اثیر اور بلاذری کا بھی یہی خیال ہے لیکن ابن اعثم الکوفی کا بیان ہے کہ یہ جزیرہ سیدنا عثمان ﷛ کے زمانے میں فتح ہوا۔

(کتاب الفتوح، ج۲،ص ۱۴۶)

جزیرہ روڈس کی فتح

پھر اسی بحری بیڑے کا نتیجہ تھا کہ دور دور کے علاقوں میں مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے اور اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ چنانچہ جزیرہ روڈس بھی سیدنا عثمان ﷛ کے زمانے میں فتح ہوا۔ ابن اعثم الکوفی نے لکھا ہے کہ جزیرہ قبرص کو فتح کرنے کے بعد:

"سیدنا معاویہ ﷛ نے سیدنا عثمان ﷛ کو لکھا کہ سمندر (بحر روم) میں ایک اور جزیرہ ہے جس کا نام روڈس ہے۔ مجھے اس کو بھی فتح کرنے کی اجازت دی جائے۔ سیدنا عثمان ﷛ نے صحابہ کرام ﷛ کی مجلس شوریٰ سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ قبرص کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کیا ہے اور انہیں بحری جنگ کا تجربہ بھی ہو چکا ہے اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ آپ معاویہ ﷛ کو اجازت مرحمت فرمادیں"۔

مجلس شوریٰ کی اس رائے کے پیش نظر سیدنا عثمان ﷛ نے سیدنا معاویہ ﷛ کو لکھا:

"جس چیز کی تم نے اجازت مانگی تھی میں اس کی تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ اب تم حق تعالیٰ سے ڈرنا اور حزم و احتیاط اور دور اندیشی کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا کیونکہ سمندر کا ہول بہت زیادہ ہوتا ہے"۔

(فان هوله عظیم)

"امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس جزیرہ کو فتح کیا"۔

(کتاب الفتوح، ج ۲، ص ۱۲۷)

بحری بیڑے ہی کی وجہ سے ۳۲ھ میں جزیرہ صقایہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ مقلیہ پر حملے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۳۰۰ جنگی جہازوں کا بیڑا استعمال کیا۔ جن میں اس زمانہ کے ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔

(ہسٹری آف دی عربز، ہٹی، ص ۱۶۷)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بحری بیڑے کی وجہ سے رومی سلطنت کے بحری مراکز پر مکمل قبضہ کرلیا اور بحر روم مکمل طور پر مسلمانوں کے جہازوں کا بزیگاہ بن گیا۔ قیصر روم کو اس بحری بیڑے سے اپنے اقتدار کی کشتی ہچکولے کھاتی نظر آنے لگی۔ چنانچہ اس نے بقول ابن اثیر ۶۰۰ بحری جہازوں اور بقول ابن اعظم الکوفی ایک ہزار جہازوں پر مشتمل بحری بیڑا مسلمانوں پر آخری ضرب لگانے کے لیے سواحل شام کی طرف روانہ کیا۔ ادھر گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کرنے کو لکھا اور ساتھ ہی گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے لکھا۔ چنانچہ مصر اور شام کی فوجیں پورے فوجی ساز و سامان سے لیس ہو کر مکہ پہنچیں اور مشترکہ قیادت میں مسلمانوں کا پانچ سو جہازوں پر مشتمل بحری بیڑا قیصر روم کے بیڑے کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور کشت و خون کی ارزانی کی وجہ سے سمندر کا پانی سرخ ہو گیا۔ بازنطینی فوج کی قیادت خود شہنشاہ روم کر رہا تھا جو اس جنگ میں شدید زخمی ہوا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح و نصرت سے نوازا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بحری بیڑے کا قیام ایک خاص کارنامہ تھا جس کے لیے داد تحسین کے مستحق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کی تحریک پر یہ بیڑا تیار کیا گیا اور اس کی وجہ سے نہ صرف کرہ اراضی بلکہ کرہ بحری بھی

مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

آذربائیجان کی فتح

حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں:

آذربائیجان دو فارسی الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک آذر اور دوسرا بائیجان۔ ''آذر'' آگ کو کہتے ہیں اور ''بائیگان'' کے معنی نگاہ دارندہ یعنی حفاظت کرنے والا۔ اس صوبہ میں چونکہ آتش کدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے اس کو آذربائیگان کے نام سے پکارتے تھے جس کو بعد میں عربوں نے معرب کر کے ''آذربائیجان'' کہنا شروع کر دیا۔ یہ ایران کا ایک صوبہ تھا جس کا صدر مقام پہلے ''مراغہ'' تھا پھر کچھ سالوں تک ''اردبیل'' رہا اور آج کل ''تبریز'' ہے۔ اسلامی علمداری میں آنے سے پیشتر یہ صوبہ ۱۶ اضلاع پر مشتمل تھا اور ہر ضلع ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے اضلاع کے نام حسب ذیل ہیں:

''اصفہان' طبرستان' رے' زنجان' قزوین' قم' نہاوند' ہمدان' حلوان' مہرجان' ماسندان' صامغان' دینور' قذق' شہزور اور آذربائیجان''۔

۲۲ھ میں جب سیدنا عمر ؓ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں حذیفہ بن یمان ؓ کے نام ایک خط دیا جس میں انہیں آذربائیجان پر حملہ کرنے کی ہدایات دیں۔ سیدنا حذیفہ ؓ یہ خط ملتے ہی اس کے دارالسلطنت اردبیل پہنچے۔ وہاں کے حکم نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی۔ بالآخر آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدہ پر سیدنا حذیفہ ؓ سے صلح کی جس میں مندرجہ ذیل شرائط رکھیں۔

۱۔ وہاں کے کسی باشندے کو قتل یا قید نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ ان کی عیدوں اور ان کے تہواروں پر انہیں رقص وغیرہ کرنے کی پوری آزادی ہو گی۔

سیدنا حذیفہ ؓ نے ان سب شرائط کو قبول کر لیا اور صلح نامہ لکھا گیا' اس کے بعد انہوں نے موقان اور جیلان پر حملہ کیا اور انہیں بھی فتح کیا۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ پھر سیدنا عمر ؓ نے سیدنا حذیفہ بن الیمان ؓ کو

گورنری کے عہدے سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ سیدنا عتبہ بن فرقد السلمی ﷛ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا وہ جب موصل سے اپنے عہدے کا چارج لینے کے لیے آذربائیجان پہنچے تو دیکھا کہ اہل شہر اس صلح نامے کو توڑ کر برسر پیکار ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان پر فوج کشی کی اور اسے دوبارہ فتح کیا۔

(فتوح البلدان، ص ۳۲۷)

سیدنا عمر ﷛! کی شہادت کے بعد آذربائیجان کے لوگوں نے پھر بغاوت کر دی اور اپنے اس معاہدے کو توڑ دیا جو سیدنا فاروق اعظم ﷛ کی خلافت میں اسلامی لشکر سے ان کا ہوا تھا۔ اس پر سیدنا عثمان ﷛ کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے ولید بن عقبہ ﷛ گورنر کوفہ کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ انہوں نے عبداللہ عوف الاحمسی ﷛ کو چار ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ انہوں نے سب سے پہلے موقان' بیرا کے باشندوں پر لشکر کشی کی اور انہیں تاخت و تاراج کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور بے شمار لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ خود گورنر کوفہ ولید بن عقبہ نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور انہیں اپنے پامال کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۰۔ طبری، ج ۳، ص ۳۰۸)

جب آذربائیجان فتح ہو گیا تو ولید بن عقبہ ﷛ اشعث بن قیس ﷛ کو آذربائیجان کا والی بنا کر خود کوفہ کے آ گئے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد آذربائیجان کے لوگوں نے پھر سرکشی کی اور اپنے سابقہ معاہدے سے پھر گئے۔ اشعث بن قیس ﷛ نے پھر ولید بن عقبہ ﷛ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ انہوں نے کوفہ سے ایک لشکر جرار بھیجا۔ اس لشکر کی مدد سے اشعث نے آذربائیجان کے چپے چپے سے باغیوں کو ڈھونڈھ نکالا اور انہیں بغاوت کی پوری پوری سزا دی۔ اس پر وہاں کے باشندوں نے پھر ویسا ہی صلح کا معاہدہ کر لیا جیسا انہوں نے سیدنا حذیفہ ﷛ اور سیدنا عتبہ بن فرقد ﷛ سے کیا تھا۔ اب اشعث ﷛ نے وہاں عربوں کے اہل عطاء اور اہل دیوان کو آباد کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں۔

(فتح البلدان، ص ۳۳۶)

آذربائیجان کی اس تسخیر کے بعد اشعث بن قیس ﷛ ہی وہاں کے گورنر رہے اور

پھر سیدنا عثمان ؓ کی خلافت کے سارے دور میں انہیں بغاوت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

رے کی فتح

یہ شہر بخارا کے سامنے دریائے جیحون کے کنارے اس طرح واقع ہے کہ دریائے جیحون، بخارا اور رے کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ اس شہر پر لشکرکشی سیدنا عمر ؓ! کے زمانے میں کی گئی۔ سیدنا عمار بن یاسر ؓ وہاں کے گورنر تھے۔ نہاوند کی فتح کے صرف دو ماہ بعد سیدنا عمر ؓ نے سیدنا عمار بن یاسر ؓ کو لکھا کہ عروہ بن زید طائی ؓ کو آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ رے بھیجو اور اس کو فتح کرو۔ جب عروہ بن زید ؓ فوج لے کر وہاں پہنچے تو وہاں ویلم ان کے مقابلے پر اکٹھے ہوئے اور رے کے لوگوں نے ان کی امداد کی گھمسان کی رن پڑا لیکن حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور اہل رے کی طاقت پاش پاش ہو کر رہ گئی۔

رے اس زمانے زرتشتی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ اس میں آتش کدوں کے اردگرد بڑی بڑی عبادت گاہیں تھیں جو ان کے سالانہ میلوں اور تقریبات کے موقع پر زیارت گاہ خاص و عام ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے اس شہر پر حملہ ایرانی تقدس اور زرتشتی دین پر حملہ تھا اور ایرانی تقدس اور دین کی حفاظت اس قوم کا مذہبی فریضہ تھا لہٰذا انہوں نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں کو کسی صورت میں اس شہر قبض نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے علاوہ یہ شہر ایک وسیع تجارتی مرکز بھی تھا جہاں دور دور سے مختلف قسم کا مال آ کر فروخت ہوتا جو اہل شہر کو اپنے منافع سے دولت مند بنا دیتا۔ اس وجہ سے بھی اہل رے چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے اسلامی فوج شہر میں داخل نہ ہو۔ لہٰذا ہر طرف سے فوجیں جمع ہو کر اپنے اس آخری مورچے کو سر ہونے سے بچانا چاہتی تھیں۔

(طبری، ج ۳، ص ۲۳۱)

مسلمانوں نے جبل رے کی دامن میں اپنا پڑاؤ ڈالا۔ شہر کے مدافعین نے مقابلہ کیا لیکن غروب شمس تک اس مٹھ بھیڑ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب رات ہوئی تو زینبی نے نعیم بن مقرن ؓ سے کہا کہ ”دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور آپ کی کم“ آپ میرے ساتھ ایک

سوار دستہ بھیجئے میں ان کو شہر میں ایسے راستے سے داخل کروں گا کہ شہر والوں کو پتہ نہ چل سکے گا۔ آپ ادھر سے ان پر حملہ کر دیجئے جب وہ آپ سے مقابلہ کرنے لگیں گے تو ان کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ نعیم کو زینبی کی یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی منذر بن عمر ؓ کی زیر قیادت ایک سوار دستہ اس کے ساتھ کر دیا جسے زینبی شہر میں ایک خاص راستے سے لے گیا کہ اہل شہر کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ادھر نعیم بن مقرن ؓ نے شہر کے محافظوں کو رات بھر تیروں اور نیزوں میں الجھائے رکھا اور انہیں یہ بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کا وہ دستہ جو ایک خاص راستے سے شہر میں داخل ہوا تھا نمایاں ہو گیا اور شہر میں نعرہ تکبیر بلند کیا جسے سن کر ایرانیوں کو یقین ہو گیا کہ ان کی پشت پر سے حملہ ہو گیا ہے۔ اس حملے سے ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ گھبراہٹ کی حالت میں بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کے سوار دستے نے انہیں تلوار کی باڑ میں رکھ لیا۔ ادھر سے نعیم ؓ شہر میں داخل ہو گئے۔ سیاوخش شکست کھا کر بھاگ گیا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

رے کی فتح سے مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت ہاتھ لگا جو قدر و قیمت میں کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن کے مال غنیمت کے برابر تھا۔ نعیم نے فتح کی خوشخبری کا صحیفہ اور مال غنیمت دربار فاروقی میں بھیج دیا۔ رے کی فتح سے سیدنا عمر ؓ کو بہت خوشی اور مسرت ہوئی کیونکہ اس شہر کی فتح سے مسلمانوں کے لیے اور کئی شہروں کی فتح کے دروازے کھل گئے۔

اہل رے سے جو صلحنامہ سیدنا عمر ؓ کے دور خلافت میں ہوا اس میں اہل رے نے پانچ لاکھ درہم صرف اس غرض کے لیے پیش کیے کہ:

۱۔ اہل شہر میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔
۲۔ کسی کو گرفتار نہ کیا جائے۔
۳۔ اور ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہ کیا جائے۔
۴۔ وہ ہر سال خراج اور جزیہ باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں گے۔

(فتوح البلدان، ص ۳۲۵۔۳۲۶)

پھر سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کے عہد گورنری میں رے کے باشندوں نے بغاوت

کر دی۔ لیکن انہیں پھر ذلیل و مقہور ہو کر اطاعت پر مائل ہونا پڑا اور وہ جزیہ اور خراج دینے پر رضامند ہو گئے۔

۲۴ھ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ جب دوسری مرتبہ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو اہل رے نے پھر علم بغاوت بلند کر دیا' لیکن انہوں نے اس بار انہیں پھر مطیع و منقاد ہونے پر مجبور کر دیا۔

سیدنا عثمان ؓ بن عفان ؓ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو اہل رے نے پھر علم بغاوت و سرکشی بلند کیا۔ امیر المومنین ؓ نے عامل کوفہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ کو خط لکھا کہ وہ قرظہ بن کعب انصاری ؓ کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجیں۔ سیدنا عثمان ؓ نے شائد ان کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ رے کی ایک جنگ میں شرکت کر چکے تھے۔ اس وجہ سے وہاں کے نشیب و فراز سے بخوبی آشنا تھے۔ مسلمان ان کی آئے روز کی بغاوتوں سے تنگ آ چکے تھے' لہٰذا ان کی باغی ذہنیت کو ہمیشہ کے لیے دبانا چاہتے تھے۔ اس وجہ سے سیدنا قرظہ بن کعب انصاری ؓ نے جو ایک جلیل القدر صحابی اور جنگ احد کے شرکاء میں سے تھے' ان کے سرکشوں پر ذرا سختی کی اور سرغنوں اور قائدین کو تو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جس سے ان کی بغاوت اور سرکشی کا جذبہ ہمیشہ کے لیے ان کے دلوں اور ذہنوں سے نکل گیا۔

(فتوح البلدان، ص۳۲۶۔۳۲۷۔ البدایۃ والنہایۃ ج۷، ص۱۵۰)

اسکندریہ کی فتح

اسکندریہ مصر کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے۔ ۳۳۲ھ قبل مسیح میں اسکندر اعظم نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ اسکندر اعظم ۳۲۳ھ قبل مسیح میں مرا اور اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہرقوس تخت نشین ہوا اور ۳۱۷ قبل مسیح میں وہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کی موت کے بعد اسکندری حکومت کا نظام اندرونی خلفشار کی وجہ سے نہایت کمزور ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے اس علاقہ پر بطالسہ نے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کی حکومت ۳۰۵ھ قبل مسیح سے ۳۰ھ قبل مسیح تک رہی اور گیارہ بادشاہ یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آئے۔ ان سب کا لقب ''بطلیموس'' تھا۔ بطلیموس یازدھم کا عہد ۵۱ھ قبل مسیح سے ۴۷ھ قبل مسیح تک تھا، یہ بادشاہ بہت کم سن تھا۔

اس وجہ سے اس کی سلطنت کے اختیارات اس کی شہرہ آفاق بہن ''قلوپطرہ'' کے ہاتھ میں تھے۔ بطلیموس یازدھم کے بعد یہاں رومی برسر اقتدار آگئے جو عہد فاروقی تک اقتدار پر چھائے رہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کا رومی حاکم ''مقوقش'' تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک خط کے ذریعے دعوت اسلام دی۔ اس نے اسلام کی دعوت کو قبول تو نہ کیا' لیکن از راہ عقیدت جناب رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کی خدمت اقدس میں بہت سے تحائف بھیجے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیے۔

امیر المومنین ﷺ سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ کے عہد خلافت میں بھی یہاں کا حکمران مقوقش ہی تھا' لیکن قیصر روم ہرقل کے عہد میں شاہی محل کے کارندوں اور جاہ پسندوں نے اندرون ملک سازشوں کا جال بچھا کر حکومت کی بنیادوں کی نہایت کمزور کر دیا ہوا تھا اور ہرقل کے مرنے کے بعد حکومت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ آئی جو ان سازشوں کا مداوا کرتا اور حکومت کی کھوکھلی بنیادوں کو استوار کرتا۔ غرض رومی سلطنت کی بھی وہی حالت تھی جو یزدگرد کے تخت نشین ہونے سے قبل سلطنت ایران کی تھی اور انہی ریشہ دوانیوں اور افراتفری کے عالم نے انہیں دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں خائب و خاسر کیا۔

اس عظیم الشان شہر کے مشرق و مغرب میں حد نگاہ تک پھیلا ہوا بحیرہ روم اور اس کی بلند بانگ اور بلند آہنگ موجیں انہیں دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ اس کا صاف و شفاف پانی شاہد قدرت کے لیے آئینہ بنا ہوا تھا' اس کی پہاڑ آسا موجوں نے سمندر میں ایک ہلچل سی مچا رکھی تھی۔ ایک موج دوسری موج سے گلے ملتی ہوئی ساحل تک آتی اور چمکدار نرم و نازک ریت سے ٹکرا کر دم توڑ دیتی۔ نگاہیں سمندر کی پہنائیوں سے ہٹ کر جب اس عظیم الشان اور جنت نظارہ شہر کی طرف پلٹتیں تو اس کی خوبصورتیوں اور حیرت زائیوں میں گم ہو کر سمندر اور اس کی دیو قامت موجوں کو گلدستہ طاق نسیان بنا دیتیں۔ شہر کے کوچہ و بازار میں ہر جانب باغ بکھرے پڑے تھے جن کے بلند و بالا درختوں کی چلمن میں سے خوبصورت شاہی محل اور علی شان کلیسا دیکھنے والوں سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ شہر کے بعض حصوں میں ایسے ایسے بلند قلعے اور فصیلیں تھیں کہ ان کے سامنے باقی تمام قلعے اور فصیلیں بے حقیقت نظر آتی تھیں۔ قلعہ بابلیون بھی جس نے ایک بار اہل اسلام کے لشکر کے

بڑھتے ہوئے قدم روک لیے تھے' ان عظیم قلعوں میں سے ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا جو شہر کی استحکام اور دفاع کی زندہ مثال تھے۔ ان عظیم قلعوں اور فصیلوں نے اپنی بلند قامتی کی وجہ سے شہر کی خوبصورت عمارتوں کو چھپا رکھا تھا اور آنکھیں ان کے صرف بالائی حصوں ہی کو دیکھ سکتی تھیں جو منقش گنبدوں اور خوش وضع ستونوں سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ ان گنبدوں کے درمیان کچھ ایسے مینار بھی فضا میں نڈر اور بہادر سپاہی کی طرح سینہ تانے کھڑے تھے جن کی بلندیاں عین شمس کے میناروں کو شرماتی تھیں۔ ان میناروں کے جھرمٹ میں ''کلیسائے سان مارک'' تھا جسے منقش طلمسان نے چاروں طرف سے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا۔ یہ کلیسا فن تعمیر کا ایک شاہکار تھا جس پر ماہر انجینئر نے حسن و جمال کے تمام رنگ بھر دیے تھے۔ شہر کے دوسرے حصے میں ''سراپیوم'' کا معبد اور اس کی طلائی چھت اور دقلایانوس کا بلند قامت مینار جھانکتا دکھائی دیتا تھا جو معبد اور اس کے نواح کی حفاظت کے لیے ایک عسکری کا کام دے رہا تھا۔

اسلامی لشکر کی نگاہیں ان عجائبات' عمارتوں' مورتیوں' معبدوں' کلیسائیوں' قلعوں اور فصیلوں پر تیر رہی تھیں اور وہ حیرت و استعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے کیونکہ اتنا خوبصورت شہر انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا' لیکن کیا اس شہر کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اللہ والوں کی یہ فوج اس کو مسخر اور مفتوح کیے بغیر ویسے ہی چھوڑ دے گی؟ نہیں ہر گز نہیں' فصیلیں اور قلعے خواہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں اسلامی لشکر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو وہ ہرگز نہیں روک سکتے تھے اور نہ یہ فوج کسی شہر کے باغات' روشوں' میناروں' کلیسائیوں' گنبدوں اور عمارتوں سے متاثر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ سے غافل ہو سکتی تھیں۔

مختصر یہ کہ دور فاروقی رضی اللہ عنہ میں حضرت عمرو بن العاص نے اسے فتح کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسکندریہ پر نئے گورنر کی تقرری

خلافت فاروقی کا پورا دور اہل اسکندریہ نے امن وامان سے گزارا اور کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی، اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ برابر وہاں کے گورنر رہے۔ لیکن جب زمام

خلافت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مصریوں کے دلوں پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور ان کی موجودگی میں وہ وہاں کچھ نہیں کر سکتے تھے' لیکن جب ان کو وہاں سے ہٹا کر ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا گیا تو مصریوں نے ان کے آتے ہی نقض عہدہ کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ مصر اور اسکندریہ میں جو رومی عیسائی رہتے تھے وہ مسلمانوں کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان سے جو حکومت چھینی تھی اس کا انہیں بہت دکھ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی قوت کو مجتمع کر کے مسلمانوں سے حکومت واپس لی جائے وہ ابھی تک اپنے آپ کو ہرقل کے ماتحت ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے درپردہ ہرقل سے خط و کتابت کی اور اس سے امداد طلب کی اور یہ بھی بتایا کہ زیادہ امداد کی بھی ضرورت نہیں' اس وجہ سے کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور ہم ان پر جلد ہی قابو پالیں گے اور ساتھ ہی اپنی ذلت کا تذکرہ بھی کیا اور بتایا کہ ایک زمانہ میں ہماری حکومت تھی اور اب ہم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ہمیں جزیہ اور خراج دینا پڑتا ہے۔

ہرقل نے جب یہ ساری باتیں پڑھیں تو وہ جذبات میں آ گیا اور مصمم ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کو سرزمین مصر سے نکال کر دم لے گا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ایک بااعتماد' تجربہ کار اور نامور سپہ سالار منویل کو تین سو جہازوں کے ساتھ بھیجا۔ اس لشکر میں اس نے چیدہ چیدہ اور تجربہ کار قسم کے سپاہی بھیجے تاکہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کی ذلت نہ اٹھانی پڑے۔

رومی فوجوں سے بھرے ہوئے تین سو بحری جہاز منویل کی سرکردگی میں جب اسکندریہ کے ساحل پر پہنچے تو آتے ہی انہوں نے محافظ فوجی چوکی پر حملہ کر دیا اور جو جو مسلمان سپاہی ان کے ہاتھ لگا اس کو اپنی تلواروں سے شہید کر دیا صرف وہ سپاہی بچے جنہوں نے بھاگ کر یا چھپ کر اپنے کو ان کی تیغ ستم کی دست برد سے محفوظ کر لیا۔ فوجی محافظ چوکی کے سپاہیوں کو یہ تیغ کرنے کے بعد انہوں نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اور اسکندریہ کے اردگرد کے دیہات اور مضافات میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور نہ

صرف مسلمانوں کو اپنی تیغ ستم کا نشانہ بنایا بلکہ اسکندریہ اور اس کے مضافات کا شاید ہی کوئی باشندہ ان کی ظلم رانی سے بچا ہو۔ اسکندریہ میں اسلامی فوج چونکہ بہت ہی کم تھی اس وجہ سے کوئی ان کے ظلم و تعدی کے ہاتھ کو نہ روک سکا اور وہ چند روز تک اپنی من مانی کارروائیاں کرتے رہے۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ کا اسکندریہ پر حملہ

رومیوں کی ان ظلم رانیوں کی اطلاع گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ کو ملی تو انہوں نے نہایت عجلت سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور اسکندریہ جانے کا ارادہ کیا۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ مصر کی گورنری سے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ معزول ہوئے تھے اور ابھی مصر ہی میں موجود تھے۔ اس لیے اہل مصر نے سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو عرضداشت بھیجی کہ سیدنا عمرو بن العاص ؓ سابق گورنر مصر کو تھوڑی مدت کے لیے اپنے عہدہ پر بحال کیا جائے تاکہ وہ رومیوں کی سرکوبی کر کے اسکندریہ کی بغاوت کو فرو کر سکیں، کیونکہ وہ یہاں کی جنگ کے طریقوں سے بخوبی واقف اور یہاں کے ہر شہر کے نشیب و فراز سے اچھی طرح آشنا ہیں اور دشمنان دین خصوصی طور پر رومیوں کے دلوں پر ان کا رعب اور ہیبت چھائی ہوئی ہے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ؓ بن عفان ؓ نے ان کی اس عرضداشت کو قبول فرماتے ہوئے سیدنا عمرو بن العاص ؓ کو لکھ بھیجا کہ وہ عارضی طور پر مصر ہی میں رہیں اور باغی رومیوں کی اچھے طریقے سے سرکوبی کریں۔ سیدنا عمرو ابن العاص ؓ نے جو کچھ کیا تھا ناموری اور دنیاوی وجاہت کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کیا تھا۔ وہ گورنر مصر ہوں یا معمولی سپاہی ہر حال میں وہ اسلام کی خدمت کا داعیہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ خالد بن ولید ؓ جب سپہ سالار تھے تب بھی اسلام کی خدمت میں وہ مشغول تھے اور جب سیدنا عمر ؓ نے انہیں اس منصب جلیلہ سے ہٹا دیا پھر بھی وہ اشاعت اسلام اور جہاد دینی میں مصروف رہے۔ ایسے ہی سیدنا عمرو ابن العاص ؓ کو جب امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ کا پیغام پہنچا، بغیر کچھ پس و پیش کیے فوراً ۱۵ ہزار کا لشکر لے کر اسکندریہ روانہ ہو گئے۔

اسکندریہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ رومی فوج نے اسکندریہ اور مضافات میں دھما چوکڑی مچا رکھی ہے اور شہریوں کی جان' مال اور عزت بالکل محفوظ نہیں بلکہ ہر طرف انارکی کا دور دورہ ہے۔ شہریوں پر ظلم و تشدد کی بارش ہو رہی ہے اور لوگوں کے گھروں کو نذر آتش کیا جا رہا ہے۔ آپ نے مضافات اسکندریہ میں رومیوں کا مقابلہ کیا۔ رومیوں نے بھی جوابی کارروائی کی' لیکن منہ کی کھانی پڑی آخر مضافات میں سے دم دبا کر بھاگے اور اسکندریہ میں آ کر قلعہ بند ہو گئے۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رومیوں کا تعاقب کیا اور جب وہ اسکندریہ میں قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں نے اسکندریہ میں ہر جگہ عرادے نصب کر لیے (عرادہ منجنیق کی طرح کا ایک ہتھیار ہوتا ہے جس سے دشمن پر سنگباری کی جاتی ہے لیکن یہ منجنیق سے چھوٹا ہوتا ہے) شہر کے رومی باشندے بھی رومی فوج کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے قبل علی بھی اسکندریہ کا چودہ مہینے تک محاصرہ کیا تھا۔ اس وجہ سے وہ یہاں کے ہر جنگی نشیب و فراز سے آشنا تھے۔ اس دفعہ انہوں نے محاصرے کو طول نہ دیا۔ رومیوں نے فصیل سے عرادوں کے ذریعہ سنگباری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے جواب میں منجنیق لگا کر شہر اور قلعہ کی فصیل پر اس زور سے سنگ اندازی کی کہ وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ کر پھاٹک بن گئی۔ شہر اور قلعہ کی فصیل کا ٹوٹنا تھا کہ لشکر اسلام شہر میں داخل ہو گیا اب قلعہ اور شہر کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ لیکن جو قوم اللہ کے راستے میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر نکلی ہو اس کو دنیا میں کون شکست دے سکتا ہے۔ مسلمان فتح مند اور کامیاب ہوئے اور سپہ سالار منویل مارا گیا اور اس کے سپاہی کھیت رہے اور شہر پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

شہر کی دوبارہ فتح کے بعد شہر کے باشندوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ عرضداشت دی کہ چونکہ ہم لوگ ذمی تھے اور ہماری ہر چیز کی حفاظت اور نگہداشت آپ کے ذمہ تھی۔ رومیوں نے ہمارا مال و اسباب اور ہماری سب قیمتی چیزیں چھین لی ہیں لہٰذا وہ ہمیں واپس دلائی جائیں۔ ان کا یہ مطالبہ بالکل جائز تھا اور اسلام ذمیوں کے حقوق اور مال و

اسباب کی پوری ذمہ داری لیتا ہے اس وجہ سے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کے باشندوں کی اس عرضداشت کو قبول کر لیا اور دشمن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا آپ نے حکم فرمایا کہ اس میں سے اپنا اپنا مال واسباب پہچان کر لے جائیں اور اگر کسی پر شک پڑتا تو اس سے باقاعدہ شہادت لی جاتی کہ جو کچھ وہ لے جا رہا ہے وہ واقعی اس کا ہے جن لوگوں کا مال واسباب نہ ملا انہیں حکومت کے بیت المال سے پورا کیا گیا۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی دوبارہ فتح کے بعد سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ مصر کے دفاع کا محکمہ اپنے پاس رکھیں اور عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مالیات پر مقرر فرما دیں اور اس طرح وہ مصر ہی میں اقامت پذیر رہیں لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو منظور نہ کیا اور واپس مدینہ طیبہ آ گئے۔

(مقریزی، ج ۱، ص ۲۶۳۔۲۶۷۔ ابن خلدون، ج ۲، ص ۵۲۶۔ فتوح البلدان، ص ۲۳۱)

افریقہ کی فتح

افریقہ ویسے تو ایک بہت بڑا ملک ہے جس میں کئی ممالک شامل ہیں' لیکن عربی تواریخ میں جہاں کہیں بھی افریقہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ علاقہ ہے جس میں تیونس' الجزائر اور مراکش آباد ہیں اور بقول ابوعبید بکر اندلسی افریقہ کا طول شرقاً غرباً برقہ سے طنجہ تک اور عرض سمندر سے کوہ ہائے سوڈان تک ہے۔

سیدنا عمرو بن العاص کی فتوحات کا سیلاب مصر و اسکندریہ پر بھی نہ رکا بلکہ انہوں نے آگے بڑھ کر برقہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق برقہ کا علاقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان واقع ہے۔ یہ ایک نہایت زرخیز اور آباد رقبہ زمین تھا۔ زمین کی زرخیزی اور پیداوار کی کثرت کی وجہ سے برقہ کی آبادی نہایت مرفہ حال تھی۔ برقہ کا علاقہ متعدد شہروں پر مشتمل تھا۔ اطابلس یہاں کا سب سے بڑا شہر تھا۔

برقہ کے لوگ حکومت مصر کے باجگزار تھے۔ ۲۱ھ میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے برقہ کے علاقہ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے لوگ مرفہ حال ہونے کی وجہ سے بزدل اور بزدل

ہونے کی وجہ سے نہایت نرم خواور اطاعت شعار تھے۔بدیں وجہ سے کسی مزاحمت کے بغیر انہوں نے جزیہ قبول کرلیا اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پرانہوں نے مسلمانوں سے صلح کرلی۔

سیدنا عمرو بن العاص ؓ کی معزولی

سیدنا عمرو بن العاص ؓ کو مصر کی گورنری سے کیوں معزول کیا گیا؟ اس کے بارے میں مورخین نے بڑی بے بنیاد روایات نقل کی ہیں جنہیں عقل سلیم باور کرنے سے قاصر ہے۔بعض روایات میں ہے کہ دراصل سیدنا عمرو بن العاص ؓ کے تعلقات سیدنا عمر ؓ کے دور خلاف ہی سے مرکز سے ہو گئے تھے جب کہ سیدنا عمر ؓ نے انہیں لکھا کہ تم نے خود ہی مجھے یہ لکھا تھا کہ:

"مصر ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ ہے،اس کا طول ایک مہینے اور عرض دس مہینے کی مسافت ہے اس کے وسط میں دریائے نیل بہتا ہے جس کا خرام سحری مبارک اور روانئی شب مسعود،اس کا بہاؤ کبھی تیز ہوتا ہے اور کبھی ست جیسے آفتاب و ماہتاب کی رفتار۔مخصوص اوقات میں اس کی لہریں اتنی سفید اور شیریں ہو جاتی ہیں کہ دودھ کی دھاریں معلوم ہونے لگتی ہیں اور مکھیاں ان پر بھنبھناتی ہیں۔زمین کے چشمے اور تیز رو نالے جب اس میں طغیانی پیدا کرتے ہیں تو وہ چنگھاڑنے لگتا ہے اور جب اس کی موجیں بلند ہو کر کنارے کو پھاند جاتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے سوا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ناممکن ہو جاتا ہے،اور وہ کشتیاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بادلوں میں جنہیں ڈھلتے دن کی چاندنی کہیے' تیر رہی ہیں۔جب اس کی طغیانی شباب کو پہنچ جاتی ہے تو وہ جس شان سے چڑھا تھا اسی شان سے الٹے پاؤں اتر جاتا ہے۔اس وقت لوگ نکلتے ہیں اور زمین گود کر اس میں دانہ ڈالتے ہیں اور پروردگار سے اس کے پھلنے پھولنے کے امیدوار ہوتے ہیں جو لوگ محنت نہیں کرتے وہ بھی بغیر کسی جدو جہد کے اس سے پھل پاتے ہیں جب دانہ پھوٹتا ہے تو مٹی

اسے پلاتی پلاتی اور زمین اسے غذا بہم پہنچاتی ہے اس وقت امیر المومنین ؓ مصر کی زمین رنگ برنگ کے چولے بدلتی ہے ابھی چمکتا موتی ہے تو ابھی عنبر اشہب، ابھی زمرد سبز ہے تو ابھی گندمی چہرہ۔ پاک ہے وہ خالق کائنات جس نے مصر کو ان نعمتوں سے نوازا اور رونق آبادی سے امتیاز بخشا۔ یہاں کا خراج وقت معینہ سے پہلے وصول نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں کی آمدنی کا تہائی حصہ نہروں اور پلوں کے کام میں صرف ہوتا ہے۔ جب یہاں کے حالات استحکام پذیر ہو جائیں گے تو آمدنی مزید بڑھ جائے گی۔ ابتداء اور انتہا میں حق سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والے ہیں۔ اگر مصر کا واقعی یہی حال ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو توم مرکز کو جو اس کا خراج اور جزیہ بھیجتے ہو وہ بہت کم ہے یہاں تک کہ رومیوں اور فراعنہ کے زمانہ سے بھی بہت کم ہے۔

معزولی کے اسباب اور وجوہات

یہ ذہن میں رہے کہ رومی عہد میں ۲ کروڑ' عہد فراعنہ میں ۹ کروڑ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں ۷ کروڑ، ۳۰ لاکھ دینار خراج وصول کیا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنا خراج مدینہ طیبہ بھیجا جاتا تھا۔ اس میں مختلف روایات ہیں۔ علامہ بلاذریؒ ۲۰ لاکھ دینار اور مقریزیؒ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ دینار بتاتے ہیں۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جواب میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مطمئن نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں بڑی ترش و تند خط و کتابت ہوئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس دوران میں ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ اس لیے وہ اپنے اس عزم کو بروئے کار نہ لا سکے۔ بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں ان سے یہی مطالبہ کیا کہ مصر کا خراج بڑھایا جائے' لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی'' اس جواب پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مالیات کا عہدہ ان سے نکال کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی

سرح ﷺ کو دے دیا جس کو سیدنا عمرو بن العاص ﷺ نے پسند نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف امیر المومنین ﷺ کو شکایتیں بھیجنے لگے۔ کبھی عبداللہ ﷺ شکایت کرتے کہ عمرو ﷺ مالیات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں اور کبھی عمرو ﷺ لکھتے کہ عبداللہ جنگی تدابیر میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ (ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۵۳)

تاریخی روایات کا تحقیقی تجزیہ

اس قسم کی روایات جہاں تک ہم سمجھتے ہیں' وضع کی گئی ہیں۔ خراج کی زیادتی کا مطالبہ نہ تو سیدنا عثمان ﷺ نے کیا اور نہ ہی سیدنا عمر ﷺ نے اور نہ ہی یہ حضرات ایسا مطالبہ کر سکتے تھے۔ اسلام میں فتوحات کا مقصد وہ نہیں ہے جو عام بادشاہوں کا مقصد ہوتا ہے کہ خزانہ کی آمدنی میں خواہی نخواہی اضافہ کیا جائے۔ اسلام تو لوگوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرانے اور اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لیے آیا تھا، اپنے نظام مالیات میں اضافے کے لیے نہیں آیا۔

سیدنا عمر ﷺ کی تو یہ دلی خواہش تھی کہ میرا ہر زیر اثر علاقہ مرفہ حال ہو۔ وہ یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ کسی علاقے کی دولت کھینچ کر مدینہ طیبہ میں جمع کر دی جائے' چنانچہ آپ کی پالیسی یہ تھی کہ ہر علاقے کی آمدنی زیادہ تر وہیں خرچ ہو۔

سیدنا عمر ﷺ اور سیدنا عثمان ﷺ نے مدینہ طیبہ میں کوئی بڑے بڑے پراجیکٹ نہیں شروع کیے ہوئے تھے جن کی تکمیل کے لیے انہیں زیادہ سے زیادہ روپے کی ضرورت تھی۔ مدینہ میں پہلے ہی کسریٰ ایران کا مال غنیمت ۲۲ کھرب روپیہ آچکا تھا۔ سیدنا عمر ﷺ تو اس کو ہی دیکھ کر رنجیدہ اور پریشان حال تھے کہ اسی دولت کی وجہ سے وہ قومیں مغلوب و مقہور ہوئیں اور یہی دولت آج ہم میں اس قدر بہتات کے ساتھ آ رہی ہے' پھر انہیں جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی یاد تھا:

"مجھے تمہاری غریبی کا ڈر نہیں بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر اسی طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی۔ پس تم دنیا میں منہمک ہو جاؤ گے جس طرح کہ وہ اس میں منہمک ہو گئے اور یہ تم

کو ہلاکت میں ڈال دے گی جس طرح ان کو ہلاکت میں ڈال دیا''۔

(مشکوٰۃ المصابیح مع التعلیق الصبیح، ج ۶، ص ۱۱)

طبری نے اپنی تاریخ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وہ کسی کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۲)

عمرو بن العاص ہمیشہ مطیع رہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں کسی کو کوئی گلہ یا شکایت تھی یا مرکز خلافت کے پیش نظر کوئی مصلحت تھی جس کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کو وہاں کی گورنری سے معزول فرما دیا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ اپنی اس معزولی پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کوئی شکوہ بھی نہیں کیا اور نہ ہی برا منایا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی اسٹیٹ کو جب کبھی ان کی خدمات کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔

اسکندریہ کی بغاوت کے وقت جو ۲۵ھ میں ہوئی اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں کے گورنر نہیں تھے اور مصر ہی میں مقیم تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ اس بغاوت کو فرو کریں۔ انہوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور دل میں کوئی ملال اور رنجش لائے بغیر اس بغاوت کو بڑی کامیابی کے ساتھ فرو کیا اور پھر واپس آ گئے۔ اپنے محاصرے کے ایام میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کئی بار مشورہ کیا اور انہوں نے ہمیشہ خیر خواہی سے مشورہ دیا اور کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ نے تو مجھے مصر کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔ اب اس آڑے وقت میں مجھ سے کیوں مشورہ لیتے ہیں؟ مزید برآں وہ آپ کی مجلس شوریٰ کے بھی ممبر تھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے مورخین اور خصوصی طور پر آج کل کے نام نہاد مورخین اور منکرین اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے زمانہ کے کارکنان حکومت کیت رازو میں تولتے اور پیمانہ سے ناپتے ہیں جن کا ہر فعل اور عمل طمع اور لالچ پر مبنی ہوتا ہے' لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم

کوئی کام طمع اور لالچ سے نہیں کرتے تھے۔ وہ اخلاص وللہیت کے پتلے تھے اور ان کا ہر کام اللہ اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے ہوتا تھا۔ وہ چھوٹے منصب پر ہوں یا بڑے سے بڑے عہدے پر ان کا مقصود زندگی صرف اسلام کی خدمت ہوتا تھا بلکہ جتنا بڑا عہدہ یا منصب ان کے پاس ہوتا تھا اتنا ہی وہ اخلاص سے کام لیتے اور اپنی ......کو درمیان میں نہ آنے دیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دور خلافت میں پھر مصر کی گورنری کا عہدہ پیش کیا تو آپ نے بخوشی قبول کر لیا اور پہلے کی طرح نہایت حکمت و دانش مندی سے وہاں کا انتظام و انصرام کیا تو ساری زندگی وہیں گزار دی' یہاں تک کہ آپ کا انتقال بھی ۵۱ھ وہیں ہوا۔ (افسوس کہ آج ان کی قبر کا مصر میں کہیں نشان نہیں ملتا' شاید فاطمیوں نے ان کی قبر کا نام و نشان مٹا دیا ہے)۔ واللہ اعلم۔

معزولی کی وجوہات کا ایک اور تجزیاتی جائزہ

حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں:

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جن وجوہات کی بناء پر گورنری کے عہدہ سے معزول کیا گیا، تاریخ کے رپورٹر اس کو بھی بیان کرتے ہیں اور وہ وہ وجوہات نہیں ہیں جن کو آج کل کے مورخ اور مفکرین اسلام زیب داستان کے لیے بیان کرتے ہیں وہ وجوہات کیا تھیں ان کو سمجھنے کے لیے درج ذیل مقدمات ذہن میں رکھے جانے ضروری ہیں۔

۱۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر کو فتح کیا تو اس فوج میں میمنہ کے افسر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے۔

(الاستیعاب، ج ۲، ص ۳۷۶۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۱۷)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب منصب خلافت پر متمکن ہوئے اس وقت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے۔ آپ نے ان کو اپنے منصب پر بحال رکھا اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو فوج کا امیر مقرر فرمایا' کیونکہ مصر کی فتح اور وہاں کئی ایک جنگوں میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے تھے۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۲)

۲۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی فتح کے لیے روانہ فرمایا جہاں انہوں نے غیر معمولی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

افریقہ کی فتح کے بعد انہوں نے سیدنا عبداللہ بن نافع بن عبدقیس رضی اللہ عنہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود مصر واپس تشریف لے آئے۔

۳۔ افریقہ کی فتح بازنطینی سلطنت کے لیے ایک تازیانہ تھی اور ہر وقت اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں قیصر بحری بیڑہ حرکت میں آ کر مسلمانوں کی سلطنت پر حملہ نہ کر دے اور بحری جنگ کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ایک بحری بیڑہ وہاں موجود ہو جو ہر وقت دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار ہو۔

۴۔ اب سوال یہ تھا کہ اس بیڑے کے مصارف مرکز برداشت کرے یا حکومت مصر۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حکومت مصر کو یہ مصارف برداشت کرنا چاہیں، لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ مرکز اس کے مصارف برداشت کرے۔ یہ تھا ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کا نقطہ اختلاف۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے پاس دلائل تھے کہ یہ اخراجات جائز طور پر اور سہولت کے ساتھ مصر سے وصول ہو سکتے ہیں۔ لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر سے یہ مصارف وصول کرنے کے خلاف تھے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے دربار خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی' ایک نے لکھا کہ میری جنگی ضرورتوں کو صحیح طور پر پورا نہیں کیا جا رہا لہٰذا میں مزید اقدام نہیں کر سکتا اور دوسرے نے شکایت کی کہ میرے مالی نظام میں رخنہ اندازی کی جا رہی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی شکایات' دلائل اور حالات کا بغور جائزہ لیا اور وہ سیدنا عبداللہ بن سعاد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئے کہ مصر کی آمدنی میں باسہولت اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے استعفیٰ طلب کر لیا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو گورنر مصر مقرر فرما دیا۔

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے گورنر بنتے ہی اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ مصر کی آمدنی جو بیس لاکھ سالانہ تھی اگلے ہی سال ۴۰ لاکھ ہو گئی۔

معزولی کی ایک اور وجہ

علماء سیر نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کی ایک وجہ اور بھی لکھی ہے' ۲۵ھ میں اسکندریہ کے لوگوں کی ایک حرکت کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی قرار دیتے ہوئے ان پر چڑھائی کر دی۔ فتح کے بعد آپ نے وہاں کے بالغ مردوں کو قتل کرا دیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ سیدنا عثمان کے پاس جب ان کا معاملہ پہنچا تو آپ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو رہا کر دیا جائے کیونکہ:

لم یصحح عندہ نقضھم

''ان کے نزدیک یہ عہد شکنی صحیح نہیں تھی''۔

چنانچہ آپ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدہ سے معزول کر کے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو گورنر مصر مقرر فرما دیا''۔

(الاستیعاب، ج۲، ص۳۷۷)

بہر حال وجوہات کچھ بھی ہوں جن کی وجہ سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ ان سے ہمیں کوئی خاص بحث نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ وجوہات نہیں تھیں جن کو آج کل کے مورخین نے ایک دوسرے کی تقلید میں لکھ دیا ہے۔ اس بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہتر سمجھتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو معزول کرنے کے بعد انہوں نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں افریقہ فتح کروایا۔ یہ ان کی قابلیت کی روشن دلیل ہے۔

افریقہ کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بصرہ فتح کرنے کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب کو لکھا کہ مجھے افریقہ کے دوسرے علاقے فتح کرنے کی اجازت دی جائے' لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ کہہ کر پیش قدمی سے منع کر دیا کہ:

''وہ افریقہ نہیں بلکہ مفرقہ ہے۔ دوسروں سے بے وفائی کرتا ہے اور دوسرے اس سے بے وفائی کرتے ہیں''۔

(فتوح البلدان، ص۲۳۴)

یہ بات اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کے مشورے سے لکھی تب تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علم میں ہوگی کیونکہ آپ فاروقی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے اور اگر بغیر مشورہ کے لکھی تب بھی ضرور آپ کے علم میں ہوگی۔ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے پہلے کچھ اس بارہ میں توقف کیا۔ پھر اولوالعزمی اور بلند ہمتی سے کام لے کر اور خطرات سے بے پروا اور بے نیاز ہو کر آپ نے گورنر مصر و طرابلس الغرب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ افریقہ کی طرف پیش قدمی کی جائے اور اس کے علاقوں کو اسلامی تعلیم سے روشناس کیا جائے' کیونکہ آپ کی یہ بہت بڑی خواہش تھی کہ وہ وسطی ایشیاء کی طرح براعظم افریقہ بھی اسلامی تعلیم و تمدن سے آراستہ و پیراستہ ہو اور وہاں بھی اسلام کا نور چمکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تحقیق

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو گورنر مصر بنانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں سمجھتے تھے اور ان کا گمان بلکہ یقین تھا کہ وہ افریقہ کو ان سے زیادہ اچھے اور آسان طریقے سے فتح کریں گے۔

(ازالۃ الخفاء، ج۱، ص۱۵۴)

عبداللہ بن سعد کی امداد کیلئے لشکر کی روانگی

ادھر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو فتح افریقہ کا حکم دیا گیا' ادھر ان کی امداد کے لیے ایک لشکر جرار بھیجا گیا جس میں معبد بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حارث بن الحکم، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا مسور بن مخرمہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ! (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھتیجے) سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص ط، سیدنا بسر بن ارطا اور سیدنا ابوذ ویب خویلد بن خالد رضی اللہ عنہ وغیرہ ہم بھی شامل تھے۔ علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے:

وخرج فی حزہ الغزوۃ ممن حول المدینة من العرب خلق کثیر۔

''اس جنگ میں مدینہ طیبہ کے اردگرد کے عربوں کی ایک کثیر تعداد نکلی''۔

(فتوح البلدان، ص ۲۳۴۔ ابن خلدون، ج ۲، ص ۱۰۰۳)

طبری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو جہاد افریقہ پر جانے کی ترغیب دی تو اس جنگ میں جانے کے لیے قریش، انصار اور مہاجرین کے دس ہزار افراد نکلے۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۴)

غرض یہ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتح افریقہ کے لیے خاص اہتمام فرمایا اور جلیل القدر لوگوں کو اس میں شریک ہونے کو کہا اور وہ شریک بھی ہوئے جن میں سابق گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(فتوح البلدان، ص ۲۳۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو بعض روایات میں آتا ہے کہ:

لما نزع عثمان رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص عن مصر غضب عمرو غضباً شدیداً وحقد علی عثمان۔

''جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے معزول کیا تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر بڑے غضب ناک ہوئے اور ان سے کینہ اور بغض رکھنے لگے''۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۴)

یہ سب روایات غلط ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کبھی اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جہاد افریقہ میں نہ جانے دیتے۔

افریقہ کے حالات کا جائزہ

اس زمانے میں افریقہ کا فرمانروا جرجیر نامی ایک شخص تھا اس کی حکومت کی حدود

طرابلس سے طنجہ تک تھیں۔ یہ مصر کے بادشاہ مقتش کی طرح رومی شہنشاہ ہرقل کا باجگزار تھا۔ مسلمانوں نے جب مصر پر قبضہ کرلیا اور افریقہ کا کچھ حصہ بھی انہوں نے فتح کرلیا تو وہ صبح و شام یہی منصوبے سوچتا رہتا کہ کس طرح مسلمانوں کو مصر سے نکالا جا سکے۔

یہ منصوبے دراصل اس کے اپنے نہ تھے بلکہ ہرقل رومی کے تھے کیونکہ وہ خود تو ہر محاذ پر مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا، اب وہ اپنے باجگزاروں کی معرفت مسلمانوں کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ اسکندریہ کی بغاوت بھی اسی وجہ سے ہوئی تھی اور یہاں جرجیر بھی اسی کے کہنے پر مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ گویا یہ کٹھ پتلی تھا اور پیچھے ہاتھ ہرقل کا کام کررہا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار بھی تیار کرلیا جس میں زیادہ تعداد رومیوں اور بربروں کی تھی۔

ادھر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حکم سے افریقہ کو زیر نگین کرنے کے لیے کوچ فرمایا۔ ادھر اس نے اپنی جنگی تیاریوں میں ہرقل کی امداد سے مزید اضافہ شروع کردیا۔ فوج کو جدید قسم کا اسلحہ مہیا کیا گیا۔ انہیں صلیب کی قسم دی گئی کہ وہ میدان جنگ سے کسی صورت میں نہیں بھاگیں گے اور اپنی مادر وطن کا ہر ممکن دفاع کریں گے۔ انہیں اشتعال اور ترغیب سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ ساری دنیا میں اگر ان کا کوئی دشمن ہے تو وہ صرف اور صرف مسلمان ہیں جن کا قلع قمع کرنا ان کا اولین فرض ہے۔ یہ لوگ نہ صرف تمہارے وطن کے دشمن ہیں بلکہ تمہارے دین کے بھی تباہ کنندہ ہیں۔ لہٰذا اپنے خداوند یسوع مسیح اور والدہ مریم کی عزت وناموس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے اور اس وقت دین مسیحی کو تمہاری اشد ضرورت ہے۔ صلیب ٹوٹ رہی ہے اور تثلیث مٹ رہی ہے اور تمہارا شہنشاہ ہرقل اعظم ان کی تخریب کاریوں سے تنگ آ کر قسطنطنیہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ تمام مسیحی دنیا کی دُعائیں تمہارے ساتھ ہیں بلکہ خود خداوند خدا تمہاری فتح ونصرت کے لیے دست بدعا ہے۔ غرض یہ کہ ہر طریق سے انہیں مسلمانوں کے خلاف مشتعل اور برانگیختہ کیا گیا اور وہی سماں پیدا کیا گیا جو یرموک میں رومیوں نے اور قادسیہ میں ایرانیوں نے پیدا کیا تھا۔

جرجیر کا قبول اسلام سے انکار

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر افریقہ کی طرف روانہ ہوئے جب یہ لشکر افریقہ کے دارالحکومت سبیطہ کے قریب پہنچا تو جرجیر بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ سبیطہ سے باہر نکلا اور سبیطہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر اسلامی لشکر کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ جب اسلامی لشکر بھی وہاں پہنچ گیا تو مسلمانوں نے اپنے دستور کے مطابق پہلے جرجیر کو دعوت اسلام دی لیکن جرجیر نے قبول اسلام سے صاف انکار کر دیا۔

پھر یہ کہا گیا کہ اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے تو ہماری حکومت الٰہیہ کو جزیہ دو لیکن جرجیر جس نے ہرقل کا باجگذار بننا پسند کیا ہوا تھا، مسلمانوں کا خراج دہندہ بننا پسند نہ کیا اور صاف انکار کر دیا کہ میں کسی صورت بھی تم لوگوں کو جزیہ نہیں دوں گا۔

اب اہل اسلام کے پاس صرف تیسری صورت رہ گئی اور وہ جنگ تھی۔ لہٰذا سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم نہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہو اور نہ جزیہ دینے پر رضامند ہوتے ہو تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جرجیر نے کہا ''میں تیار ہوں'' چنانچہ دونوں طرف سے صف آراء ہوئی اور جنگ شروع ہو گئی۔

جنگ اور اس کے نتائج

چالیس دن تک دونوں طرف سے زور کا رن پڑا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے بعد یہ سب سے زبردست جنگ تھی جو مسلمانوں نے خلافت راشدہ کے دور میں لڑی بلکہ میرے خیال میں اتنے دنوں تک کھلے میدان میں بھی کوئی جنگ نہیں لڑی گئی تھی۔ صبح سے ظہر تک ہر روز زور کی لڑائی ہوتی لیکن ظہر تک کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔ کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا اور اسلام بھی باطل کے سامنے دبنے والا نہ تھا۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افریقہ کو فتح کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ اس کے لیے انہوں نے جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو مہاجرین و انصار کے جلیل القدر حضرات پر مشتمل ایک لشکر جس کی تعداد دس

ہزار تھی، اس مہم کے لیے بطور کمک بھیجا۔ جب یہ لشکر گورنر مصر کی قیادت میں افریقہ کی سرحد پر پہنچا تو سرحد کے ساتھ ساتھ جتنے چھوٹے گاؤں اور شہر تھے ان کے باشندوں نے جزیہ دے کر اسلامی لشکر سے صلح کر لی۔ سرحد پر پہنچ کر گورنر مصر نے از سر نو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ کی سرحد کے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے پھر ایک لشکر اس مہم کے لیے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ فرمایا جس میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

(ابن خلدون، ج ثانی، ص ۱۰۰۳)

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بے چینی

ابن جب سبیطہ میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور چالیس روز تک آپس میں گھمسان کی جنگ ہوئی تو اس عرصہ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی آنکھیں محاذ سے قاصد کے لیے چشم براہ رہیں تاکہ افریقہ کے حالات کا کچھ پتہ چلے۔ آپ کو ایک قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی تھی، کیونکہ انہیں دشمن کے لشکر کی تعداد کا بھی علم تھا اور اس کے سامان حرب وضرب سے بھی آشنا تھے۔ لہٰذا دل میں طرح طرح کے خیالات آتے۔ جب کافی دنوں تک اس لشکر کی کوئی اطلاع نہ آئی تو آپ نے ایک تیسرا لشکر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بطور کمک روانہ فرمایا اور انہیں تاکید کی کہ نہایت عجلت اور سرعت سے محاذ جنگ پر پہنچیں۔ چنانچہ یہ لشکر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا محاذ جنگ پر پہنچا۔ ادھر محاذ پر جس قدر فوج تھی وہ اس طویل جنگ سے کچھ تھک چکی تھی۔ لہٰذا جب انہیں اس تازہ دم لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو لشکر اسلام کے سپاہیوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نہایت خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور ان کی تھکاوٹ یک قلم دور ہو گئی اور حوصلے بلند ہو گئے۔ اسلامی لشکر سے جب نعرہ ہائے تکبیر کی آواز جرجیر کے کانوں میں پہنچی تو اس نے مسلمانوں کے ان نعروں اور مسرت وانبساط کا سبب دریافت کیا۔ اسے جب بتایا گیا کہ مسلمانوں کے دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے تازہ دم فوج ان کی مدد کے لیے آئی ہے جو جیر اور اس کے فوج کے

سپاہی اپنے حوصلے کھو بیٹھے۔

اگلے روز جب جنگ شروع ہوئی اور سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے تو انہوں نے سیدنا عبداللہ بن سعد ؓ گورنر مصر کو میدان جنگ میں نہ پایا۔ آپ نے ان کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ جرجیر نے ان کے بارے میں لشکر میں یہ اعلان کر رکھا ہے کہ جو کوئی امیر لشکر عبداللہ بن سعد ؓ کا سر کاٹ کر لائے اس کو ایک لاکھ دینار بطور انعام دوں گا اور اپنی بیٹی اس کے حبالہ عقد میں دے دوں گا۔ اس وجہ سے وہ بجائے لشکر میں رہ کر لڑانے کے پیچھے رہ کر اپنی فوج کو لڑا رہے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ نے جب یہ سنا تو فوراً عبداللہ بن سعد ؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے لشکر میں یہ منادی کرادیں کہ جو کوئی جرجیر کا سر کاٹ کر لائے اسے مال غنیمت میں سے ایک لاکھ دینار اور جرجیر کی لڑکی حوالے کر دی جائے گی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن سعد ؓ نے سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے لشکر میں یہ منادی کروادی اور خود فوراً عقب لشکر سے قلب لشکر میں پہنچ کر بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے شروع کر دیے۔ جرجیر نے جب اس منادی کی بابت سنا تو سخت گھبرایا اور اب اس نے لشکر کے پیچھے رہنے میں اپنی عافیت سمجھی۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۵)

حضرت ابن زبیر ؓ کا صائب مشورہ

اب تک جنگ کا یہ معمول چلا آرہا تھا کہ دونوں فوجیں صبح سے ظہر تک لڑائی میں مشغول رہتیں۔ جب ظہر کی نماز ہوتی تو دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپوں میں جا کر آرام و استراحت کرتیں اور اگلے روز صبح پھر مشغول کارزار ہو جاتیں۔ گویا لڑائی صرف ظہر تک ہوتی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ نے امیر لشکر کو یہ مشورہ دیا کہ جنگ بہت طویل ہو گئی ہے اگر ہم اسی طرح لڑتے رہے تو ہو سکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہوں کیونکہ دشمن کثرت میں ہے اور ہم قلت میں۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور بعض روایات میں دو لاکھ آیا ہے۔

(ملاحظہ ہو، البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۲)

اور ہماری صرف بیس ہزار اور یہ بھی ممکن ہے کہ لڑائی اور زیادہ طویل ہو جائے جس میں ہمارا زیادہ نقصان ہوگا۔ لہٰذا آج آپ ساری فوج کو میدان جنگ میں نہ لے جائیں بلکہ تجربہ کار سپاہیوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کیمپوں میں رہنے دیں۔ صبح سے ظہر تک دشمن کا اس شدت سے مقابلہ کریں کہ وہ تھک کر چور ہو جائے۔ جب ظہر کے وقت لڑائی بند ہو اور دشمن تھکا ماندہ اپنے کیمپوں میں واپس جانے لگے تو ہماری وہ آزمودہ کار سپاہیوں کی بٹالین اس پر شمشیر بکف ٹوٹ پڑے اور اس دشمن کا اس وقت تک ڈٹ کر مقابلہ کرے جب تک وہ یا تو مطیع و منقاد ہو جائے یا میدان کارزار سے بھاگ جائے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اللہ قادر مطلق اس تدبیر سے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں ضرور کامیاب و کامران کرے گا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند آئی اور اس پر انہوں نے عمل کرنے کا عزم کر لیا۔

اسلامی لشکر کی فتحیابی

اگلے روز سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے آزمادہ کار سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت کو میدان جنگ میں لانے کی بجائے کیمپوں میں ہی رہنے دیا۔ صبح سے ظہر تک گھمسان کی جنگ ہوئی اور اسلامی فوج پہلے دنوں سے زیادہ شدت کے ساتھ غنیم پر حملہ کرتی رہی یہاں تک کہ دونوں فوجیں تھک کر چور ہو گئیں۔ ظہر کی اذان کے بعد جب دونوں فوجیں تھک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئیں اور دونوں لشکر اپنے اپنے کیمپ میں پہنچ کر ہتھیار اتار کر سستانے لگے تو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس تازہ دم فوج کے ساتھ جو پہلے ہی کیمپوں میں اس مقصد کے لئے بیٹھی ہوئی تھی، دشمن کے کیمپوں پر ہلہ بول دیا۔ دشمن کی فوج کو افراتفری کے عالم میں ہتھیار اٹھانے کا موقع بھی نہ ملا اور اسلامی فوج کے ہاتھوں اس کے سر حنظل کی طرح کٹنے لگے، کافی لوگ مارے گئے اور کئی ہزار گرفتار کر لیے گئے اور مسلمان دشمن پر کامیاب و فتحیاب ہو گئے۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۵-۴۶)

جرجیر کا قتل

ایک طرف رومی اور بربر اسلامی لشکر کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے اور دوسری طرف سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں جرجیر کو ڈھونڈنے لگیں۔ دیکھا کہ وہ اپنی فوج کے عقب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہے اور لڑکیاں اسے مورچھل سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فوراً امیر لشکر ابن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ جلدی سے مجھے چند جنگجو سپاہی دیں میں جرجیر کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے جھٹ چند تجربہ کار شہسواران کے حوالے کر دیے اور وہ انہیں ساتھ لے کر ہوا کی طرح جرجیر کے سر پر جا پہنچے۔ دشمن کے کیمپ میں ایک بھگدڑ کا سماں تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ چند مسلمان سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر جرجیر سمجھا کہ شاید وہ صلح کا پیغام لا رہے ہیں' لیکن جونہی وہ بالکل قریب آ گئے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ میرے لیے موت کا پیغام لے کر آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگا' لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے سر پر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ اس کے زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گرنے لگا لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی اور سرعت کے ساتھ اس کو اپنی تلوار پر لے لیا اور ایک ہی وار سے اس کا سر کاٹ کر اپنے نیزے پر چڑھا لیا۔

جرجیر کا سر نیزے پر دیکھ کر اس کی فوج کے وہ بربر سپاہی جو ابھی مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے دل ہار بیٹھے اور ان کی ہمتیں جواب دے بیٹھیں۔ انہوں نے اب بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کچھ کو تہ تیغ کیا اور کافی تعداد کو گرفتار کر لیا۔ ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۲ لاکھ فوج کے پاس جس قدر سامان حرب و ضرب تھا وہ سارے کا سارا اسلامی لشکر کے ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

فغنموا غنائم جمة واموالا كثيرة و سبيا عظيما۔

''مسلمانوں کے ہاتھ بہت غنیمتیں آئیں اور بہت سا مال اور کافی قیدی ہاتھ لگے''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۲)

جیسا کہ اس لڑائی کے دوران امیر لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا، اسے ایک لاکھ دینار بطور انعام اور جرجیر کی بیٹی اس کے حوالے کی جائے گی۔ چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ دینار بطور انعام دیے گئے اور جرجیر کی لڑکی جو گرفتار ہو کر آئی تھی وہ بھی حسب اعلان انہیں دی گئی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ کی فتح یابی میں سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ چنانچہ ان کی بہادری اور شجاعت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا اور ہر طرف ان کی بہادری کے تذکرے ہونے لگے۔

اسلامی لشکر کی یہ کامیابی کوئی معمولی کامیابی نہ تھی۔ ایک طرف بیس ہزار کا لشکر اور دوسری جانب ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۲ لاکھ یعنی ایک اور دس کا مقابلہ۔ دوسری بات یہ کہ لشکر اسلام گھیرے میں تھا۔ ہر طرف رومی اور بربر تھے۔ مقابلہ نہایت سخت تھا لیکن سپہ سالار سے لے کر ایک معمولی سپاہی تک نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

افریقہ کی اس مشہور جنگ کو تاریخ میں ''حرب العبادلہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے قلب پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ''میمنہ پر'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ' میسرہ پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مقدمہ پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعین تھے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چنانچہ ہر سوار کو تین تین ہزار دینار اور ہر پیدل سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار حصہ ملا۔

جنگ کے شروع ہونے سے قبل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے ان کی ہمت افزائی کے لیے فرمایا تھا کہ اگر تم افریقہ کی مہم میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں مال غنیمت کے خمس کا خمس (یعنی ۲۵واں حصہ) بطور انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ جب اس جنگ میں مال غنیمت حاصل ہوا تو میر لشکر نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے وعدہ کے مطابق مال غنیمت کا ۲۵ واں حصہ خود لے لیا اور خمس کا باقی حصہ امیر لمومنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور جو بچا وہ لشکر میں تقسیم کر دیا۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۲)

سبیطلہ کی فتح

جرجیر نے اپنے دارالسلطنت سے باہر نکل کر مسلمانوں سے یہ جنگ لڑی تھی اور شکست فاش کھائی تھی لہٰذا اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے جرجیر کے دارالسلطنت سبیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر قیروان (۱) سے دو دن کی مسافت پر ہے اور بقول یاقوت حموی صاحب معجم البلدان ۷۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس شہر کی فتح میں مسلمانوں کو کوئی خاص تگ و دو نہ کرنا پڑی بلکہ صرف چند روز کے محاصرہ کے بعد ہی اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمان مظفر و منصور ہو گئے۔

اس شہر کے قریب ہی قفصہ کے شہر پر قلعہ اجم واقع ہے۔ جنگی لحاظ سے اس ہر کو فتح کرنا بھی نہایت ضروری تھا کیونکہ افریقہ کے بربروں نے یہاں مختلف قسم کے آلات حرب و ضرب جمع کیے ہوئے تھے اور ہر وقت خطرہ تھا کہ کہیں یہ لوگ اسلامی قلعہ پر یورش نہ کر دیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے اس کا محاصرہ بھی کر لیا۔

چند ہی روز میں اہل قلعہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے اور اطاعت کر لی۔ مسلمانوں کی اس فتح مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل افریقہ نے ۲۰ لاکھ ۵۰۰ دینار سالانہ جزیہ دے کر اہل اسلام سے مصالحت کر لی۔

(تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۳۵۶)

افریقہ اور قفصہ کی جنگوں میں شمولیت اور خصوصی طور پر افریقہ کے محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے دارالخلافت مدینہ طیبہ میں ان جنگوں کی بابت عرصہ سے کوئی خبر نہ آئی تھی جس کی وجہ سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور مدینہ طیبہ کا ہر خاندان پریشان حال تھا' کیونکہ ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد اس جنگ میں شامل تھا۔ مدینہ اور افریقہ تک کا راستہ بڑا دشوار گزار اور سفر اور فاصلہ طویل تھا۔ اس وجہ سے بھی کسی خبر کے پہنچنے میں دیر ہونے کا امکان تھا۔ مہاجرین و انصار اور اہل بیت کے جگر پارے اس جنگ میں شامل تھے، کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے غازیان افریقہ کی امداد کے لیے یہاں سے تین لشکر بھیجے تھے جن میں جوانان مدینہ نے شرکت کی تھی۔ پھر اجمالی طور پر انہیں یہ خبریں ملی تھیں کہ محاذ جنگ پر مقابلہ نہایت سخت

ہے اور لشکر اسلام سے کافی لوگ جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ لہٰذا اہل مدینہ کو ان جنگوں کے نتائج کے بارے میں سخت فکر دامن گیر تھی۔ چنانچہ اس فتح کی خوشخبری لے کر مروان ابن الحکم وارد مدینہ ہوئے اور انہوں نے ہر گھر میں خود جا کر اس فتح کی خوش خبری دی اور مجاہدین اسلام کے خطوط ان کے عزیز واقارب کو پہنچائے۔ اس خوش خبری اور بشارت کا سننا تھا کہ ہر گھر میں خوشی اور شادمانی کے شادیانے بجنے لگے' اور بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ہر فرد خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ مجاہدین اسلام کے لیے دُعائیں کی گئیں اور سیدنا مروان ابن الحکم ؓ کے لیے بھی لوگوں نے دُعائیں کیں جو خوشی کا یہ سندیسہ لے کر آئے تھے۔ ہر شخص گلی کوچوں میں ان کی تعریف کرتا پھرتا تھا اور ان کی درازی عمر کیلئے دست بدعا تھا۔ پھر اہل مدینہ کی خوشی ومسرت میں اور اضافہ اس وقت ہوا جب انہوں نے لاکھوں دینار کی رقم جو ان جنگوں میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی تھی، امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان ؓ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ سیدنا عثمان ؓ اس کثیر رقم کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔

مروان کو بقیہ رقم کی معافی کا فیصلہ

مورخین نے لکھا ہے کہ امیر لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد ؓ کو نقد رقم کے ساتھ کپڑوں، مویشیوں اور مختلف قسم کے سامان کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ملی تھی جو وہ دربار خدمت میں پہنچانا چاہتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ راستہ دشوار گزار اور فاصلہ نہایت طویل تھا۔ اس وجہ سے نقد مال تو باسانی آ سکتا تھا لیکن مویشی' کپڑے اور دوسرا سامان لانا کارے دارد تھا۔ پھر اگر اس کو صعوبتوں اور دشواریوں کے ساتھ مدینہ طیبہ لایا بھی جاتا تو اس پر اتنے مصارف آتے تھے جو اندیشہ تھا کہ مال کی اصل قیمت سے بڑھ نہ جائیں یا اگر نہ بھی بڑھتے تو پھر بھی باربرداری کے مصارف زیادہ ہونے کے ساتھ ان کا لانا نہایت وقت طلب اور تکلیف دہ تھا۔ لہٰذا سیدنا عبداللہ بن سعد ؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص اس سب سامان کو خرید کر ہمیں اس کی جائز قیمت نقد دے دیں تو اس کا امیر المومنین ؓ کے پاس لے جانا آسان رہے گا۔ سیدنا مروان ابن الحکم ؓ نے وہ سارا سامان خرید لیا۔ سارے سامان کی کل قیمت ایک لاکھ درہم پڑی اور سیدنا مروان ؓ نے سوائے تھوڑی سی رقم کے باقی ساری

رقم امیر لشکر کو نقد ادا کر دی اور بقیہ رقم کے بارے میں وعدہ کیا کہ وہ مدینہ طیبہ پہنچ کر امیر المومنین ؓ کو ادا کر دوں گا۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر انہوں نے لاکھوں دینار کا مال غنیمت جب دربار عثمانی میں پیش کیا تو سیدنا عثمان ؓ بڑے خوش ہوئے۔ ساتھ ہی سیدنا مروان ؓ نے مویشیوں، کپڑوں اور دیگر سامان کی فروخت کا ذکر بھی کیا اور بتایا کہ اور رقم تو میں نے وہیں ادا کر دی تھی لیکن ایک قلیل رقم ابھی میرے ذمہ باقی ہے وہ میں ایک دو روز میں آپ کو ادا کر دوں گا۔ سیدنا عثمان ؓ نے اس فتح کی خوشی اور ان کے اس کارنامہ پر کہ انہوں نے مال غنیمت کی اتنی کثیر رقم راستہ کی بے شمار صعوبتیں اور دقتیں برداشت کرنے کے بعد ضمانت و دیانت کے ساتھ صحیح سالم یہاں پہنچا دی ہے۔ باقی ماندہ تھوڑی سی رقم جو ان کے ذمہ باقی تھی، انہیں معاف کر دی۔

اگر چہ شرعی طور پر امیر المومنین ؓ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مختلف لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بیت المال سے بطور انعام یا ان کی تالیف قلوب کے لیے مال دے سکتا ہے اور سیدنا عثمان ؓ نے جو یہ رقم سیدنا مروان ؓ کو معاف کی تھی وہ جلیل القدر صحابہ ؓ کی موجودگی میں کی اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ تمام اہل مدینہ نے بھی آپ کے اس فعل پر اتفاق کیا۔

لیکن سیدنا عبداللہ بن سعد ؓ کو آپ نے جو مال غنیمت کا پچیسواں حصہ (خمس کا خمس) دیا تھا اور روایات میں آتا ہے کہ اس پر بعد میں بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے وہ ساری رقم عبداللہ بن سعد ؓ سے واپس کروا دی۔

اندلس پر معرکہ آرائی کا فیصلہ

اندلس جس کو ہسپانیہ بھی کہتے ہیں اور آج کل اس کو اسپین کہا جاتا ہے یہ بھی سیدنا عثمان ابن عفان ؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوا۔ اسپین براعظم یورپ میں واقع ہے گویا سیدنا عثمان ابن عفان ؓ ہی کے زمانے میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے صرف ۱۷ سال بعد مسلمان یورپ کے براعظم تک پہنچ گئے۔ چنانچہ جب سیدنا

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے افریقہ کو فتح کیا اور ابھی وہ وہاں سے مصر واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ عبداللہ بن نافع بن حصین فہری اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس فہری کو فوری طور پر اندلس (اسپین) بھیجیں اور اسے جلد از جلد فتح کریں۔ وہ دونوں حضرات سمندر کے راستے اندلس پہنچے اور مجاہدین اسلام ان کے ساتھ اندلس گئے۔

یہ دونوں حضرات سمندر کے راستہ اندلس میں داخل ہوئے۔ اس فوج میں افریقہ کے نومسلم بربروں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ اس زمانہ میں اندلس میں عیسائی حکومت قائم تھی۔ مسلمانوں کا لشکر جب اندلس کے ساحل پر اترا تو عیسائی حکومت نے اسلامی لشکر کی سخت مزاحمت کی لیکن عیسائی فوجیں اسلامی لشکر کے سامنے ٹک نہ سکیں اور جلد ہی اندلس کا ایک ساحلی علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور انہیں سرزمین اندلس میں قدم جمانے کا ایک ٹھکانہ مل گیا۔ گویا اندلس اور براعظم یورپ پر لشکر اسلام کا یہ پہلا حملہ تھا جو خلافت عثمانی میں کیا گیا۔

طبری نے جناب کعب احبار کا ایک قول اس لشکر کے بارے میں نقل کیا ہے جو سرزمین اندلس میں اس کی فتح کے لیے وارد ہوا کہ:

اقوام یفتحونھا یعرفون بنور اللہ یوم القیامہ

”جو لوگ اندلس کو فتح کریں گے وہ قیامت کے روز اپنے نور سے پہچانے جائیں گے“۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۴)

جب سیدنا عثمان ص! کا قول یہ ہے کہ جو لوگ اندلس کو فتح کریں گے وہ اجر و ثواب میں اس لشکر کے برابر ہوں گے جو قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اتنی عظیم الشان شخصیت اور خلیفہ راشد کے قول کی موجودگی میں کعب احبار جن کی شخصیت ہی مورخین اسلام کی نظر میں اسلامی نقطہ نگاہ سے مشکوک ہے کے قول کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ شاید طبری نے کعب احبار کی شخصیت کو وزن دار بنانے کے لیے ان کا یہ قول نقل کر دیا ہے۔

افریقہ اور اندلس پر گورنروں کا تقرر

افریقہ اور اندلس کی فتح کے بعد امیر المومنین ؓ سیدنا عثمان بن عفان ؓ نے ان دونوں پر سیدنا عبداللہ بن نافع بن عبد القیس ؓ انصاری کو گورنر مقرر فرمادیا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ گورنر مصر تقریباً سوا سال کے بعد افریقہ سے مصر واپس تشریف لائے۔ ان کی غیر موجودگی میں مصر میں بہت سا مال جمع ہو گیا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد ؓ نے واپس آتے ہی وہ سارا مال امیر المومنین ؓ کی خدمت میں مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

سیدنا عثمان ابن عفان ؓ کے زمانہ میں اندلس کا ایک چھوٹا سا حصہ فتح ہوا کیونکہ افریقہ اور سپین کے درمیان سمندر واقع تھا اور اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس سمندر پار کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے کوئی بحری بیڑا نہ تھا۔ لیکن ۹۲ھ میں اموی خلیفہ جناب عبدالمالک بن مروان ؓ امیر المومنین ؓ کے عہد خلافت کے مشہور مجاہد اور جرنیل طارق بن زیاد ؓ کی زیر قیادت اسپین کا سارا علاقہ اسلامی مملکت بن گیا بلکہ مسلمانوں کے گھوڑے سرزمین فرانس میں بھی ہنہنانے لگے۔

اسی سال یعنی ۲۷ھ میں امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان ؓ کے گورنر عثمان بن ابی العاص ؓ کے ہاتھوں نہایت آسانی کے ساتھ اصطخر فتح ہوا اور سیدنا معاویہ ؓ کے ہاتھوں تفسرین اسلامی عمل داری میں داخل ہو گیا۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۲)

جزیرہ قبرص پر معرکہ آرائی کا فیصلہ

قبرص ایک جزیرہ ہے جو بحیرہ روم میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے آج تک جتنی فتوحات کیں وہ صرف خشکی کے راستے سے کیں۔ بحری راستہ سے ایک بھی ملک انہوں نے فتح نہیں کیا تھا۔ سیدنا عمر ؓ کے عہد خلافت میں اسلامی مملکت کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل تھا' لیکن یہ سارا علاقہ مسلمانوں نے خشکی کے راستے فتح کیا تھا۔ اس وجہ سے انہیں بحری طاقت کی اتنی اہمیت نہ تھی۔ حالانکہ اس زمانہ میں بھی آج کل کی طرح بحری طاقت کی وہی اہمیت تھی جو بری کی تھی۔ یہ بحری طاقت ہی تھی جس کی وجہ سے ہرقل روم نے ۵۰ فوجی جہاز بحیرہ

روم کے راستے بھیج کر اہل اسلام سے اسکندریہ چھین لیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے فتح اسکندریہ کے عنوان کے تحت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کو آپ کے زمانے میں ہر وقت رومیوں کے بحری حملے کا کھٹکا اور اندیشہ رہتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں مملکت روم کا بحری بیڑہ بہت مضبوط تھا اور وہ مسلمانوں کے ساحلی علاقے پر کبھی کبھار رہزنوں کی طرح حملے کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ساحلی علاقوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دی تھیں اور بندرگاہوں پر فوج متعین کر کے ان کو مستحکم کر دیا تھا تا کہ رومیوں کے اچانک حملے کا جواب دیا جا سکے۔ لیکن یہ اس مشکل کا صحیح حل اور اس مرض کا حقیقی علاج نہیں تھا۔ اس کا صحیح حل یہی تھا کہ مسلمان اپنا بحری بیڑا تیار کرتے اور دشمن کا سمندر ہی میں مقابلہ کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی کارگزاری

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شام جیسے ساحلی علاقے کے گورنر تھے۔ اس وجہ سے انہیں بحری طاقت کا صحیح اندازہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ درخواست کی کہ رومی سلطنت کی سرحد شام کے علاقے حمص سے اس قدر قریب ہے کہ انہیں رومیوں کے کتوں کے بھونکنے کی آواز اور ان کی مرغیوں کے بولنے کی آواز تک سنائی دیتی ہے۔ لہٰذا ہمیں بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو جنہیں بحری سفر کا تجربہ تھا، لکھ بھیجا کہ مجھے سمندر اور اس میں سفر کرنے کے بارے تفصیلات لکھ کر بھیجیں کیونکہ میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہے۔ سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں لکھا:

> ''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق (سمندر) پر ایک ننھی سی مخلوق (کشتی) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور وہ لوگ جو سمندر میں کشتی پر سوار ہوتے ہیں۔ ان کی مثال اس طرح ہوتی ہے جس طرح لکڑی پر کیڑا سوار ہوتا ہے۔ اگر لکڑی ذرا

ایک طرف پلٹ جائے تو کیڑا ڈوب جائے اور اگر بخیر و عافیت ساحل پر پہنچ جائے تو وہ حیران و پریشان ہو"۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۶)

علامہ ابن اثیرؒ نے سیدنا عمرو ابن العاص ﷜ کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں:

"میری رائے میں ایک عظیم مخلوق پر ایک ننھی سی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں اور کوئی شئے نظر نہیں آتی اگر وہ رک جائے تو دل پھٹنے لگیں اور حرکت کرے تو دل اڑنے لگیں۔ ساحل تک پہنچنے کا یقین کم اور شک زیادہ ہوتا ہے اور وہ سمندر میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کیڑا لکڑی پر سوار ہو۔ اگر وہ ایک طرف پلٹ جائے تو غرق ہو جائے اور اگر صحیح و سالم ساحل پر پہنچ جائے تو حیران و سراسیمہ ہو جائے"۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸)

سیدنا عمر ﷜ کو جب سیدنا عمرو ابن العاص ﷜ کا یہ خط ملا تو آپ نے سیدنا معاویہ ﷜ کو لکھا:

لا' والذی بعث محمدا بالحق لا احمل فیہ مسلما ابدا۔

"ایسا ہرگز نہیں' اس خدا کی قسم جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا' میں مسلمانوں کو سمندر پر کبھی بھی سوار نہیں کروں گا"۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۶۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸)

سیدنا عمر ﷜ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا:

"مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شام کا سمندر دنیا میں سب سے زیادہ طویل ہے اور وہ ہر شام و پگاہ اللہ تعالیٰ سے زمین کو غرق کرنے کا اذن مانگتا ہے۔ لہٰذا میں اس کافر سمندر پر اپنے لشکر کو کس طرح سوار کروں اور بخدا! ایک مسلمان مجھے رومی مچھلی سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا آئندہ اس بات کا مجھ سے مطالبہ نہ کرنا۔ میں اس سے قبل بھی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ اس بات کا ارادہ ترک کر دو اور میں کسی حالت میں بھی اس متلاطم سمندر

پر سوار ہونے کا حکم نہیں دے سکتا''۔

(طبری، ج ۳۲، ص ۳۱۶۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸)

اس خط کے کے موصول ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس بات میں اجازت نہ مانگی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قلب میں شفقت علی الخلق کا جذبہ بھرا ہوا ہے لیکن دل ہی دل میں آپ ہر وقت ایک عزم کیے ہوئے تھے کہ جب کبھی موقع ملا تو میں دشمنان اسلام کی ہلاکت کے لیے بحری بیڑہ ضرور بناؤں گا۔

اسی اثناء میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے دوران بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بدستور شام کی گورنری کے عہدہ پر متمکن رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ساحل سمندر پر جو علاقے واقع ہیں وہاں قلعہ بندی اور ذخیرہ اندوزی کی جائے اور جن مسلمانوں کو ان ساحلی علاقوں میں آباد کروان کو جاگیریں دو' امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نخل آرزو پھر ہرا ہو گیا جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قطعی انکار نے خشک کر دیا تھا۔

دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو کسی جوکھم میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک انسانی جان کی بہت قدر و قیمت تھی' وہ کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ایک مسلمان کی جان سمندر میں غرق ہو کر ضائع ہو اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت تک ایرانی طاقت کا تو قادسیہ' نہاوند اور مدائن کی فتوحات میں تیا پانچہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ رومی ہر وقت ہمارے دین' ملک' تہذیب و تمدن اور معاشرہ کے لیے باعث خطرہ بنے رہتے تھے اور اس کی ہمارے خلاف جس قدر سرگرمیاں ہیں ان میں سب سے بڑی چیز ان کی بحری طاقت کا نشہ ہے۔ لہٰذا جب تک ان کے اس نشہ کو ہرن نہیں کیا جائے گا اور سمندر میں آگے بڑھ کر ان کے اس غرور کو پامال نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہمارے لی ہر وقت دردسر بنے رہیں گے۔ دوسرے وہ علاقے جن تک پہنچنے میں سمندر راستے میں حائل ہے ان تک بھی ہم نے اسلامی دعوت اور تہذیب و معاشرت کو پہنچانا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بحری بیڑا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ مستقل اس کی اجازت حاصل کرنے میں لگے رہے۔

سیدنا عثمانؓ کا فیصلہ

سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں آپ کے دل کی یہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار ہوئی اور آپ نے بیم ورجاء کی حالت میں امیر المومنینؓ سے جزیرہ قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمانؓ حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضے کو بخوبی سمجھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اجازت دے دی' اور فرمایا:

۱۔ تمہارے ساتھ تمہاری اہلیہ بھی شریک سفر ہو۔

۲۔ اس بحری لڑائی کے لیے لوگوں کو خود منتخب نہ کرو اور نہ ہی قرعہ اندازی کرو بلکہ اختیار دو کہ وہ خود اپنی مرضی سے اس جنگ میں شریک ہوں' اور جو کوئی اپنی خوشی سے اس جنگ میں شریک ہونا چاہے' اس لے جاؤ۔

چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے اپنا یہ بحری عکا سے شروع کیا جو شام کی ایک بندرگاہ ہے اور دمشق کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور ان کی اہلیہ محترم سیدہ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف بھی ان کے ساتھ تھیں۔

(فتوح البلدان، ص ۱۵۹)

دربار خلافت سے اجازت ملتے ہی آپ نے اپنی توجہ بحریہ کی تشکیل کی جانب مرتکز کر دی اور جلد ہی ایک بحری بیڑا مرتب کیا جو پانچ سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا اور قبرص پر فتح حاصل کرنے کے لیے پوری پوری جدوجہد کی کیونکہ مقابلہ ہرقل روم کی فوجوں سے تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا بحری جنگ کا یہ پہلا تجربہ تھا جس کا کامیاب ہونا ضروری تھا۔

بحری جنگ کے بارے میں ایک بشارت

اسلامی بحریہ کی یہ جنگ جس کے لیے سیدنا معاویہؓ اس قدر تیاری کر رہے تھے۔ دراصل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی کی عملی شکل تھی جو اللہ رب العزت کے فضل سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہؓ کے ہاتھوں پوری ہو رہی تھی، وہ پیش گوئی یہ تھی کہ:

''حجۃ الوداع کے بعد ایک روز جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوت و التحیات سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانا تناول فرما کر استراحت کی غرض سے لیٹ گئے۔ سیدہ ام حرام (جو آپ کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) نے آپ کے سرہانے بیٹھ کر آپ کا سر دیکھنا شروع کیا۔ آپ کو نیند آ گئی' تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اور پھر آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی طرح کے خواب کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کے لیے دُعا کی درخواست کی' آپ نے فرمایا کہ تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو''۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

اول جیش من امتی یغزون البحر قداوجبوا۔

''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہو گئی''۔

قداوجبوا کا معنی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ عینیؒ نے لکھا کہ ''جنت ان پر واجب ہو گئی۔

(فتح الباری، ج ۶، ص ۷۸۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۱۹۸)

جزیرۂ قبرص رضی اللہ عنہ کی جنگ میں شریک صحابہ

''وجوب جنت'' کے اس ارشاد نبوی کا مصداق ہونے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ!

کی اس بحری فوج میں جلیل القدر صحابہ ؓ نے نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ شرکت کی۔ ان میں سیدنا ابوذر غفاری ؓ، سیدنا ابوالدرداء ؓ، سیدنا شاداد ابن اوس ؓ واثلہ بن اسقع ؓ، ابوامامہ الباہلی ؓ، عبداللہ بن بشر مازی ؓ، فضائل بن عبداللہ ؓ فضالہ بن عبید انصاری ؓ، ابوایوب خالد بن زید بن کلیب انصاری ؓ، عمیر بن سعد انصاری ؓ، شداد بن اوس بن ثابت ؓ، مقداد ؓ کعب الجر بن مانع ؓ، جیر بن فقیر الحضرمی ؓ، عبادہ بن الصامت انصاری ؓ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ ام حرام بنت ملحان ؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس بحری لشکر کے امیر البحر سیدنا عبداللہ بن قیس الحاژی ؓ مقرر کیے گئے۔ ۲۸ھ میں سیدنا معاویہ ؓ نے قبرص کی فتح کے لیے اپنے اس بیڑے کو بحر روم میں داخل کیا' ادھر سے سیدنا معاویہ ؓ لشکر لے کر چلے' ادھر سے گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ مصر سے ان کی مدد کے لیے چلے اور دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں اور ایک لشکر جرار بن گیا۔ اہل قبرص اس بھاری لشکر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور سات ہزار دیار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔

صلح کی شرائط

صلح مندرجہ ذیل شرائط پر ہوئی۔

۱۔ اہل قبرص ۷ ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کریں گے۔

۲۔ بحری جنگوں میں اہل قبرص اہل اسلام کے دشمن کی نقل و حرکت سے ان کو مطلع کرتے رہا کریں گے۔

(فتح الباری، ج ۶، ص ۶۷۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸۔ فتوح البلدان، ص ۱۶۰)

اہل قبرص ۴ سال تک اس معاہدے پر قائم رہے' لیکن معاہدے کے چار سال بعد ۳۲ھ میں مسلمانوں کے خلاف رومیوں کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور اعلان کر دیا کہ مستقبل میں یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں گے۔ اس کے علاوہ اہل دیوان میں سے آپ نے ۱۲ ہزار جنگ آزما افراد یہاں متعین فرمائے۔ انہوں نے یہاں آ کر مساجد تعمیر کرائیں سلمان، بعلبک (شام کا ایک شہر) کی بھی ایک جماعت

یہاں بسائی گئی اور جو لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے نہیں گراں قدر عطیات دیے گئے۔

(فتوح البلدان، ص ۱۶۰)

قبرص کی فتح میں بہت سامال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور کفار کے بہت سے آدمی قتل اور اب اچھی خاصی تعداد قیدی بنائی گئی۔

جیر بن نفیر کہتے ہیں کہ جب اہل قبرص کو قیدی بنا کر لا گیا تو سیدنا ابوالدرداء ؓ انہیں دیکھ کر اشکبار ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ: ''جس دن اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور اہل اسلام کو عزت و تمکنت عطا فرمائی ہے اور کفر اور اہل کفر کو خائب و خاسہ کیا ہے' آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟

سیدنا ابوالدرداء ؓ نے میرے کاندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا' جیر ؓ

''یہ لوگ دوسرے لوگوں پر غالب اور قاصر تھے۔ ان کی حکومت تھی جب یہ لگ سرکش اور حق تعالیٰ کے نافرمان ہو گئے تو پھر ان کا یہ حال ہو گیا جو تو دیکھ رہا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر گرفتاری کا عذاب مسلط کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ نیز فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری چھوڑ دیتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ترین مخلوق ہو جاتے ہیں''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۳۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۸۔ طبری، ج ۳، ص ۳۱۸)

اور واقعی اہل قبرص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دین حنیف سے سرکشی پر وہ ذلت اور رسوائی اٹھانی پڑی کہ مسلمانوں کو صلح میں سے ایک شرط یہ بھی تھی:

الا یتزوجوا فی علونا من الروم الاباذننا

''کہ وہ ہمارے دشمن رومیوں سے ہماری اجازت کے بغیر شادی بھی نہیں کر سکیں گے''۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۱۹)

وجوب جنت کی خوشخبری

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے کہ قبرص کی یہ

جنگ نہایت اہمیت کی حامل تھی کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکروں کے بارے میں وجوب جنت اور مغفرت کی خوش خبری سنائی تھی۔ پہلے لشکر کے بارے میں فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون البحر قدا وجبوا

''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہوگئی''۔

(بخاری، ج ۱، ص ۴۰۹)

اور دوسرے لشکر کے بارے میں فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم

''میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا اس کے لیے حق تعالیٰ کے ہاں سے مغفرت کا پروانہ ہے''۔

(بخاری، ج ۱، ص ۴۱۰)

اسی وجہ سے ان دونوں لشکروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کافی تعداد نے شرکت فرمائی۔ چنانچہ پیش گوئی کا پہلا حصہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دور خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ پہلے لشکر کی قیادت آپ نے بہ نفس نفیس کی اور دوسرے لشکر کی قیادت ۵۲ھ میں آپ کے بیٹے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی۔

اس بارے میں کسی مورخ کا اختلاف نہیں کہ مسلمانوں میں سے بحری حملہ سب سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر کیا اور وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی پیش گوئی کے اولین مصداق تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو''اسد الغابہ'' ج ۵، ص ۵۷۵۔ الاعلام لخیر الدین زرکلی، ج ۸، ص ۱۷۲)

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا جن کے گھر پر آپ نے ان دونوں لشکروں کے بارے میں خوشخبری سنائی۔ ان کی ان دونوں لشکروں میں شرکت کے بارے میں دُعا کی درخواست پر آپ نے فرمایا کہ تو پہلے لشکر میں شامل ہوگی اور دوسرے میں نہیں۔ چنانچہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ قبرص پر لشکر کشی کی تو سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سیدنا عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھیں۔ جب یہ لشکر فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا واپس آ رہا تھا تو سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا خچر پر سے گر پڑیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔

فتح قبرص ایک تو دینی لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی کہ اس کے تمام شرکاء کو دخول جنت کا پروانہ مل گیا اور دوسرے دنیوی لحاظ سے نہایت فائدہ مند ہوئی کہ مسلمانوں کا بحری بیڑا اور بحریہ قائم ہوگئی جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا اور ان کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا اور ساتھ ہی اسلامی حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ پہنچا۔

(فتوح البلدان، ص ۱۶۰)

اسی زمانہ میں سیدنا معاویہ ﷛ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر اور انطا کیہ سے لے کے طرطوں تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۴)

فارس کی بغاوت

ایران کے جنوب میں جو علاقہ واقع ہے اس کو اس زمانے میں فارس کہتے تھے۔ اس علاقے میں چار بڑے شہر واقع تھے' شیراز' اصفہان' کرمان اور یزد۔ ۲۹ ھ میں سیدنا عثمان ﷛ نے بصرہ کی گورنری سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری ﷛ کو معزول کر کے وہاں عبداللہ بن عامر بن کریز ﷛ کو گورنر مقرر فرما دیا۔ اس وقت تک قلعہ اصطخر اور جور کے سوا سارا فارس مسلمانوں کے زیر نگین ہو چکا تھا۔

یہ ذہن میں رہے کہ سیدنا فاروق اعظم ﷛ کے عہد خلافت میں ایران کا بہت سا حصہ فتح ہو چکا اور جو علاقے فتح ہونے سے رہ گئے تھے وہ سارے کے سارے سیدنا عثمان ذوالنورین ﷛ کے عہد خلافت میں فتح ہو گئے۔ گویا ان دو خلافتوں میں پورا ایران مسلمانوں کے گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہوئیں تھا اور اس کی ہزار ہا سالہ ثقافت' تہذیب و تمدن اور ٹھاٹھ باٹھ مسمار ہو گیا تھا اور درفش کا دیانی کی جگہ سبز ہلالی پرچم نے لے لی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عامر ﷛ کو جب بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا اس کے ساتھ ہی سیدنا ذوالنورین ﷛ محمد بن معمر ﷛ کو خراسان سے فارس کی گورنری پر تبدیل کیا۔ فارس کے لوگ اس نئے گورنر کے آنے سے پہلے سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور بغاوت کر دی۔ چنانچہ انہوں نے اکٹھے ہو کر اصطخر کے دروازے پر عبیداللہ بن معمر ﷛ سے مقابلہ کیا۔ سیدنا عبیداللہ اس میں

شہید ہو گئے اور ان کے لشکر کو شکست ہو گئی۔

سیدنا عثمان ؓ کو جب اس افسوس ناک واقعہ کی خبر پہنچی کہ اہل فارس نے بغاوت کر دی ہے اور عبیداللہ بن معمر ؓ کو شہید کر کے لشکر کو شکست دے دی ہے اور دشمن نے ہر طرف سے جمع ہو کر اصطخر کو اپنا مرکز اور پناہ گاہ بنالیا ہے تو انہیں نہایت صدمہ ہوا۔ انہو نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اپنے ماموں زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ کو حکم فرمایا کہ فوراً بصرہ اور عمان کی افواج کے ساتھ فارس پر حملہ کرو اور باغیوں کو عبرت آموز سبق سکھاؤ۔

بغاوتوں کی پامالی

سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ کی رگوں میں حرارت دینی اور شجاعت ملی خون دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے نہایت عجلت سے اہل فارس ؓ کو بغاوت کا مزہ چکھانے کے لیے ایک لشکر مرتب کیا اور اصغر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔ اصطخر کے قریب پہنچ کر اپنا لشکر اس ترتیب سے مرتب کیا کہ میسرہ پر سیدنا عقل بن سیار ؓ میمنہ پر سیدنا ابو بررہ اسلمیؓ اور سواروں کا قائد سیدنا بن حصین جیسے صحابہ رسول کو رکھا۔ لشکر کے مقدمہ پر سیدنا عثمان بن ابی العاصؓ کو رکھا۔ ادھر اہل فارس بھی مقابلے کے لیے نکل آئے۔ دونوں طرف سے گھمسان کا رن پڑا اور دشمن کے ہزاروں آدمی کھیت رہے۔ طبریؒ نے لکھا ہے کہ:

وقتل منهم مقتله عظيمه لم يزالو ا منها في دل

''ان سے بہت بڑا قتال ہوا اور انہیں ذلت آمیز شکست اٹھانی پڑی''

اصطخر کی فتح کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ نے دارابجرد کا رخ کیا کیونکہ وہاں کے لوگوں نے بھی عہد کر کے بغاوت کر دی تھی۔ آپ نے وہاں کی بغاوت کو بھی جلد ہی فرد کر دیا اور پھر وہاں سے بعض نے شیراز کہا ہے اور بعض کے نزدیک اسے شیر یا کرمان کہتے ہیں کا رخ کیا۔ عبداللہ عامر ؓ نے پہلے ہی اپنے ایک جرنیل ہرم بن حیان کو جور کی فتح کے لیے بھیج دیا تھا اور انہوں نے شہر کا محاصرہ بھی کیا ہوا تھا کہ اتنے میں خود عبداللہ بن عامر فوج کے ساتھ ان کی مدد کے لیے آپہنچے اور انہوں نے بھی آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ کئی روز تک جاری رہا لیکن ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس نے مسلمانوں کے لیے اس شہر کو فتح کو نہایت آسان بنا دیا۔ ہوا یہ کہ محاصرہ کے دنوں میں لشکر اسلام کا ایک سپاہی نہایت مصروف تھا۔ اس کے قریب ایک ایک تھیلا پڑا ہوا تھا جس میں گوشت اور روٹی تھی۔ اتنے میں ایک کتا آ گیا اور اس نے روٹی اور گوشت والے تھیلے کو اپنے منہ میں اٹھایا اور شہر کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ سپاہی بھی اس کتے کے پیچھے پیچھے چل پڑا تاکہ دیکھے کہ وہ کہاں جاتا ہے' کتا شہر کے قریب پہنچا۔

"ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو گیا"

سپاہی یہ دیکھ کر اپنے لشکر میں واپس آ گیا اور اپنے کمانڈر کو اس خفیہ راستے کی بابت اطلاع دی۔ مسلمانوں نے اس راستے کو اللہ رب العزت کی طرف سے ایک غیبی امداد سمجھا اور دوسرے روز دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ حملہ کے دوران ہی مسلمان سپاہی اس خفیہ راستے کے ذریعے شہر میں داخل ہو گئے اور دشمن پر ہلہ بول دیا۔ حریف کو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلامی لشکر اس طرح شہر میں داخل ہو جائے گا۔ کچھ عرصہ تک انہوں نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا' لیکن پھر اپنے میں مقابلہ کی سکت اور طاقت نہ پا کر ہتھیار ڈال دیے اور اسلامی لشکر شہر پر قابض ہو گیا۔ اس طرح سے جور کا شہر مسلمانوں نے فتح کر لیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۵۰)

اصطخر کی دوبارہ فتح

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ دارابجرد اور جور کی فتح میں مصروف تھے کہ اہل اصطخر نے پھر نقض عہد کر کے بغاوت کر دی۔ اس لیے جور کی فتح کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ پھر اصطخر کی جانب لوٹے' اہل اصطخر قلعہ بند ہو گئے۔ اس لیے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا، لیکن اہل اصطخر قلعہ سے باہر نہ نکلے۔ اہل اصطخر نے بہت بڑی فوج فراہم کی ہوئی تھی اور انہیں اپنی اس قوت اور طاقت پر ناز تھا لیکن جب محاصرے کے طویل ہونے کی صورت نظر آئی تو سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے منجنیقوں کے

ذریعہ سے شہر پر سخت سنگ باری کی۔ ابن اثیرؒ کے الفاظ ہیں:

اشتد القتال علیها و رمیت بالمجانیق قتل بها خلقا کثیرا من الاعاجم وافتی اکثر اهل البیوتات

"اصطخر میں نہایت شدید مقابلہ ہوا اور منجنیقوں سے سنگ باری کی گئی جس سے فارسیوں کے بہت سے آدمی مر گئے اور گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ کافی تعداد میں موت کی نیند سو گئے"۔

(ابن کثیرؒ، ج ۳، ص ۱۵۰)

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس مقابلہ میں اہل فارس کے چالیس ہزار آدمی کام آئے۔

(فتوح البلدان، ص ۳۹۷)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ فتح مدائن کے بعد ایرانی بادشاہ یزدجرد اور اس کے امراء، اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور انہوں نے تقریباً ہر شہر میں لوگوں کو انگیخت دے کر بغاوت پر مارنا چاہا جس کی وجہ سے بعض شہروں میں بغاوت ہو گئی۔ اصطخر بھی ان شہروں میں سے ایک تھا۔ یہاں بھی بغاوت انہی امراء کی سازشوں اور اندرونی اشتعال انگیزیوں کے باعث ہوئی۔ لہٰذا سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اصطخر کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد ایسے تمام امراء، وزراء افراد کا قلع قمع کر دیا اور اس طرح پامال کیا کہ پھر انہیں کبھی اٹھنے اور بغاوت کے جراثیم پھیلانے کا موقع نہ ملا۔

(فتوح البلدان، ص ۳۹۷، ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۰، ابن خلدون، ج ۲، ص)

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس فتح کے بارے میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ جواب میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ وہ فارس کے شہروں پر ہرم ابن حیان الشکری، ہرم بن حیان العبدی، خریت راشد، منجاب بن راشد کو والی مقرر کر دیں اور یہ بھی حکم دیا کہ احنف مروین پر اور حبیب بن قرہ یربوعی کو بلخ پر اور خالد بن عبداللہ بن زہیر کو ہرات پر اور امیر بن احمر کو طوس پر اور قیس بن ھبیرہ کو نیشاپور پر عامل مقرر کر دیں۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ شریک بن اعوار لحارثی کو اصطخر پر والی کر کے خود بصرہ واپس لوٹ آئے۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۰، ۵۱)

خراسان اور طبرستان کی فتح

۳۰ ہجری میں عبداللہ بن عامر ﷺ اور سعید بن العاص ﷺ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان پر چڑھائی کی سعید بن العاص ﷺ (۲) کے لشکر میں اس وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر افراد نے شرکت کی جن میں سیدنا حسن ﷺ، سیدنا حسین ﷺ، سیدنا عبداللہ بن عمر ﷺ، سیدنا عبداللہ ابن عمرو خاص ﷺ، سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ، سیدنا عبداللہ ابن زبیر ﷺ سیدنا حذیفہ بن الیمان ﷺ خاص طور پر قابل ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵۴۔ طبری، ج ۳، ص ۳۲۳۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۴۔ فتوح البلدان، ص ۳۴۲)

سعید بن عاص ﷺ گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر ﷺ سے پہلے خراسان پہنچ گئے اور عبداللہ ابن عامر ﷺ کے پہنچنے سے پہلے ابن عاص ﷺ نے جرجان، خراسان اور طبرسان کو فتح کرلیا۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۲۳۔ ابن اثیر، ج ۳، ص)

بعض روایات میں ہے کہ چونکہ سیدنا عمر ﷺ کی شہادت کے بعد خراسان کی طرف مختلف علاقوں میں بغاوت پھوٹ پڑی تھی اس وجہ سے عبداللہ ابن عامر ﷺ نے فارس کی مہم سے فارغ ہوکر امیر المومنین سیدنا عثمان ﷺ سے ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ جب امیر المومنین نے اجازت دے دی تو آپ زیاد بن ابی سفیان ﷺ اور ابن خلدون کے بیان کے مطابق زیاد بن عامر کو قائم مقام مقرر کر کے عازم خراسان ہوگئے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ سعید بن العاص ﷺ نے بہت سے شہروں پر چڑھائی کی، وہاں کے حکمرانوں نے بہت سا مال دے کر ان سے صلح کرلی۔ یہاں تک کہ وہ جرجان تک پہنچ گئے۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۶)

اہل کرمان نے بھی چونکہ غداری کی تھی۔ اس لیے عبداللہ بن عامر ﷺ نے ایک صحابی رسول سید مجاشع بن مسعود سلمی ﷺ کو کرمان پر لشکر کشی کے لیے روانہ کیا اور ربیع بن زیاد الحارثی ﷺ کو سینا نا چڑھائی کے لیے بھیجا کیونکہ انہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف علم

بغاوت بلند کیا تھا۔
ان دونوں حضرات کو رخصت کرنے کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ خود نیشا پور کی طرف ہو گئے۔ اس وقت سیدنا احنف بن قیس ؓ ان کے مقدمۃ الجیش پر تھے یہ سب سے پہلے طین پہنچے مشہو قلعے اور خراسان کے دروازے تھے۔ یہ دونوں قلعے نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ اس بعد قوہستان پہنچے۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے، احنف بن قیس ؓ نے ان پر منجنیقوں کے ذریعہ سے باری کی۔ اتنے میں سیدنا عبداللہ ابن عامر ؓ گورنر بصرہ بھی اپنی افواج کے ساتھ آ گئے۔ اہل قوم نے جب دیکھا کہ وہ لشکر اسلام کی سنگ باری اور حملہ کی شدت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے پہاڑوں کی سمت جان بچانے کے لیے بھاگنا شروع کر دیا۔ جب دیکھا کہ وہاں بھی کوئی جائے پناہ ہے تو ۶ لاکھ سالانہ درہم جزیہ پر لشکر اسلام سے صلح کر لی اور اسلامی حکومت کے باجگزار ہو گئے۔
(فتح البلدان)

دیگر مختلف شہروں کی فتح

روایات میں ہے کہ جب عبداللہ ابن عامر ؓ بصرہ سے خراسان کی فتح کے ارادے سے سعید ؓ سے پہلے نیشا پور پہنچ گئے اور سعید ؓ قومس میں ٹھہر گئے پھر جرجان پہنچے اور اہل جرجا لاکھ پر صلح کر لی۔ پھر طمیسہ آئے، یہ ساحل سمندر پر طبرستان کا ایک شہر ہے۔ اہل شہر نے جم کیا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جب مقابلہ زیادہ سخت ہوا تو سیدنا سعید ؓ نے سیدنا حذیفہ ؓ کے مطابق نماز خوف ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے دلوں پر اہل اسلام کا رعب ڈال دیا، وہاں کے لوگوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ سیدنا سعید بن عاص ؓ نے سوائے ایک آدمی کے باقی سب کو قتل کر دیا۔

ففتلوا اجمعین الا رجلا واحدا
"پس مسلمانوں نے سب اہل قلعہ کو قتل کر دیا' سوائے ایک آدمی کے"۔
(ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۴۔ طبری، ج ۳، ص ۳۲۴)

اس کے بعد سعید ؓ نے نامیہ نامی شہر کو فتح کیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ

نامیہ شہر نہیں ہے بلکہ صحرا ہے) اور یہاں سعید ؓ کے لشکر میں محمد بن الحکم کا انتقال ہو گیا۔ پھر سعید ؓ کوفہ واپس تشریف لے گئے۔

نیشا پور کے سقوط نے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں رہنے والوں کے حوصلے پست کر دیے۔ ادھر سیدنا عبداللہ ابن عامر ؓ نے مختلف فوجی افسروں کی ماتحتی میں تھوڑی تھوڑی فوج دے کر انہیں نیشا پور کے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ابو یزید بن یزید الجرشی ؓ کو رستاق زام کی طرف روانہ کیا۔ ابو سالم یزید ؓ جب رستاق زام پہنچے تو اہل شہر نے مزاحمت کی، لیکن اسلامی لشکر کے حملے کی تاب نہ لا کر جلد ہی صلح کر لی اور باجگزار بن گئے۔ اس کے بعد ابو سالم یزید نے باخرز پر حملہ کیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو بھی فتح کر لیا' پھر جوین پر لشکر کشی کی اور اس کو بھی جلد ہی مسخر کر لیا۔

(فتوح البلدان، ص ۴۱۰)

سیدنا ابن عامر ؓ نے الاسود بن کلثوم العدوی کو نیشا پور کی ایک تحصیل بیہق کی طرف روانہ کیا۔ اہل شہر نے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ اتفاق سے بیہق کی شہر پناہ میں ایک بہت بڑا سوراخ تھا۔ اسود اس سوراخ کے راستے فوج کا ایک دستہ لے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ دشمن نے شہر پناہ میں ان کو گھیر لیا۔ اسود نہایت دلیری اور جانبازی سے لڑے۔ خوب رن پڑا حتیٰ کہ اسود نے اپنے سمیت جام شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی ادہم بن کلثوم نے علم اور نہایت جوش و خروش اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت کی اور ان کے ہاتھوں بیہق فتح ہو گیا۔ روایات میں ہے کہ اسود اپنی زندگی میں حق تعالیٰ کے اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ!

ان یحشرہ من بطون السباع والطیر۔

''مجھے قیامت کے دن درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں سے اٹھانا''۔

(فتوح البلدان، ص ۴۱۱)

اس وجہ سے ان کے بھائی ادہم نے ان کے تمام شہداء ساتھیوں کو تجہیز و تکفین کے بعد دفن کر دیا۔ لیکن ان کی لاش کو درندوں اور پرندوں کی خوراک کے لیے ان کی حسب

خواہش ویسا ہی رہنے دیا۔

اسی دوران سیدنا عبداللہ ابن عامر ؓ نے نیشا پور کے علاقے میں بشت اشبند، رخ، زادہ، خواف، اسرائن، ارغیان کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ابرشہر جو کہ نیشا پور کا ایک شہر ہے، کا رخ کیا۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے...... چنانچہ ان کا کئی ماہ تک محاصرہ کیا گیا۔ شہر کے چار حصے تھے اور ہر حصے پر ایک حکمران تھا جس کو مرزبان کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک مرزبان نے اس شرط پر رات کو دروازہ کھولنے کا وعدہ کیا کہ اگر اس کو امان دی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ نے اس کی اس شرط کو منظور کر لیا۔ چنانچہ اس نے رات کو شہر پناہ کا دروازہ لشکر اسلام کے لیے کھول دیا۔ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا لیکن ان چاروں میں جو بڑا مرزبان تھا وہ اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اسی حواس باختگی کے عالم میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ اسلامی سپاہ نے قلعہ پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے اس نے مجبور ہو کر دس لاکھ سالانہ درہم خراج قبول کر کے صلح کر لی۔ (بعض روایات میں ۷ لاکھ سالانہ ہے) نیشا پور کی فتح کے بعد عبداللہ ابن عامر ؓ نے عبداللہ بن خازم السلمی ؓ کو حمراندز جو کہ نسا کی ایک تحصیل ہے کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس پر حملہ کر کے نہایت آسانی سے اسے فتح کر لیا اور انہوں نے تین لاکھ درہم سالانہ پر ان سے صلح کر لی۔

(فتوح البلدان، ص ۳۱)

سرخس اور طوس کی فتح

اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ عبداللہ بن خازم ؓ کو ابی درو کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے چار لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی پھر عبداللہ ابن خازمؓ سرخس کی طرف رونما ہوئے۔ حاکم سرخس نے دو چار لڑائیوں کے بعد سو آدمیوں کی امان پر شہر اہل اسلام کے سپرد کر دیا حاکم طوس نے چھ لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر مصالحت کر لی۔

طوس کو فتح کرنے کے بعد عبداللہ بن عامر ؓ نے ایک لشکر اوس بن ثعلبہ کی سر کردگی میں (بعض روایات میں کلیہ بن عبداللہ الحلی آیا ہے) ہرات روانہ کیا۔ یہ سن کر ہرات کے حکمران نے ایلچی مصالحت کے لیے سیدنا عبداللہ بن عامر ؓ کے پاس بھیجا۔

سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ہرات، باذغیس کو بوشنج کے لیے دس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی اور یہ معاہدہ لکھا:

''یہ معاہدہ عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ اور ہرات، باذغیس اور بوشنج کے حکمرانوں کے مابین طے پایا کہ اس کو اللہ کے خوف، مسلمانوں کی خیر خواہی اور رعایا کی اصلاح و بہبود کے لیے حکم دیا جاتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہرات کی وادیوں اور پہاڑوں کی طرف سے معاہدہ مذکور کے مطابق جزیہ ادا کرے گا اور رعایا سے عدل و انصاف سے پیش آئے گا اور اگر اس نے ان باتوں سے اجتناب کیا تو معاہدہ منسوخ اور باطل ہو جائے گا اور ہماری طرف سے اس کے لیے کوئی تحفظ نہیں ہوگا''۔

(فتوح البلدان، ص۴۱۲)

اس معاہدہ کو ربیع بن نہشل نے لکھا ہے اور عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اس پر مہر لگائی۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ خود لشکر لے کر ہرات کی جانب گئے۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر صلح کر لی اور دس ہزار درہم سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔

پھر سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے حاتم بن النعمان الباہلی کو مرو کی جانب روانہ کیا، لیکن انہوں نے بیس لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ ان کی صلح میں یہ شرائط تھیں کہ:

۱۔ وہ اہل اسلام کو اپنی منازل میں کافی اور وسیع جگہ دیں۔

۲۔ اور مال کی تقسیم اہل مرو کے ذمہ ہے۔

۳۔ اور مسلمانوں کے ذمہ صرف اس مال کا لینا ہے۔

اس صلح نامہ کے تحت سوائے سنج کے علاقہ کے باقی تمام مرو نے صلح کر لی، اس علاقہ پر بعد میں...... شمشیر قبضہ کر لیا گیا۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اہل مرو نے صلح کے بعد جزیہ کے طور پر غلام، کنیزیں، چوپائے اور دوسری قسم کا مال و متاع دیا کیونکہ ان کے پاس روپیہ پیسہ نہ تھا۔

(فتوح البلدان، ص۴۱۲)

طخارستان کی فتح

مرو اور ہمرات کی فتح کے بعد سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ صحابی رسول کو ایک لشکر کا...... کر طخارستان کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ احنف رضی اللہ عنہ لشکر کو لے کر ''قصر الاحنف'' تک پہنچے جو مروالروز ایک قلعہ ہے۔ انہوں نے اہل شہر کا محاصرہ کر لیا اور تین لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح ہوئی۔ احنف رحمہ اللہ اس صلح کو اس شرط پر منظور کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص ''قصر الاحنف'' جا کر بلند آواز سے اذان کو رد وہاں نماز پڑھ کر واپس آئے۔ حاکم شہر نے اس شرط کو قبول کر لیا اور آپس میں صلح ہوگئی۔

اس کے بعد احنف بن قیس رضی اللہ عنہ مرو اسروز پہنچے اور اہل شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دونوں طرف سے سخت ادا لیکن نتیجہ میں مسلمانوں نے دشمن کو شکست دی اور وہ مجبوراً قلعہ بند ہو گیا۔ مروالروز کا دام وائی یمن کی (جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غیبی اطلاع کے صحیح ثابت ہونے پر مشرف باسلام ہوگیا تھا) اولاد میں سے تھا۔ اس نے سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ میرے جد امجد بلند آپ لوگوں کے دین کو قبول کرنا مجھے اس بات کی طرف مائل کرتا ہے کہ تم لوگوں سے صلح کر لو چنانچہ اس نے ۶ لاکھ درہم سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

یہ روایت ابو عبیدہ کی ہے لیکن ابو عبیدہ کے ماسواء دوسرے راوی یوں روایت کرتے ہیں مروالروز کی فتح کے بعد طخارستان کے لوگوں نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں اور اہل جرجان، طالقان اور اہل فاریاب کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جمع کیا۔ ان کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی۔ پھر ان کے ساتھ اہل صغانیان بھی آملے اور تعداد میں مزید اضافہ ہوگیا۔ سیدنا احنف کے دشمن کی تعداد کی اس کثرت پر کچھ فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ وہ اس صورتحال پر سوچ بچار کرنے کے لیے اپنے خیمے میں تشریف لائے اور کافی دیر تک سوچتے رہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر تشویش کے عالم میں خیمے سے باہر نکلے اور سپاہیوں کے کیمپ کی طرف نکل گئے۔ دیکھا کہ ان کی فوج کے سپاہی آپس میں اسی معاملہ کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک بولا کہ دشمن کو شکست دینے کی صرف ایک صورت

ہے کہ ہمارا کمانڈر فوراً دشمن کی طرف پیش قدمی کردے اور جس جگہ مٹھ بھیڑ ہو، وہیں دشمن سے الجھ جائے۔ دوسرا سپاہی جو ہنڈیا کے نیچے آگ دہکا رہا تھا یا آٹا گوندھ رہا تھا، یوں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ صحیح اور غائب رائے یہ ہے کہ ہمارا کمانڈر پہاڑ کی گھاٹی میں لڑائی ہو کر مرغاب (ایک نہر تھی جو مروالروز کی طرف جاتی تھی) اور پہاڑ کے درمیان اس طرح اترے کے مرغاب دائیں جانب اور پہاڑ بائیں جانب ہو۔ اس طریقے سے جنگ کرنے میں دشمن کی...... گی۔ لہٰذا مقابلہ برابر کا ہوگا۔ اس سپاہی کی یہ رائے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے تہیہ کرلیا کہ اس رائے پر عمل کروں گا۔

قلیل اسلامی لشکر کا کثیر کفار پر حملہ

سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت صرف ۵ ہزار فوج تھی۔ چار ہزار عربی سپاہی اور ایک ہزار سپاہی اور دشمن کے لشکر کی تعداد ۴۰۔۴۵ ہزار کے قریب تھی۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے اسی قلیل فوج کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کا عزم کرلیا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز وہ اسلامی پھریرا ہوا میں لہراتے ہوئے دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن نے بھی جوابی حملہ کیا بڑے زور کا رن پڑا۔ غعانیاں کا ہے مسلمانوں کی فوج کے کمانڈر سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھا۔ اچانک دونوں کی مٹھ بھیڑ وصغانیاں کے بادشاہ نے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ پر اپنے نیزے سے حملہ کیا۔ احنف رضی اللہ عنہ! طرح دے گئے اور گیا۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے نہایت پھرتی سے اس کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ اب وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس نیب ادشاہ کو فوراً قتل کردیا اور اس کے ساتھ تین طبل داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست دلوائی اور ان کے سب کمانڈر ذلیل ہو کر مارے گئے۔ سرداروں کا مرنا تھا کہ لشکر اعداء سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور تمام اسلحہ میدان جنگ میں چھوڑ گیا جو اہل اسلام کے قبضے میں آ گیا۔ دشمن کی شکست کے بعد احنف رضی اللہ عنہ مروالروز واپس آگئے'، دشمن کی ہزیمت خوردہ فوج کے کچھ دستے جوزجان پہنچ گئے۔ ان کی سرکوبی کے لیے احنف رضی اللہ عنہ نے حابس التیمی رضی اللہ عنہ کو ایک سوار دستے کے ساتھ جوزجان بھیجا۔ سیدنا اقرع رضی اللہ عنہ نے بنوتمیم کے لوگوں کو جو کہ ان کے ساتھ تھے' مخاطب کرکے فرمایا:

یا بنی تعمیم ا تحابوا و تباذلوا تعتدل امور کم وابلوا یجهاد بطونکم و فروجکم یصلح لکم دینکم ولا تغلوا یسلم لکم جهاد کم

''اے بنی تمیم! آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے پر مال خرچ کرو۔ اپنے معاملات کو درست رکھو اور اپنے پیٹوں اور شرمگاہوں سے جہاد کو شروع کرو۔ حق تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے دین کو بہتر بنا دے گا۔ غلو نہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جہاد کو امن و سلامتی والا بنا دے گا''۔

(فتوح البلدان، ص ۴۱۴)

سیدنا اقرع ؓ نے دشمن کا تعاقب کیا اور جوزجان میں دشمن سے سخت مقابلہ ہوا۔ پہلے تو لشکر سلام کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن دشمن پر ایسا زبردست حملہ کیا گیا کہ کافر منہزم ہو گئے اور جوزجان فتح ہو گیا۔

سیدنا احنف ؓ نے طالقان اور فاریاب کو بھی فتح کیا اور وہاں کے باشندوں نے ان سے صلح کر لی۔ دوسری روایت میں ہے کہ احنف ؓ نے فاریاب کو فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس کو فتح کرنے کا سہرا امیر بن احمر کے سر ہے۔

بلخ کی فتح

طالقان اور فاریاب کو فتح کرنے کے بعد سیدنا احنف بن قیس ؓ نے بلخ کی جانب لشکر کشی کی۔ بلخ کا ایک شہر ہے۔ جب اہل شہر کو مسلمانوں کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو انہوں نے فوراً چار لاکھ سالانہ اور دوسری روایت کے مطابق ۷ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ سیدنا احنف ؓ نے بلخ کا علاقہ الشمس کی تحویل میں دے کر فوراً خوارزم کی جانب پیش قدمی کی۔ خوارزم کا پورا علاقہ جیحون کے پانے سے سیراب ہوتا ہے اور اس کا مشرقی شہر ہے۔ اہل خوارزم کو جب مسلمانوں کی پیش قدمی کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے دریا کے پل توڑ دیے اور تمام کشتیاں اور دریا پار کرنے کی دوسری اشیاء کو وہاں سے ہٹا دیا تاکہ

مسلمان دریا کو عبور کر کے خوارزم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ چنانچہ واقعی اسید اوران کا لشکر دریا کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لہٰذا وہ واپس آ گئے۔ بعد میں اہل بلخ نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ماورون النہر کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ جب ماورالنہر کو ان کی اس فتح کی اطلاع تو انہوں نے صلح کی پیش کش کر کے سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اور بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دریائے جیحون کو عبور کر لیا اور ایک ایک قصبے اور قریہ میں جا کر اس نے کیا۔ خراج اور جزیے کے طور پر مختلف علاقوں نے چوپائے، غلام، کنیزیں، کپڑے، ریشم اور بہت مال ان کی خدمات میں پیش کیا۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا حج شکرانہ

سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ اموی کو ۲۹ھ میں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ عنفوان شباب اور نا تجربہ کاری، لیکن اس کے باوجود سیدنا عثمان کی نگاہ بصیرت اور مومنانہ ذہانت ان کی اندرونی تمام قابلیتوں اور صلاحیتوں سے واقف و آشنا تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ الذہن، تجربہ کار اور پختہ کار بزرگ کو ہٹا کر اس جگہ بصرہ کی گورنری پر ان کو مقرر فرمایا اور تاریخ کے اوراق اس بات کی بین شہادت دیتے ہیں کہ امیدیں اور توقعات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے وابستہ کی تھیں آپ نے ان سب کو صحیح ثابت کر دکھایا چنانچہ انہوں نے چار پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اتنے شہروں کو فتح کیا کہ دنیا کے عظیم فاتح اور دنیا کے بڑے حکمران ان کی اس فتح یابی پر انگشت بدندان ہیں۔ ان فتوحات سے ایک طرف تو اسلامی مملکت کے طول و عرض میں اضافہ ہوا اور دوسری طرف کروڑہا روپیہ مال غنیمت اور خراج و جزیہ کے طور مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مال و دولت کی کثرت اور فروانی اس قدر ہوئی کہ دار الخلافت میں ایک (Exchequer) بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ روایات میں آتا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو دل کھول کر مال و دولت سے نوازا اور اتنا زر نقد تقسیم کیا کہ مدینہ طیبہ کے ہر مسلمان ہزار ہزار بدرے ملے جن میں چار چار ہزار اوقیہ تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ان فتوحات سے محاذ کا ہر سپاہی اور مدینہ طیبہ کا ہر فرد متاثر تھا اور ان کی قابلیت اور ذہانت کی توصیف و تحسین میں رطب اللسان تھا۔ اکثر لوگ تو ان کے سامنے بھی...... کہ جس قدر فتوحات آپ کے زور بازو سے ہوئی ہیں۔ اس قدر کسی اور سے نہیں ہوئیں لیکن مسلمان ہر کار خیر اور دست و بازو کے ثمرات کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ مالک حقیقی اللہ رب العزت کے فضل و کرم کا نتیجہ شمار کرتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں کو یہ جواب دیے جو ان کی اس قدر فتوحات پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے۔ کہ "اس خالق حقیقی اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ جیسے ضعیف و ناتوان کے ہاتھوں سے اس قدر بلاد و...... کو مفتوح کروایا۔ لہٰذا میں شکرانے کے طور پر اپنی جائے اقامت سے احرام باندھ کر حج بیت اللہ اور ایک روایت میں عمرہ کا ذکر ہے) کروں گا۔

(فتوح البلدان، ص ۴۱۵)

چنانچہ انہوں نے ان فتوحات کے بعد خراسان پر قیس بن ہشیم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وہاں سے حج بیت اللہ کا احرام باندھا۔ احرام باندھ کر سب سے پہلے وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ...... آئے...... اور پھر حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور حج شکرانہ بجالائے۔

علامہ ابن اثیر جزری ؒ نے لکھا ہے کہ احرام باندھ کر وہ پہلے مکہ مکرمہ گئے اور وہاں سے حج کر کے طیبہ آئے اور مال غنیمت کا معتد بہ حصہ مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا جس سے اہل مدینہ بہت...... ہوئے۔ یہ سب فرائض انجام دے کر وہ پھر واپس بصرہ تشریف لے گئے۔

(اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۳۱)

کرمان کی فتح

عہد فاروقی میں اسلامی لشکر نے کرمان پر حملہ کیا تھا اور اسلامی فوجوں نے جیرفت اور شیرجان کی طرف پیش قدمی بھی کی لیکن یہ علاقہ باقاعدہ طور پر اسلامی مملکت میں داخل نہ ہو سکا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جب زمام خلافت آئی تو بصرہ کے گورنر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک جرنیل ابن عامر رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ کرمان پر فوج کشی کے

لیے بھیجا۔ ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے شیر جان کے گردونواح کا علاقہ اور بم اور اندغار کو فتح کرلیا' لیکن موخرالذکر دونوں علاقوں کے لوگوں نے جزیہ دے کر صلح کرلی۔

(فتوح البلدان، ص ۲۹۹)

کرمان ایک اچھا خاصہ وسیع علاقہ ہے۔ اس کے مغرب میں فارس، مشرق مین سیستان، جسے اہل عرب بحستان کہتے ہیں۔ شمال میں کوہسان اور جنوب میں مکران اور بحرعمان ہے۔ اس کا دارالسلطنت جیروقت ہے۔ دوسرے مشہور حسب ذیل ہیں:

شیر جان، ہرموز، ماہان، کوغون، بم، فہرخ، قفص، بافت، جترو غیرہ۔

شیر جان کرمان کا سب سے بڑا شہر ہے اور اس کا تجارتی مرکز یا تجارتی شہر بھی ہے اس کا دارالحکومت جیرفت ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ جب خراسان گئے تو انہوں نے مجاشع بن مسعود السلمی کو کرمان کی مہم سر کرنے کے لیے متعین فرمایا (۷) کیونکہ کرمان کا جس قدر علاقہ خلافت فاروقی میں فتوح ہوا تھا وہاں کے لوگوں نے نقض عہد کر کے بغاوت کردی تھی۔ انہوں نے کرمان میں اپنے داخلے کے ساتھ...... کو بزور شمشیر فتح کیا اور اہل شہر کو امان دی اور وہاں ''قصر مجاشع'' کے نام سے ایک گورنمنٹ ہاؤس تعمیر کیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۴)

اس کے بعد مجاشع رضی اللہ عنہ نے بروخردہ فتح کیا پھر شیر جان جو کہ کرمان کا ایک بہت بڑا شہر ہے پہنچے اور چند روز قیام فرمایا۔ اہل شہر اسلامی لشکر کو دیکھ کر قلعہ بند ہو گئے۔ مجاشع رضی اللہ عنہ نے ان سے باقاعدہ جنگ کی اور شکست فاش دی اور ان لوگوں کو جنہوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور جلاوطن کر دیا اور جنہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا اور ان کو شہر میں بودوباش اور قیام کی اجازت دے دی۔ پھر اپنے ساتھیوں میں سے ایک کے سپرد وہاں کا انتظام کر کے بم کا رخ کیا۔ بم اور اندغار کے لوگوں نے خلافت فاروقی میں اہل اسلام سے اکراج کے وعدہ پر صلح کرلی تھی لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے اور حکومت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ لہٰذا مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دونوں شہروں کو دوبارہ بزور شمشیر فتح کیا پھر کرمان کا

دارالحکومت جیرفت فتح کیا اور اس کے اطراف کو فتح کرتے ہوئے قفص پہنچے۔ یہاں جلا وطن لوگوں اور مقامی لوگوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر اہل اسلام کے مقابلے کے لیے جمع ہو گیا لیکن اسلامی لشکر نے ان پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے لشکر نے مسلمانوں کے اس زبردست حملے کو بڑی قوت اور طاقت سے روکا اور بڑی شجاعت اور بسالت کے کارنامے دکھائے۔ لیکن ہزیمت اور شکست ان کے مقدر میں تھی۔ لہٰذا بری طرح شکست کھائی اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن اکثر ایرانی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے راستے مکران اور بجستان بھاگ گئے اور بہت سے آدمی اسی دارو گیر میں مارے گئے۔

جو لوگ کرمان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، لشکر اسلام نے ان کے مکانات اور اراضی پر قبضہ کر لیا اور ان کی اراضی کو خوب آباد کیا۔ خود کرمان میں بھی زراعت کو ترقی دینے کے لیے جگہ جگہ نہریں کھدوائیں اور اس بنجر اور غیر آباد خطے کو سرسبز و شاداب کر کے جنت نظیر بنا دیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۴۔ فتوح البلدان، ص ۳۹۹)

بجستان کی فتح

بجستان جس کو سیستان بھی کہا جاتا ہے، کرمان کے مغرب میں واقع ہے اور اس کا حدود اربعہ یہ ہے:

شمال میں ہرات' جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کرمان، کوہستان، زرنج آمل، فرہ وغیرہ شہر ہیں۔

۲۳ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بجستان کی فتح کی مہم عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ عاصم رضی اللہ عنہ جب اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے تو عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ان سے مل گئے۔ جب اسلامی لشکر بجستان کی سرحد پر پہنچا تو اہل بجستان اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر لشکر اسلام کے مقابلہ میں صف آراء ہو گئے۔ میدان جنگ میں سخت مقابلہ ہوا۔ مسلمان بھوکے بازوں کی طرح ان پر جھپٹے اور شیر نیستان کی طرح ان پر حملہ آور ہوتے۔ اہل بجستان مقابلہ کی تاب نہ لا کر بجستان کے دارالحکومت زرنج میں قلعہ بند ہو گئے۔ لشکر اسلام نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اپنے فوجی دستوں کو گرد و نواح کی بستیوں میں بھیجنا

شروع کر دیا۔ بستیوں والے مسلمانوں کے لشکر سے اس کی مسلسل کامیابیوں کے باعث پہلے ہی خوفزدہ تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کے دستے جس بستی میں بھی جاتے، بستی کے باشندے فوراً دست مصالحت ان کی طرف بڑھا دیتے اور جزیہ دینا قبول کر لیتے جو لوگ لشکر اسلام کا مقابلہ کرتے وہ نہایت بری طرح پامال ہوتے۔ زرنج کے مدافعین کو یہ سب خبریں برابر مل رہی تھیں۔ لہٰذا انہیں پورا یقین ہو گیا کہ اگر محاصرے نے طول کھینچا تو ان کا ملک بالکل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے اس شرط پر صلح کر لی (۸) کہ مسلمان ان کے کھیتوں اور باغات کو پامال اور برباد نہیں کریں گے۔ صلح کی اس شرط کے طے ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ وہ ان کے کھیتوں سے بچ بچ کر چلتے تاکہ کہیں نقصان نہ پہنچ جائے اور ہم پر نقض شرط کا الزام عائد نہ ہو جائے۔ چنانچہ دونوں فریق (اہل اسلام اور اہل سجستان) اپنی اپنی شرائط کا برابر احترام کرتے رہے۔

جب سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ خراسان تشریف لے گئے اور وہاں سے کرمان کے شہر شیرجان گئے تو وہاں سے انہوں نے ربیع بن زیاد الحارثی کو سجستان فتح کرنے پر مامور فرمایا۔ ربیع سب سے پہلے فہرج اترے اور پھر وہاں سے نہایت سرعت کے ساتھ منزلیں طے کرتے ہوئے قلعہ زالق گئے۔ زالق اور سجستان کے درمیان صرف پانچ فرسخ کا فاصلہ ہے۔ آپ نے ان کے نوروز کے دن ان پر حملہ کیا اور ان کے حکمران کو گرفتار کر لیا۔ حاکم زالق نے اپنی جان بچانے کی خاطر ایک نیزہ زمین کے برابر سونا اور چاندی پیش کیا۔ یعنی نیزے کو زمین میں گاڑ دیا گیا اور اس پر اتنا سونا اور چاندی رکھا کہ وہ زمین میں چھپ گیا۔ سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ نے اس کی اس پیش کش کو منظور کر کے ان کا خوف معاف کر دیا اور صلح کر لی۔

(ابن کثیر، ج ۴، ص ۱۶۴ ـ فتوح البلدان ـ ص ۴۰۰)

کرکویہ اور دیگر شہروں کی فتح

پھر سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ نے کرکویہ پر حملہ کیا اور وہاں کے باشندوں نے صلح کر لی، پھر وہ زرنج کی طرف سے اور زرنج کے قریب روشت نامی شہر میں قیام کیا۔ اہل زرنج نے کھلے میدان میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ کچھ مسلمان سپاہی کام آئے اور کچھ زخمی ہوئے اور دشمن کے بہت سے آدمی کھیت رہے۔ مسلمانوں نے دوبارہ اتنا

شدید حملہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر ناشروز اور شرواز پر حملہ کیا اوران..... شہروں کو نہایت آسانی سے فتح کرلیا۔ ان دونوں شہروں کو فتح کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے ذنج کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر نے خوب مقابلہ کیا' لیکن مسلمانوں کی فوج کے سامنے ان کی کوئی تدبیر ہرگز نہ ہوئی۔ آخرانہوں نے اپنے حاکم کی معرفت سپہ سالار لشکر اسلامی کو صلح کی درخواست کی اور حاکم شہر صلح کی شرائط پر بات چیت کے لیے اپنی جان کی امان لے کر لشکر اسلامی میں حاضر ہوا۔ اس سے گفتگو کرنے کے لیے سیدنا ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ اس طرح بیٹھے کہ ایک مقتول پر وہ بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے مقتول پر تکیہ لگایا ہوا تھا۔ انہوں نے دوسرے مسلمان افسروں کو بھی اسی طرح بیٹھنے کے لیے کہا۔

چنانچہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس بیٹھک کا حاکم زرنج پر اس قدر اثر ہوا اور وہ اتنا مرعوب ہوگیا کہ ربیع رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھے ہوئے وہ کانپ رہا تھا اور اس نے مسلمانوں سے ایک ہزار غلام اور ہرنام کے ساتھ ایک سونے کا پیالہ دے کر صلح کرلی۔ صلح کے بعد اسلامی فوجیں فاتحانہ انداز مین شہر میں داخل ہوگئیں۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۵۔ فتوح البلدان، ص ۴۰۱)

پھر سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ سناروز کی وادی کو عبور کر کے القریہ میں پہنچے، جہاں پہلوان رستم (ایران کا وزیر......) کے گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ (مربط) تھی۔ یہاں کے لوگوں نے اسلامی لشکر کی مزاحمت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی۔ لیکن اسلامی لشکر مظفر ومنصور رہا۔ القریہ (فتوح......ان نے شہر کا نام القریتین لکھا ہے) کو فتح کرنے کے بعد سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ زرنج واپس آگئے اور وہاں ایک سال کے قریب قیام فرمایا۔ ایک سال کے قیام کے بعد وہاں ایک شخص کو اپنا جانشین مقرر کر کے سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ واپس آگئے۔ سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ ڈیڑھ سال ہے اور جب یہ واپس آئے تو چالیس ہزار افراد ان کی قید میں تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ربیع رضی اللہ عنہ اتنی جلیل القدر شخصیت ہے کہ سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ عنہ ان کے کاتب تھے۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۵۔ فتوح البلدان، ص ۴۰۱)

سیدنا ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آجانے کے بعد اہل زرنج نے سرکشی اور...... کا علم بلند کر دیا اور مررہ خراج مسلمانوں کو دینا بند کر دیا اور مسلمان عامل جن کو ربیع رضی اللہ عنہ زرنج میں اپنا نائب مقرر کر آئے تھے' نکال باہر کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سجستان کا حاکم مقرر کر کے زرنج کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ آخر اہل شہر نے طویل محاصرہ سے تنگ آ کر ۲۰ لاکھ درہم سالانہ اور دو ہزار غلاموں کے بدل میں صلح کر لی۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۵)

اس کے بعد صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے زرنج اور کش (یہ شہر جرجان سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر ہے) جو ہندوستان کے ایک کونے میں واقع ہے۔ (آج کل بلوچستان کے صوبے میں شامل ہے) قبضہ کر لیا۔

(فتوح البلدان، ص ۴۰۱۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۵)

پھر کابل کے قریب ایک شہر ناختہ الرخج پر قبضہ کیا، پھر آگے بڑھ کر جبل الزور جو بت پرستوں اور مشرکوں کا ایک شہر تھا کا محاصرہ کر لیا۔ مشرکین نے محاصرہ کی تاب نہ لا کر صلح کی درخواست کی۔ مسلمانوں نے اگرچہ ان سے صلح کر لی۔ لیکن ان کے بت کو جن کا نام زور تھا، توڑ دیا۔ یہ بت سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں کی جگہ دو یاقوت لگے ہوئے تھے۔ آپ نے اس بت کا ہاتھ کاٹ کر اس کی آنکھوں کے دونوں یاقوت لے لیے۔ پھر حاکم شہر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ شاید میں نے سونا اور جواہرات حاصل کرنے کے لیے اس کو توڑا بلکہ۔

"ان زر و جواہر کی مجھے کوئی حاجت نہیں۔ یہ سب آپ کو مبارک، میں نے اس کو توڑ کر آپ لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ زر و جواہر کا یہ بت آپ کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ"۔ (لہٰذا اس کی عبادت اور اس کے آگے سجدہ ریز ہونا سراسر حماقت اور شرف انسانیت کی توہین اور تذلیل ہے)۔

(فتوح البلدان، ص ۴۰۲۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۵۔ ابن خلدون، ج ۳، ص)

کابل اور زابلستان کی فتح

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت قابل اور لائق جرنیل بھی تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن ابن عامر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو سیستان کا والی بنا کر بھیجا اور انہوں نے زرنج کی بغاوت کو فدا کر کے جبل الزور تک پیش قدمی کی تو اہل کفر کا کوئی لشکر ان کی اس پیش قدمی کو روک نہ سکا۔ چنانچہ جبل الروز کی فتح کے بعد انہوں نے کابل (افغانستان) کا یہ رخ کیا۔ یہ شہر پر شہر فتح کرتے ہوئے کابل پہنچے۔ اہل شہر مقابلہ کی ہمت نہ پاتے نہ پاتے ہوئے محصور ہو گئے' لیکن سیدنا عبدالرحمٰن کا دل ایمان سے لبریز تھا اور شہر کی مضبوط فصیل ان کی پیش قدمی کے راستہ میں حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ طویل محاصرہ کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کھلے میدان میں آ کر ان کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار نہیں ہے تو انہوں نے شہر کی فصیل کے اردگرد منجنیقیں نصب کر کے شہر پر سنگ اندازی شروع کر دی جس کے نتیجے میں فیصل جگہ جگہ سے منہدم ہوگئی۔ بلکہ ایک جگہ تو بہت بڑا شگاف پڑ گیا...... جس نے شہر میں اسلامی فوج کا داخلہ آسان ہو گیا...... چنانچہ رات کی تاریکی میں لشکر اسلام اس پھاٹک نما شگاف کے راستے شہر میں داخل ہو گیا۔

لشکر اسلام کا شہر میں داخل ہونا مشرکین کابل کے لیے نہایت روح فرسا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ان کو شہر سے نکال باہر کرنے کے لیے اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ سورج افق مشرق سے جھانکنے لگا' لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ سیدنا عباد بن حصین رضی اللہ عنہ نے بہادری اور شجاعت سے وہ جوہر دکھائے اور بسالت و جانبداری کی وہ مثال پیش کی کہ خود مشرکین انگشت بدندان تھے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا تو تھا لیکن کبھی یقین نہیں کیا تھا کہ کیا کوئی شخص ایک ہزار آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن عباد بن حصین رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جانبازی نے مجھے اس کا یقین دلا دیا۔

سپیدہ صبح نمودار ہونے کے ساتھ شہر کے لوگ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے نکلے خدشہ تھا کہ ہاتھی لشکر اسلام کو اپنے پاؤں تلے روند کر نقصان نہ پہنچا دیں کہ فوراً ایک فوجی افسر سیدنا عبداللہ بن حارم سلمیؓ نے مردانہ وار آگے بڑھ کر ایک ہاتھی پر حملہ کیا۔ ہاتھی نے فورا

انہیں اپنی سونڈھ میں پکڑ لیا' لیکن انہوں نے تب مستعدی اور بہادری سے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ اس کی سونڈھ کٹ کر زمین میں جا گری۔ ہاتھی چنگاڑا لیکن اس کے سوار نے سیدنا عبداللہ ؓ پر نیزے سے حملہ کر دیا عبداللہ نے وار خالی دیا اور ہاتھی سوار نے نیزے کے زور سے ہی دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ معاً سیدنا عبداللہ نے اس خوشی و مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کیا جس کو سارے لشکر نے دہرایا۔ اللہ کی تکبیر نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے انفرادی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لشکر اسلام نے ان کا انعاقب کیا اور لاشوں کے پشتے لگا دیے اور شہر فتح ہو گیا۔

کابل کی فتح کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن زابلستان کی جانب بڑھے اور اس بھی بزور شمشیر فتح کر سیدنا عبدالرحمٰن ابھی زابلستان کی مہم کو سر کر رہے تھے کہ اہل کابل نے نقض عہد کر کے بغاوت کر دی۔ لہٰذا سیدنا عبدالرحمٰن کو زابلستان فتح کرنے کے بعد پھر کابل کی طرف آنا پڑا تا کہ اس کی بغاوت کو فرد کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے بغاوت کو فرد کر کے سرغنوں کو قرار واقعی سزا دی۔

سیدنا عبدالرحمٰن کابل اور زابلستان کو فتح کر کے زرنجان واپس آ گئے۔ یہاں قیام کے دوران انہیں پتہ چلا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان کے خلاف مملکت کے بعض گوشوں میں اضطراب کی کچھ لہریں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے وہاں اپنا قیام مناسب نہ سمجھا اور وہ امیر بن احمر کو زرنج میں اپنا مقام بنا کر فوراً مدینۃ الرسول چلے آئے۔

آرمینیہ کی فتح

آرمینیہ جس کے شمال مغرب میں بحر اسود مشرق میں جار جیا یا گرجستان اور جنوب مغرب میں ایشیائے کوچک ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان ؓ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت میں داخل ہوا۔ سیدنا عثمان ؓ جب سریر خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے شام کے گورنر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ؓ کو لکھا کہ وہ حبیب بن مسلمہ انصاری کو لوگوں میں اسلام کو روشناس کرنے کے لیے آرمینیہ بھیجیں کیونکہ حبیب بن مسلمہ کا فتوحات شام اور روم کی جنگ میں اچھا خاصا اثر تھا۔ چنانچہ وہ چھ ہزار اور بقول بعض آٹھ ہزار کا لشکر لے کر

آرمینیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب وہ قالیقلا کے شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی اور جلاوطن ہونے یا جزیہ ادا کرنے کی شرط پر امان مانگی۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو جلاوطن کیا گیا جو بعد میں رومیوں سے جا ملے اور کچھ لوگوں کو جزیہ کی شرط پر امان دی گئی۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ چند ماہ یہاں مقیم رہے۔

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ابھی یہاں مقیم تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ بطریق ارمیناقس نے اہل اسلام سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر جرار اکٹھا کیا ہے اور لان افخار اور سمندر کے باشندوں کی امداد بھی انہیں حاصل ہو گئی ہے۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو صورت حال آگاہ کیا اور امداد طلب کی انہوں نے سیدنا معاویہ کو لکھا کہ وہ شام اور الجزیرہ کے ان مسلمانوں کو جو جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ رکھتے ہوں۔ حبیب رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ سیدنا معاویہ نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں دو ہزار سپاہی جن کو حبیب نے قالیقلا میں بسایا انہیں جاگیریں دیں اور انہیں وہاں مزاطین بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حبیب بن مسلمہ کا خط بارہ گاہ خلافت میں پہنچا تو امیر المومنین نے سعید بن العاص گورنر کوفہ کو لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ الباہلی جو سلمان الخیل کے نام سے مشہور تھے کہ زیر قیادت ایک لشکر حبیب بن مسلمہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ سلمان چھ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے حبیب کی امداد کے لیے روانہ ہوئے۔

اس زمانے میں مواصلاتی ذرائع اتنے تیز نہ تھے۔ اس وجہ سے حبیب بن مسلمہ کے پاس امداد پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ اس عرصہ میں رومی اور ان کے اتحادی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر کے فرات پر خیمہ زن ہو گئے۔ ادھر حبیب کی فوج بھی بالکل تیار تھی۔ انہوں نے کمک کا انتظار کیے بغیر دشمن پر شب خون مارا اور ان کو خوب پامال کیا۔ لیکن چونکہ ان کا سپہ سالار مارا گیا تھا۔ اس لیے باقی ماندہ فوج کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور وہ فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رات کو حبیب بن مسلمہ کی اہلیہ سیدہ ام عبداللہ بنت یزید الکلبیہ نے حبیب سے پوچھا۔

این موعدک؟

''تم کہاں ملو گے''

حبیب بن مسلمہ ﷺ نے کہا:

سرادق الموریان والجنۃ

چنانچہ جب حبیب سراپردہ موریان پر پہنچے تو اپنی اہلیہ کو وہاں موجود پایا' کیونکہ وہ ان سے پہلے پہنچ چکی تھیں۔

حبیب جب رومیوں کو شکست فاش دے چکے تو اس کے بعد وہ کمک ان کے پاس پہنچی جو کوفہ کے گورنر نے انہیں بھیجی تھی۔ کوفہ کو فوج جو سلمان ﷺ کی زیر قیادت حبیب ﷺ کی امداد کے لیے آئی تھی یہ چاہتی تھی کہ مال غنیمت میں انہیں بھی شریک کیا جائے۔ لیکن حبیب ﷺ اور ان کی فوج نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ کچھ آپس میں سخت باتیں بھی ہوئیں لیکن کوئی فوج مال غنیمت میں حصہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ امیر المومنین ﷺ کو اس بارے میں لکھا گیا امیر المومنین نے جواب دیا۔

ان الغنیمۃ باروۃ لاھل الشام

''غنیمت صرف اہل شام کا حق ہے''

ابن اثیر اور ابن خلدون نے ایک اور روایت بھی اس بارے میں نقل کی ہے کہ حبیب بن مسلمہ اہل قالیقلا کو عبرت ناک شکست دینے کے بعد کئی ماہ تک قالیقلا ہی میں اقامت گزین رہے اس اثناء میں انہیں معلوم ہوا کہ بطریق آرمیناقس بلاد ملیقہ سیواس وقوینہ اور ان کے گردونواح نے اسی ہزار لشکر جرار جمع کر کے خلیج قسطنطنیہ جس کو ''موایان'' کہتے ہیں کہ راستے چڑھائی کرنا چاہتا ہے۔ حبیبؓ نے امیر المومنین کو صورت حال سے آگاہ کیا اور امداد کی درخواست کی۔ سیدنا عثمان نے سعید بن العاص گورنر کوفہ کو حکم دیا کہ وہ سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں چھ ہزار کا لشکر حبیب کی امداد کے لیے بھیجیں۔ لیکن اس لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی حبیب دشمن کو عبرت ناک شکست دے چکے تھے۔ رومیوں کو شکست دینے کے بعد حبیب واپس قالیقلا چلے گئے۔

دبیل اور جرزان کی فتح

دبیل اور جرزان ابھی تک قلمرو اسلامی میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا حبیب ﷺ

نے اب ادھر کا رخ کیا۔ چنانچہ وہ مربالا پہنچے۔ یہاں بطریق خلاط سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کا ایک خط امان کے بارہ لے کر آیا' جس کو آپ نے قبول کر لیا اور ایک امان نامہ انہیں لکھ دیا۔
اس کے بعد آپ نے جرزان کا رخ کیا' وہاں کے بطریق نے بھی صلح کی درخواست کی اور انہیں بھی ایک امان نامہ لکھ دیا گیا۔ پھر تفلیس کا رخ کیا۔ انہوں نے بھی امان چاہی اور انہیں بھی امان نامہ لکھ کر دے دیا گیا' جن کو بلاذری نے فتوح البلدان میں نقل کیا ہے۔
اس کے بعد حبیبؓ نے اس علاقے کے اور بہت بڑے شہروں کو فتح کیا اور ان کے باشندوں کا خون معاف کیا لیکن ان کی زمینوں پر خراج اور ان کے افراد پر جزیہ لگا دیا۔

شمشاط اور ملطیہ کی فتح

شمشاط اور آرمینیہ کی جنوبی سرحد کے قریب ایک مقام ہے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شمشاط کو اسلامی مملکت میں داخل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یا تو خود اس پر چڑھائی کروایا کسی اور فانی جرنیل کو اس مہم کے سر کرنے پر متعین کرو۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچتے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ انصری رضی اللہ عنہ اور صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے مامور کیا۔ دونوں حضرات تعمیل حکم کے لیے شمشاط پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی پیش کی' جو منظور کر لی گئی:

۱۔ اہل شمشاط کا ہیکل اور اس کے ارد گرد کا علاقہ انہی کے پاس رہے گا۔
۲۔ جو کلیسا اس وقت شمشاط میں موجود ہیں' ان کے علاوہ اہل شمشاط اور کوئی کلیسا تعمیر نہیں کر سکیں گے۔
۳۔ اسلام کے دشمنوں میں سے اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو اہل شمشاط مسلمانوں کی مدد کریں گے۔
۴۔ ان شرائط میں سے اگر کسی ایک شرط کو بھی اہل شمشاط توڑ دیں گے تو مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

("فتوح البلدان" ص ۱۹۲)

شمشاط سے ۸۰ میل دور جنوب مغرب میں ایک شہر ملطیہ واقع ہے۔ یہ اگر چہ آرمینیہ سے باہر ہے لیکن الجزیرہ کا ایک نہایت اہم شہر ہے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بھیجا کہ وہ ملطیہ پر بھی لشکر کشی کر کے انہیں قلمرو اسلامی میں داخل کریں۔ سیدنا معاویہ نے اس مہم کے لیے بھی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب فرمایا اور ایک لشکر دے کر انہیں اس پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بزور شمشیر اس کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں داخل کر لیا۔

(''فتوح البلدان'' ص ۱۹۳)

آرمینیہ کے متعدد علاقوں کی فتوحات

اسی سال یعنی ۲۵ھ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا سلمان بن ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے اران پر لشکر کشی کی، جو آرمینیہ کا مشرق صوبہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ بلقان' ثرثور رسانیق' شفین، مسفوان، اوذ، مصریان، شمکور، قبلہ، شکن، قمیران، شروان ، نبال، شابران کو فتح کر لیا۔ اہل کفر کے دلوں پر مسلمانوں کا اس قدر رعب تھا کہ انہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنے اپنے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیئے اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ البتہ بلاسجان کے باشندوں نے، جو کرد قوم سے تعلق رکھتے تھے، اسلامی لشکر کی مزاحمت کی، لیکن منہ کی کھائی بڑی اور جزیہ دے کر صلح کی۔

(''ابن اثیر'' ج ۳' ص ۴۴)

فلسطین کی اس یلغار کا جب امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو اس یلغار کے مقابلہ کے لیے ان کی نگہ انتخاب گورنر شام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فوری طور پر پہنچ کر اس کا مقابلہ کیا جائے اور اس کو ایسی شکست فاش دی جائے کہ اسے پھر ساری زندگی مسلمانوں سے مقابلہ کی ہمت نہ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ بسرعت تمام اپنی پوری جمعیت اور سارا لشکر لے کر اسکندریہ پہنچیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قیصر روم قسطنطین کو ایسی مار ماریں کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

"قیصر روم کے مقابلہ میں مسلمان انکلے۔شام کے لوگ سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھے اور امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ تھے"۔

امیر المومنینؓ کے فرمان کے مطابق دونوں حضرات فوری طور پر اسکندریہ پہنچے۔سیدنا معاویہؓ نے گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعدؓ کو مشورہ دیا کہ بجائے خشکی پر جنگ کرنے کے دشمن سے سمندر ہی میں نمٹ لیا جائے کیونکہ خشکی پر جنگ کرنے میں ہماری اور پوزیشن ہوگی اور سمندر میں جنگ کرنے میں ہماری پوزیشن مختلف ہوگی۔امیر البحر سیدنا عبداللہؓ نے سیدنا معاویہؓ کے اس مشورہ کو جنگی لحاظ سے بہت بہتر سمجھتے ہوئے اپنے بحری بیڑے کو مختلف اسلحہ سے آراستہ کر کے سمندر میں دھکیل دیا اور یہ سمندر کی لہروں سے کھلتا ہوا قیصر روم کے بحری بیڑا بالکل مقابل جا کر کھڑا ہو گیا۔

رات کی تاریکی میں جنگ کرنا مناسب نہیں۔لہٰذا سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک اس کو ملتوی کر دیا جائے اور علی الصبح مقدر آزمائی کی جائے کہ فتح و شکست کس کے نصیب میں ہے۔قیصر روم نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور باہمی رضامندی سے صبح تک یہ جنگ ملتوی ہو گئی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ رات کو دونوں لشکروں کی عجب و غریب حالت تھی کہ اور نیند کسی کے پاس نہ پھٹکی تھی۔ابن اثیر ہی نے لکھا ہے:

"دونوں لشکروں نے اس حالت میں رات گزاری کہ مسلمان پوری رات تلاوت قرآن پاک کرتے رہے اور نماز اور دعا میں مشغول رہے اور رومی ناقوس بجاتے اور صلیبوں کی پرستش کرتے رہے"۔

(''ابن اثیر'' ج ۳' ص ۵۸ ''طبری'' ج)

سمندری جنگ کا منظر

نماز صبح سے فراغت پا کر امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ نے اپنی فوج کے جہازوں کی صف بندی کی اور فوجوں کو مناسب ہدایات دیں۔بعد میں قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو لڑائی ساحل پر ہو اور اگر چاہو تو سمندر ہی میں اور دو ہاتھ کر لیے

جائیں۔قیصر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ سمندر ہی میں فیصلہ ہو جائے کہ کون جیتا ہے اور کون ہارا ہے۔ مسلمان پہلے ہی اس بات کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے جہازوں کو دشمن کے جہازوں کے بالکل قریب کر دیا جائے اور انہیں دشمن کے جہازوں کے ساتھ باندھ دیا جائے تاکہ لڑائی کے دوران سمندر کی موجیں اور تھپیڑے فریقین کو ایک دوسرے سے الگ نہ کر سکیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مسلمانوں نے صرف اپنے جہاز ایک دوسرے سے باندھے تھے۔ سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ جو اس جنگ میں خود شریک تھے، فرماتے ہیں کہ شروع میں تو ہوا ہمارے مخالف تھی، لیکن بعد میں ہمارے موافق ہوگئی۔ لڑائی شروع ہوئی اور فریقین تلواروں اور خنجروں سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔

نوجوان ایک دوسرے پر کود کر حملہ کرتے اور ایک دوسرے کو تلواروں اور خنجروں سے قتل کرتے۔ دونوں طرف سے لاشیں کٹ کٹ کر سمندر میں گرنے لگیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:

''مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ شہید ہوئے اور رومیوں میں سے بے شمار لوگ کٹ کر سمندر میں گر پڑے''۔

(''ابن اثیر'' ج ۳'ص ۵۸''طبری'' ج ۳'ص ۳۴۰)

دونوں طرف سے لوگ جب کٹ کٹ کر سمندر میں گرتے تو بجائے اس بات کے کہ لاشیں سمندر کی تہ میں بیٹھ جاتیں یا سطح سمندر پر تیری رہتیں، سمندر کی موجیں انہیں سطح آب سے اچھال کر ساحل سمندر پر پھینک دیتیں۔ یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خود جنگ میں شامل ایک سپاہی کا بیان ہے کہ میں نے ساحل سمندر کی طرف دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح مقتولوں کے سروں اور جسموں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ خون ریزی کا یہ عالم تھا کہ:

''خون پانی پر غالب آ گیا تھا''۔

دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس کے جہاز بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے اور سامان جنگ بھی جدید ترین اور اعلیٰ قسم کا تھا۔ لہٰذا مسلمان بھی ایک کشمکش میں تھے اور

دشمن کی حزیمت کے لیے نصرت خداوندی کے طلب گار تھے۔

آخر اللہ رب العزت نے اپنی نصرت اہل اسلام کے لیے نازل فرمائی۔ آتش کدۂ جنگ صبح سے شام تک بھڑکتا رہا۔ لیکن اہل کفر کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ ہاتھ شل ہو گئے، حوصلے ٹوٹ گئے اور انہیں ایسی ذلت آمیز شکست اٹھائی پڑی جو اس سے قبل شاید ہی اٹھائی پڑی ہو۔ رومی فوج کی بہت تعداد کام آئی اور زخمیوں کی تعداد کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ خود قسطنطین قیصر روم بھی بڑی طرح مجروح ہوا اور مدت مدید تک صاحب فراش رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی بیڑا راتوں رات سسلی (صقلیہ) کے جزیرہ کی طرف بھاگ گیا' جوان دنوں قیصر روم کے زیر نگیں تھا اور اس کے بعد اہل روم کو پھر کبھی اہل اسلام سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

قیصر روم یوں تو پناہ لینے اور اہل اسلام کی تاخت سے بچنے کی خاطر جزیرہ صقلیہ بھاگ گیا تھا۔ وہ چونکہ اس کے باجگزار تھے' اس لیے اس سے بڑے دہشت زدہ تھے لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مسلمانوں سے شرمناک شکست کھا کر بھاگا ہے اور یہاں ان کی یورش سے بچنے کے لیے پناہ لی ہے تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے۔ چنانچہ موقع پر کر اسے (قیصر روم کو) حمام میں قتل کر دیا۔

کسریٰ فارس کا ضرار

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد عالیہ میں فرمایا تھا:

هلك كسرى ولا كسرى بعده وهلك قيصر ولا قيصر بعده

''کسریٰ ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں' قیصر ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی قیصر نہیں''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷ ص ۲۰۱)

قیصر اور کسریٰ کی ہلاکت بھی سیدنا عثمان ابن عفان کے عہد خلافت میں ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور قیامت تک کے لیے قیصریت اور کسریت کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا۔

''سب خداؤں سے بڑا خدا' سب معبودوں سے بڑا معبود' تمام کرۂ ارضی

کا مالک و حاکم خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ' ذلیل اور بے عقل بندے ہرقل کے نام"۔

تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر اعتماد اور بھروسہ ہے۔ کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے غارت گرانہ ہاتھ سے بچالیا"۔

بیت المقدس کی فتح کے بعد اس نے مصر پر بھی قبضہ کر لیا اور بعد میں طرابلس بھی ان کے قبضہ اقتدار میں چلا گیا۔ ایشیائے کوچک میں ایرانی فوجیں رومیوں کو تاخت و تاراج کرتیں باسفورس کے ساحل تک پہنچ گئیں اور ۶۱۷ھ میں عین قسطنطنیہ کے سامنے کلیڈ ون پر قابض ہو گئیں۔

اپنی فوجوں کی اس پسپائی اور شہروں کے دشمن کے قبضہ میں چلے جانے کا ہرقل کو نہایت صدمہ ہوا لیکن وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اس تاخت پر صرف خون کے آنسو پی سکتا تھا۔ بالآخر اس نے ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز کی خدمت میں ایک ایلچی کے ذریعے یہ درخواست کی کہ "میں ہر قیمت پر صلح کے لیے تیار ہوں کیونکہ مجھ میں تمہارے مقابلے کی ہمت اور سکت ہی نہیں ہے"۔

خسرو پرویز فتح کے نشے میں چور تھا۔ اس نے جواب دیا کہ:

"اب میں ہرقل کو اس وقت تک پناہ نہیں دوں گا جب تک وہ گرفتار ہو کر میرے حضور حاضر نہ ہو اور اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر خداوند آتش کی عبادت اور بندگی نہ اختیار کر لے"۔

آخر ہرقل روم نے خسرو پرویز سے ڈرتے ہوئے قسطنطنیہ کو چھوڑ کر قرطاجنہ (ٹیونس) منتقل ہو جانے کا عزم کر لیا۔

E.Gibbon: The history of the Decline and fall of the roman Empire "Vol. 5.P76)

ایرانیوں کے سب سے بڑے آتشکدہ کی پامالی

ہرقل اپنی اس ذلت آمیز شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ جس کے لیے اس نے

اپنی فوج کو دوبارہ آراستہ کیا لیکن فوج کی مکمل تیاری کے لیے اسے روپے کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے مسیحی کلیسا سے روپیہ مانگا۔ اسقف اعظم سرجیس نے دین مسیحیت کو مجوسیت کے پنجہ اقتدار سے بچانے کے لیے کلیساؤں کے نذرانوں کی جمع شدہ دولت سود پر قرض دی۔ مکمل تیاریوں کے بعد اس نے ۶۲۳ھ میں آرمینیہ سے ایران کے خلاف اپنا انتقامی حملہ شروع کیا اور آذربائیجان اور زرتشت کے مقام پیدائش ارمیاہ کو تاخت وتاراج کیا۔ ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد اور کئی شہروں کو پامال کرتے ہوئے ۶۲۷ھ میں نینویٰ کی فیصلہ کن جنگ میں ایرانیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی اور اپنی تحقیر وتذلیل کا بدلہ چکایا پھر اور کئی شہروں کو فتح کرنے کے بعد رومی فوجیں ایران کے دارالسلطنت طیسفون کے سامنے پہنچ گئیں۔

خسرو پرویز کا ہولناک انجام

۶۲۸ ہجری میں خسرو پرویز کے خلاف اس کے اپنے گھر میں شورش برپا ہوئی۔ جس نے بعد میں بغاوت کا روپ دھار لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود تو قید میں چلا گیا جہاں کی سختیوں سے وہ بعد میں ہلاک ہو گیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ۱۸ بیٹے قتل کر دیئے گئے۔

خسرو کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قباد ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے تمام رومی علاقے واپس کر دیئے اور رومیوں کی اصلی صلیب جو اس کا باپ مدائن لے گیا تھا۔ ہرقل کو اپنی جان چھڑانے کے لیے واپس کر دی۔ اس شکست کا صرف یہی اثر نہ ہوا کہ ایرانی اپنی سرحدوں میں پسپا ہو گئے بلکہ ان کی ہمتیں بھی جواب دے گئیں۔ ان کے امراء میں انارکی پھیل گئی اور انہیں اپنے اوپر کوئی بھروسہ اور اعتماد نہ رہا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے جب ایرانیوں پر حملہ کیا تو ان کی رہی سہی ہمت بھی جاتی رہی اور وہ غازیان اسلام کے سامنے بالکل نہ ٹھہر سکے۔ ان میں سے ہر ایک امیر اپنے بچاؤ کی راہ تلاش کرنے لگا اور سلطنت کیا میروں نے فاتح قوم کے زیر سایہ اپنا چھوٹا اقتدار ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

ایرانیوں کو نہاوند' قادسیہ' ہمدان' آذربائیجان' اصفہان اور مدائن کے معرکوں میں شکست فاش دینے کے بعد اگرچہ مسلمانوں کو کچھ اطمینان حاصل ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب ایرانیوں میں اتنی سکت اور طاقت نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی وسیع وعریض سلطنت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں گے۔ لیکن سیدنا عمر ﷛ کو سیدنا احنف بن قیس ﷛ کا وہ قول ذہن میں کھٹکتا تھا کہ:

"جب تک یزدجرد بادشاہ ایران ایرانیوں کی پشت پر موجود ہے' وہ مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے' کیونکہ جس مملکت میں دو بادشاہ ہوں' ان میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا۔ تاوقت یہ کہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو نکال کر باہر نہ کر دے"۔

لہٰذا آپ ضروری سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو اس وقت تک ایرانیوں کا تعاقب کرنا چاہیے۔ جب تک کہ یزدجرد کو سرزمین ایران سے باہر نہ نکال دیا جائے اور پورا ملک بلا شرکت غیرے مسلمانوں کے قبضے میں نہ آ جائے۔

قادسیہ کے میدان میں یزدگرد کے وزیر جنگ رستم کو جس پر اس کو بڑا فخر اور ناز تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں جب ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تو ایرانی بادشاہ یزدجرد کی کمر ہمت بالکل ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کے لیے اپنی پوری حربی قوت میدان جنگ میں جھونک دی تھی۔ وہ نہایت پریشان ہوا اور عملی طور پر اس نے اپنے آپ کو مدائن میں محصور کر لیا' جو اس کا دارالسلطنت بھی تھا اور آخری جائے پناہ بھی۔ اس نے ملک کے تمام گوشوں سے مختلف قسم کی افواج جارحانہ جنگ کے لیے نہیں' بلکہ اپنی اور اپنے دارالسلطنت کی مدافعت کے لیے اکٹھی کر لیں تو مسلمانوں کے حملے کو روکنے کا ہر ممکن پلان تیار کیا۔

کسریٰ کے محل پر اسلامی لشکر کا دھاوا

مسلمان قادسیہ سے پیش قدمی کرتے اور ایران کے مختلف شہروں کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتے ہوئے ایران کے مشہور شہر بہرشیر کی طرف روانہ ہوئے لیکن مسلمانوں کی دہشت اور رعب سے مرعوب ہو کر اہل شہر نے فصیل کے دروازوں کو بند کر دیا اور بجائے

باہر نکلنے کے خود کو شہر پناہ میں محصور کر لیا۔

جب محاصرے نے طول کھینچا تو ایک روز سیدنا سعد ﷛ کے حکم سے اسلامی لشکر نے منجنیقیں لگا کر شہر میں سنگ اندازی شروع کر دی لیکن اہل شہر بالکل پریشان نہ ہوئے کیونکہ انہیں شہر کی فصیل کی مضبوطی اور استحکام پر مکمل اعتماد تھا۔ محاصرے نے اور طول کھینچا اور بقول بعض مورخین نو ماہ اور بقول بعض ۱۸ ماہ تک محاصرہ رہا۔ آخر تنگ آ کر وہ اپنے بہادر اور جانباز جرنیلوں کی سرکردگی میں ایک لشکر مرتب کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن شکست فاش کھائی۔

مختلف شہروں میں ایرانیوں کی شکست کی خبریں یزدجرد کو پہنچ رہی تھیں۔ خصوصاً بہرشیر کی شکست سے اس کے دل پر غم اور مایوسی کے گھیرے سائے رینگنے لگے۔ اسے مسلمانوں کی جنگی پوزیشن کے مستحکم اور مضبوط ہونے کا بھی احساس تھا۔ لہٰذا اس نے سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷛ کی خدمت میں ایلچی کی معرفت صلح کی درخواست کی اور دریائے دجلہ کو ایران اور عرب کے درمیان حد فاصل قرار دیا اور کہلوا بھیجا کہ دجلہ کے اس پار جو کچھ ہے وہ ہمارا اور اس پار جو کچھ ہے وہ تمہارا لیکن سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷛ نے یزدگرد کی صلح کی سب شرائط نامنظور کر دیں۔

مسلمان فوجیں آدھی رات کے وقت بہرشیر میں داخل ہوئیں اور ان کی مستعدی کا عالم یہ تھا کہ اسی وقت دریائے دجلہ کو عبور کر کے۔ کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن پر حملہ آور ہونے کی تدابیر سوچنے لگیں لیکن اب ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ دریائے دجلہ کو عبور کرنے کا تھا کیونکہ نہ وہاں کوئی پل تھا اور نہ کشتیاں۔ مسلمان فوجی ساحل دجلہ پر کھڑے ہو کر مدائن کے در و دیوار کو دیکھنے لگے لیکن جو کچھ ان کی آنکھوں نے دیکھا' اس پر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ شہر کے در و دیوار' اس کی فلک بوس عمارتیں اس کے دل کش باغات اس کی کشادہ سڑکیں' اعیان حکومت کے حسین و جمیل بنگلے ان کے دامن دل کو کھینچ رہے تھے۔ ایک وسیع و عریض اور عظمت و شوکت کے جلال آفرین موقع کی فلک بوس عمارت پر ان کی نگاہیں بار بار مرتکز ہوتی تھیں۔ ایسی بلند اور حسین و جمیل عمارت انہوں نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اس کی سفیدی اور چمک ان کے لیے اور جاذبیت کا باعث بنی ہوئی تھی اور ان

کے جذبہ کو اور زیادہ نکھار رہی تھی۔

جب رات کی تاریکی چھٹنے لگی اور نسیم صبح کی ہلکی ہلکی خوش گوار موجیں فضا میں سرا سرائیں اور خوف کی آمد نے ظلمت شب کے منہ سے نقاب اٹھایا تو اس منظر کی دل کشی میں جلال اور رعنائی کا اور اضافہ ہو گیا۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ اسی عالم نظارہ میں غرق تھے کہ اتنے میں سیدنا ضرار بن خطاب رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ یہ حیرت آفرین منظر دیکھ کر فوراً بلند آواز میں بول اٹھے ''اللہ اکبر! یہ کسریٰ کا قصر ابیض'' ہے۔ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا ہے''۔

کسریٰ کی بے چینی اور اضطراب

اب قصر ابیض میں داخلے کا شوق ان کے قلب میں اٹھکیلیاں لینے لگا اور وہ بے چین ہو گئے کہ اس شاندار محل میں داخل ہو کر کسریٰ کی بے نظیر اور بے عدیل تخت اور محل کے نظارے سے اپنی آنکھوں اور دل کو آسودہ کریں اور ان کا قائد (سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اس تخت پر جلوہ افروش ہو کر کلمہ توحید اور خدائے بزرگ و برتر کی تحمید و تقدیس بلند کرے اور ساری کائنات کو یہ بتا دے کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ کفر سرنگوں اور کلمہ حق سر بلند ہوا ہے اور عظمت و عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔

کسریٰ کا وہ محل جس کو دیکھ کر مسلمان مبہوت اور متحیر ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ اس محل کو نوشیروان نے ۵۵۰ء میں بنوایا تھا۔ اس کی تعمیر میں رومی' یونانی اور اس زمانے کے دوسرے متمدن ممالک کے فن تعمیر کی تمام نزاکتیں اور رعنائیاں صرف کر دی تھیں۔ وہ پانچ دالانوں پر بڑے بڑے گنبدوں پر مشتمل اپنی عظمت و جلال کی تصویر بنا کھڑا تھا...... اس کا سامنے کا حصہ ایک سو پچاس میٹر سے بھی چوڑا اور بلندی چالیس میٹر تھی۔ محل کی یہ رعنائیاں مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں اور انہیں پورا یقین تھا کہ وہ چند دنوں میں اس پر قبضہ کر لیں گے اور وہاں کے سارے خزانے جس پر کسریٰ ایران سانپ بنا بیٹھا تھا اور جو غریبوں' مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کا خون چوس چوس کر ایک فرد واحد کے عیش و عشرت کے لیے اکٹھے کیے گئے تھے۔ پھر غریبوں میں تقسیم کر

دیئے جائیں۔ گویا حق داروں کو ان کا حق مل جائے گا۔ کیونکہ مسلمان دنیا میں پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ وہ اللہ کے دین کی اشاعت کریں۔ ظالموں کے دست تطاول کو توڑ دیں۔ بیواؤں' غریبوں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بنیں اور حق دار کو اس کا حق دلوائیں۔

کسریٰ جان بچانے کیلئے بھاگ اٹھا

ادھر مسلمان سپاہیوں کے دل میں اس طرح کے خیالات مچل رہے تھے اور مختلف قسم کے تصورات ان کے کوزۂ ذہن میں اٹھکیلیاں بھر رہے تھے۔ ادھر یزدگرد کسریٰ ایران پژ مردہ دل اور رنجیدہ خاطر اسی قیصر ابیض میں بیٹھا مختلف وسوسوں' سوچوں اور خیالات میں مگن تھا۔ کبھی سوچتا کہ دریائے دجلہ کا یہ چوڑا چکلا پاٹ اور اس کی پہاڑ آسا تند و تیز موجیں اس کی گہرائی اور وسعت مدائن اور اس کے قیصر ابیض کے لیے ایک فصیل کا کام دیتی ہے اور مسلمان کسی حالت میں بھی اس کو عبور کر کے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے اور اگر انہوں نے ایسی جرأت کی تو دریا کی کف آگیں اور زیادہ موجیں انہیں فوراً نگل لیں گی۔ کبھی دوسرا خیال آتا کہ جب وسیع و عریض صحرا' فلک آسمان شہروں کی مضبوط ترین فصیلیں' تیز و تند موجوں والے دریا' خشمگیں سمندر' طویل فاصلے' ضرر اور طرار جرنیل ان کی پیش قدمی کو نہیں روک سکتے تو اس دجلہ کی ان کے سامنے کیا حیثیت ہے۔

کبھی قادسیہ' نہاوند' تستر' ہمدان کے معرکہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح گھومتا اور وہ دیکھتا کہ اس کی ٹڈی دل فوج مسلمانوں کی فوج کے سامنے اس طرح بھاگ رہی ہے' جس طرح بھوکے باز کے آگے ضعیف و ناتواں چڑیاں بھاگتی ہیں۔ کبھی یہ خیال آتا کہ کیا سارے ایران کی فوجیں جو مدائن کی حفاظت کے لیے یہاں متعین ہیں اور ہر قسم کے جدید ترین اسلحہ سے لیس ہو کر دارالسلطنت کو دشمن کی یلغار سے نہیں بچا سکتیں۔ کبھی سوچتا کہ مجھے ایرانی فوج میں وطن کی عزت حرمت کے لیے جوان عزائم کی روح پھونکنی چاہیے۔ شاید اسی طریقے سے میری بزدل فوج شاندار کردار ادا کر سکے اور وہ ساسانی خاندان اور ایران کی عزت و حرمت کے لیے اپنی جان کی بازی لگا کر دشمن کے عزائم کے قلعہ کو مسمار کر سکے۔ لیکن یہ سب خیالات ہی تھے۔ اس کے قلب کی گہرائیوں میں ایک اضطراب

تھا۔ایک خدشہ تھا' ایک وہم تھا جو یقین کی صورت اختیار کیے وہیے تھا...... تھا۔جس سے اس کا دل گم راہ اور فکر فاسد ہو رہی تھی کہ دنیا کی کوئی قوت...... اور اس کائنات کی طاقت نہ ان کا مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ مزاحم ہو سکتی ہے۔ راستے کے ہر پتھر کو یہ ٹھوکر مار کر بڑھیں گے اور مدائن کا یہ قصر ابیض اب ان کا ہو گا۔ میں تو یہاں چند روز کا مہمان ہوں اور خاندان کا وہ آفتاب جو کبھی نصف نہار پر تھا' اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہونے والا ہے۔

اس خیال کے پختہ ہونے کے ساتھ وہ بھاگ کر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان بچانے کی سوچنے لگا۔اس نے شاہی خدام کو حکم دیا کہ قیمتی سامان' خزانہ' شہزادے' شہزادیاں اور حرم شاہی کر کر حلوان چلے جائیں۔ چنانچہ بادشاہ کے اس حکم کا اس کی رعایا پر بہت اثر ہوا۔ وہ سوچنے لگے بادشاہ' اس کے اہل وعیال اور اس کی کنیزوں کی جانیں ان کے اہل و عیال کی جانوں سے زیادہ ہیں' اس سوچ نے ان کی تمام قوتیں مضمحل کر دیں اور وطن کی مدافعت کا رہا سہا جذبہ بھی ختم اور اب حالت یہ تھی کہ دجلہ کے پاٹ کے سوا ان کا اور کوئی سہارا نہ رہا جو مسلمانوں کے حملے کی مدافعت کر سکتا۔

دجلہ کا دریا اب بھی اسی روانی سے بہہ رہا تھا جس روانی سے وہ پہلے بہا کرتا تھا۔ اس کی روانی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔فرق تھا تو صرف ان لوگوں میں جو مدتوں سے اس کے ساحل پر آباد تھے اور فرق تھا وہ یہ کہ پہلے صرف ایک قوم اس کے ساحل پر بس رہی تھی لیکن اب دو قومیں اس کے مشرق اور...... مغربی کنارے پر کھڑی ایک دوسرے کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اس کے مشرقی کنارے پر وہ قوم کھڑی تھی جس کی تمام قوتیں مضمحل بلکہ ماؤف ہو چکی تھیں۔اس کا کوئی عزم اور ارادہ نہیں تھا۔اس کی قسمت کا سورج اب غروب ہونے والا تھا اور اس نے اب اپنے اور اس کے سہارے پر چھوڑ دیا تھا لیکن مغربی کنارے پر وہ قوم کھڑی تھی جس کی ہمتیں جوان اور ارازم پختہ تھا' جس کی معنوی روح بلندی اور ارتقاء کے نقطہ کمال پر تھی۔ جسے ایمان کی قوت نے فتح وکامرانی کا پختہ یقین دلایا تھا بلکہ وہ فتح وکامرانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دنیا کی قوتوں کے سامنے فولادی دیوار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے سامنے ذرہ بے مقدار تھی۔ جسے یہ یقین تھا اور اس دریا کی ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ اس دریا کا رب ہمارے ساتھ ہے۔اس کی

تند و تیز موجیں ہمیں غرق آب کرنے کے بجائے ہماری حفاظت و سلامتی کا باعث ثابت ہوں گی۔ اس کی گہرائی ہمارے لیے پایاب ہو گی اور جس طرح سیدنا موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا کی ایک ضرب سے دریا میں ان کے گزرنے کے لیے بارہ راستے بن گئے۔ وہی خالق و مالک ہمارے گھوڑوں کے پاؤں کی ایک ضرب سے اس کے بیچوں بیچ ہمارے لیے ایوان کسریٰ تک پہنچنے کا راستہ بنا لے گا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص کی تقریر

تاریخ کے اوراق اس بات کی آنکھوں دیکھی شہادت پیش کرتے ہیں کہ جب اسلامی لشکر کے سالار سیدنا سعد ابن ابی وقاص ﷛ کو پتہ چلا کہ کسریٰ اپنے قیمتی سامان خزانہ، دستاویزات، حرم شاہی اہل و عیال کو حلوان میں منتقل کر رہا ہے تو بالکل اگلے ہی روز انہوں نے دریا کو عبور کر کے مدائن پر نہیں قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ آپ نے اہل لشکر سے ایک مختصر سا خطاب فرمایا اور کہا:

"میرے جان سے عزیز ساتھیو! دشمن نے اس دریا کو اپنی سپر اور فصیل بنایا ہے۔ تم اس میں سے گزر کر اس کی طرف نہیں جا سکتے۔ لیکن وہ جب چاہے، اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر تم پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ تمہاری پشت پر ایسا کوئی خطرہ نہیں ...... جس سے خوف کھایا جا سکے۔ لہٰذا میری رائے میں اس سے قبل کہ دشمن تمہارا محاصرہ کر سکے، یا تم پر حملہ آور ہو سکے، تم پیش قدمی کر کے دشمن پر حملہ کر دو اور میں عزم کر چکا ہوں کہ اس شوریدہ سر دریا کو عبور کر کے ان تک ضرور پہنچوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میرا ضرور ساتھ دو گے"۔

سپہ سالار کی اس تقریر نے فوج کے سپاہیوں اور افسروں پر کچھ عجیب اثر کیا۔ سیدنا عاصم بن عمر ﷛ اٹھے کہ میں اپنے چھ سو جانثاروں کے ساتھ صبح سویرے ہی بغیر کسی کشتی کے اس دریا کو عبور کر کے دشمن پر حملہ آور ہوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح جب سورج نے ابھی افق مشرق سے کائنات کی اس دلہن کو جھانکا ہی تھا سیدنا عاصم ﷛ نے اپنے ساتھیوں کے

ساتھ اس مقصد کے لیے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈال دیا۔ سیدنا قعقاع بن عمرو ﷺ نے جب دیکھا کہ مجاہدین اسلام کی ایک ٹکڑی دریا کی سطح پر گھوڑوں پر سوار اس طرح جا رہی ہے' جس طرح کشتی سطح آب پر تیرتی ہے اور دریا کے دوسرے کنارے پر ایرانی ان کے مقابلے کی تیاری کر رہے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے چھ سو ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔

ایرانی ان موج بلا سے کھیلنے والوں کو گھوڑوں پر سوار دریا کی سطح پر دوڑتے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں شل ہونے کے ساتھ ان کی عقلیں بھی شل ہو گئی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ انسان ہیں یا جن' بلکہ بعضوں نے تو برملا کہنا شروع کر دیا'' کہ تم انسانوں سے نہیں لڑ رہے کہ جنوں سے لڑ رہے ہو'' چشم فلک نے دیکھا کہ ان مجاہدوں نے جلد ہی دریا کے مشرقی کنارے پر جا کر قبضہ کر لیا اور دشمن مبہوت ہو کر ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

کسریٰ کے محل میں مسلمانوں کا داخلہ

اس نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے حضرات نے بیان کیا کہ مجاہدین اسلام کا جب یہ چھوٹا سا لشکر دریا کے مشرقی کنارے پر پہنچا اور گھوڑوں نے ہنہنا کر اپنے جسموں سے پانی جھاڑا تو دریا کی خشمگیں اور کف آگیں موجوں نے ان کی اس طرح حفاظت کی کہ ان میں سے نہ تو کسی کی جان ضائع ہوئی اور نہ ہی سامان کو کوئی نقصان پہنچا۔ صرف لکڑی کا ایک پیالا رسی ڈھیلی ہونے لی وجہ سے جیل میں وہ بندھا ہوا تھا' دریا میں گر گیا لیکن پانی کی موجیں اس کو بھی اسی سمت لے گئیں جس طرف مجاہدین جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بھی کنارے پر پہنچ گیا اور سپاہیوں نے اسے اٹھا کر اس کے مالک کے حوالے کر دیا۔

سیدنا سعد ابن ابی وقاص ﷺ جب اپنے لشکر کو لے کر اس سفید محل میں داخل ہوئے ' جو خوبصورتی اور رعنائی کی وجہ سے عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا تو آپ نے اللہ رب العزت کے اس ارشاد کی تلاوت فرمائی:

کم ترکوا من جنت و عیون و زروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیها فاکهین کذالك و اورثنها قوماً اخرین فما

بکت علیھم السماء والارض وما کانو منظرین۔

''وہ بہت سے باغات' چشمے' کھیت' پاکیزہ مقام اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے اور اسی طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی''۔

(الدخان: ۲۵۔۱۶)

مسلمان فوجی کا اخلاص

یزدجرد کسریٰ ایران اگرچہ اپنا قیمتی سامان اور خزانے کا ایک حصہ حلوان منتقل کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود بھی مجاہدین اسلام کو وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جس کی کیفیت مورخین نے کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ سیدنا سعد کو شاہی خزانے سے تیس کھرب دینار ملے۔ ایک ایرانی سے سیدنا قعقاع بن عمرو ﷛ کو دو تھیلے ہاتھ لگے جن میں کسریٰ ہرقل' خاقان ترک' نعمان اور دوسرے کئی ایک بادشاہوں کی زرہیں اور تلواریں تھیں' جن سے ایرانیوں نے اور جنہوں نے ایرانیوں سے جنگ کی تھی ۔سونے کے کئی گھوڑے اور اونٹ بمعہ سواروں کے ملے' جن کو زیبائش کے لیے قصر ابیض میں رکھا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک ڈبہ لے کر آیا جس کو دیکھ کر خازن مال غنیمت اور دوسرے حاضرین کے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ ''جتنا سامان اب تک مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا ہے اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے اس کے مقابلہ میں رکھا جا سکے'' اس مجاہد سے پوچھا گیا کہ ''تم نے اس میں سے کچھ لیا تو نہیں'' اس نے کہا ''واللہ! کچھ نہیں میں نے عنداللہ اجر کے حصول کے لیے اس میں سے کوئی چیز نہیں چھیڑی''۔

یزدجرد، ٹوکری کا بیٹا بن گیا

مجاہدین اسلام جب ۱۶ ہجری میں فاتحانہ طور پر مدائن میں داخل ہو رہے تھے اور کسریٰ کو اپنی شکست کا پورا پورا یقین ہو گیا تو یزدجرد کو اس کے سپاہیوں نے ٹوکری میں لٹکا کر مدائن کے قصر ابیض میں سے اتارا اور وہ حلوان فرار ہو گیا۔ قصر ابیض سے ٹوکری کے ذریعے

نیچے اترنے کی وجہ سے:

فسماه النبط برزبيلا

''نبطیوں نے اس کا نام برزبیل (ٹوکری کا بیٹا) رکھ دیا''۔

(فتوح البلدان، ص ۲۷۱)

کسریٰ قصر ابیض سے اکیلا ہی نہیں بھاگا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کے امرائے سلطنت' اس کے اہل خاندان' اس کی کنیزیں اور حرم شاہی' اس کے شہزادے اور شہزادیاں' شاہی خزانہ اور ہلکا قیمتی سامان بھی تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب کسریٰ کے فرار کی اطلاع ملی تو آپ نے فوج کا ایک دستہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کو جب اس تعاقب کا علم ہوا تو وہ سارا سامان اور مال و دولت جو مدائن سے اپنے ساتھ لائے تھے' تعاقب کرنے والوں کے لیے چھوڑ کر نہایت تیزی سے ساتھ بھاگ کر حلوان پہنچ گئے۔ اس فتح سے کسریٰ ایران کی' جس کا کسی زمانے میں چار دانگ عالم میں طوطی بولتا تھا' کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اب وہ اپنی جان بچانے کے لیے شہر بہ شہر بھاگنے لگا۔

مجاہدین اسلام جب نہاوند اور ہمدان کے شہروں کو فتح کر کے داخل ہو رہے تھے تو یزدجرد اس وقت رے میں مقیم تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مجاہدین کی پیش قدمی برابر جاری ہے اور وہ شہر بہ شہر فتح کر کے بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں تو وہ فوراً اصفہان بھاگ گیا اور وہاں کے باشندوں کو مجاہدین اسلام کے خلاف ابھارنے لگا۔ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو جب کسریٰ کے فرار کی اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر اسلام کو اصفہان کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا کیونکہ آپ کو پوری اُمید تھی کہ یزدجرد مقابلہ کرے گا اور یا تو وہ مقابلہ کر کے مارا جائے گا یا لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہوگا۔ دونوں صورتوں میں پورے ایران کی قوت مقاومت اور قوت مزاحمت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔

کسریٰ کو ایران سے نکل جانا پڑا

اصفہان عراق عجم کے ایک صوبے اصفہان کا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ یہ شہر یزدجرد اول نے اپنی بیوی ملکہ شوش دخت کی خواہش پر تعمیر کروایا تھا۔ اس کی زمین بڑی زرخیز اور شاداب تھی۔ پانی شیریں اور آب و ہوا نہایت خوشگوار تھی۔ اس وجہ سے شاہان ایران نیا سے

اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ اصفہان کو جب سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن غنبان ؓ نے فتح کیا اور ایرانیوں کو اصفہان کی چھاؤنی ''رستاق الشیخ'' میں عبرت ناک شکست دی تو یزدجرد ایرانیوں کا حشر دیکھ کر اصفہان سے کرمان بھاگ گیا۔ اب حالت یہ تھی کہ بھگوڑا کسریٰ جہاں کہیں پناہ لیتا' لڑائی کی خبریں اس کا تعاقب کرتیں اور اپنے پورے ملک میں جس کا کبھی وہ سیاہ و سفید کا مالک تھا' اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی جہاں وہ سر چھپا سکے۔ وہ بے اختیار اور بے دست و پا ایک جائے پناہ سے دوسری جائے پناہ اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھاگتا پھرا لیکن اس بے قرار کو کہیں قرار نہ ملا۔ آخر وہ ایک ایسے بادشاہ کی طرح جسے انتہائی ذلت و حقارت کے ساتھ اپنے ملک سے نکال دیا گیا ہو' غیروں کی مدد اور قوت کا سہارا تلاش کرکے ایران سے نکل گیا۔

اسلامی لشکر کے آگے عالمی طاقتوں کی بے بسی

مجاہدین اسلام نے جب کرمان کو فتح کیا تو مورخین بتاتے ہیں کہ کسریٰ ایران اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ یہ شہر بھی دوسرے شہروں کی طرح مجاہدین اسلام کے حملے کی تاب نہ لا سکے گا تو وہ فوراً خراسان بھاگ گیا۔ کیونکہ اسے قوی اُمید تھی کہ خراسان اور سجستان کے باشندے لشکر اسلام کا مقابلہ کر سکیں گے اور یہ اُمید اس کے دل میں کچھ اس وجہ سے بھی راہ پا گئی تھی کہ بصرہ اور کوفہ وغیرہ سے جہاں اہل اسلام کی فوجی چھاؤنیاں تھیں' خراسان اور سجستان کافی دور تھے اور مسلمانوں کے لیے یہاں فوجیں بھیجنا عراق عجم یا فارس و کرمان میں فوجیں بھیجنے سے بہت زیادہ مشکل تھا۔ لیکن یزدجرد کا یہ خیال' خیال خام تھا۔ کیونکہ مجاہدین اسلام کے لیے دوری اور نزدیکی کا کوئی فرق نہ تھا۔ وہ سر ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی راہ میں نکلے تھے اور مشکل سے مشکل کام ان کے لیے اللہ کی راہ میں آسان تر ہو گیا تھا۔

چنانچہ مسلمانوں نے کچھ دنوں کے بعد سیدنا عاصم بن عمر ؓ کی زیر قیادت سجستان پر بھی چڑھائی کر دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اہل سجستان نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ سجستان اگرچہ بڑا مضبوط شہر تھا اور وہاں کے باشندے بھی بڑے جنگ جو اور فنون حربیہ میں بڑے ماہر تھے لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ شہنشاہ ایران خود بھگوڑا بن چکا تھا۔ جہاں

کہیں وہ جاتا ہے' مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر فرار ہو جاتا ہے اور اس میں اب مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں۔ حالانکہ وہ اپنی طاقت کا لوہا ہرقل قیصر روم اور دوسرے بڑے بڑے شہنشاہوں سے منوا چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کسریٰ کی تقلید میں اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے جلد ہی اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور اسلامی فوج کا مقابلہ نہ کیا۔ کیونکہ جب شہنشاہ اعظم کسریٰ اپنے عیش و آرام کی قربانی نہیں دے سکتا تو وہ اپنی جانوں کی قربانی کیوں دیں؟

خراسان کے قیام کے زمانے میں یزدجرد نے یہ کوشش کی تھی کہ خراسان کے باشندوں کو اشتعال دے کر مجاہدین اسلام کے خلاف مقابلے کے لیے کھڑا کرے اور اس طرح سے اپنے باپ دادا کی باقی ماندہ زمین فتح کرنے سے روک دے۔ لیکن شاید وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس نے قادسیہ اور نہاوند میں پورے ایران کی قوتوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی تھی اور اس کی فوجیں مجاہدین اسلام کے مقابلہ میں اس طرح پامال ہوئی تھیں کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یزدجرد کا شہر بہ شہر فرار

خراسان کے شہر ہرات کو فتح کرنے کے بعد سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ مروشاہ جان کی جانب روانہ ہوئے جہاں یزدجرد مقیم تھا۔ یزدجرد کو جب یہ معلوم ہوا کہ احنف رضی اللہ عنہ مرو کی طرف آ رہے ہیں تو وہ فوراً بھاگ کر مروروز چلا گیا لیکن سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کو وہاں بھی دم نہ لینے دیا اور کسریٰ بھاگ کر بلخ چلا گیا۔ لیکن سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے جلد ہی بلخ کو فتح کر لیا۔ چونکہ کسریٰ کی یہ عادت ہو چکی تھی کہ جوں ہی وہ مسلمانوں کی آمد کے بارہ میں سنتا' بجائے مقابلہ کرنے کے شہر چھوڑ کر دوسرے شہر میں بھاگ جاتا۔

یزدجرد کے لیے اب اپنے ملک میں سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی تھی۔ کیونکہ جہاں وہ جاتا' مجاہدین اسلام اس کا تعاقب کرتے اور آخر کار اس کو وہ شہر چھوڑنا پڑتا۔ چنانچہ اب جب اہل اسلام نے بلخ پر بھی قبضہ کر لیا تو وہ فوراً اس دریا کو عبور کر کے' جو

ایران اور ترکستان کے درمیان حد فاصل تھا' سمرقند میں خاقان ترک کے پاس پناہ لینے کے لیے چلا گیا۔ اس سے پہلے بھی جب یزدجرد مروشاہ جان میں مقیم تھا، اس نے خاقان ترک اور شاہ چین سے مدد کی درخواست کی تھی لیکن ان کا کوئی تسلی بخش جواب اسے موصول نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ وہاں جانے سے رک گیا۔ اب اس کے اپنے ملک میں کوئی جائے پناہ نہیں رہی تھی اور کوئی امیر اب اسے اپنی ریاست میں پناہ بھی نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ کسریٰ کو پناہ دینا اپنی ریاست اور شہر کو ہاتھ سے کھو دینا تھا۔ لہٰذا اب وہ بامر مجبوری سمرقند میں خاقان ترک کے پاس پناہ کی تلاش میں بھاگ گیا۔

خاقان ترک بھانپ گیا کہ مسلمان اب اس ملک پر ضرور حملہ کریں گے۔ اس وجہ سے اس نے ایک لشکر جرار مرتب کیا اور یزدجرد کو اپنے ساتھ لے کر مجاہدین اسلام کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ خاقان یزدجرد کی معیت میں بلخ پہنچا اور وہاں کوفہ کے سرفروشوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ کوفہ کی فوج سیدنا احنف رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے ساتھ جا ملی۔ خاقان نے مسلمانوں کی پسپا ہونے والی فوج کا تعاقب کیا۔ چونکہ اس کے ساتھ کچھ ایرانی بھی مل گئے تھے' لہٰذا اس کے لشکر کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس سیل بے کراں کو لے کر خاقان مرورود جا پہنچا۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے دشمن کے اس ٹڈی دل لشکر کو دیکھ کر ایک تو جنگ کے لیے مناسب جگہ تلاش کی' جہاں مجاہدین اسلام کی پشت پر پہاڑ تھے اور دریائے مرورود سامنے تھا، جو ان کے لیے ایک خندق کا کام دے رہا تھا۔ دوسرے انہوں نے اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک شاندار تقریر کی۔ کئی دنوں تک دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے رہے۔ ایک دفعہ معمولی سی جنگ بھی ہوئی' جس میں دشمن کے تین سپاہی ہلاک ہوئے لیکن خاقان نے میدان جنگ میں طویل قیام سے تنگ آ کر واپسی کا عزم کر لیا اور بلخ جا پہنچا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب نہ کیا جس سے اسے پورا یقین ہو گیا کہ مسلمان دریا عبور کر کے اس کے ملک پر حملہ نہیں کریں گے لیکن وہ اب چاہتا تھا کہ یزدجرد جلد از جلد اس کا ملک چھوڑ کر اپنے ملک مین چلا جائے اور مسلمانوں سے اپنا حساب خود چکاتا رہے۔ کیونکہ وہ اپنی سلطنت کی حفاظت کے لیے مسلمانوں سے دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

کسریٰ کے خزانے حضرت احنف بن قیس کے پاس

یزدجرد خاقان ترک کے ارادے کو بھانپ گیا۔ لہٰذا وہ اپنی ایرانی فوج لے کر بلخ سے مرو شہاجہان کی طرف چل پڑا۔ وہاں حارثہ بن نعمان ؓ مقیم تھے۔ یزدجرد نے اپنی افواج کے ساتھ ان کا محاصرہ کرلیا اور اپنا ایک گڑا ہوا خزانہ نکال کر اپنے کچھ سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا۔ یزدجرد جب اپنے حلیف کا خان ترک کے ساتھ مرو سے بلخ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ خاقان ایران چھوڑ کر اپنے ملک واپس جا رہا ہے تو اس نے چاہا کہ وہ خزانہ لے کر جو اس نے اپنے فرار کے دوران ایرانی خزانوں سے جمع کیا تھا اور جن کی قیمت سے اعداد و شمار قاصر تھے' اپنے حلیف سے جا ملے۔ ایرانیوں کو جب پتہ چلا کہ یزدجرد خزانے لے کر بھاگ جانا چاہتا ہے تو انہوں نے اس سے برملا پوچھا کہ ''آپ کیا کرنا چاہتے ہیں'' اس نے جواب دیا کہ میں خاقان سے ملنا چاہتا ہوں۔ پھر میں یا تو اس کے ساتھ رہوں گا چین چلا جاؤں گا۔ لیکن ایرانیوں نے اس کے اس فیصلے کے ساتھ ہاں نہ ملائی اور اسے مشورہ دیا کہ ''آپ مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلیں۔ جو ہمارے ملک میں نہایت امن و امان اور عدل و انصاف کے ساتھ صلح کر رہے ہیں''۔ یزدجرد نے ان کا یہ مشورہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن وہ بھی یزدجرد بات کے ساتھ متفق نہ ہوئے۔ آخر کار انہوں نے یزدجرد سے کہا کہ ''اگر آپ ہماری یہ بات تسلیم نہیں کرتے تو یہ خزانے یہیں چھوڑ جایئے۔ ہم اپنے ملک کی دولت دوسرے ملک میں ہرگز نہ جانے دیں گے لیکن یزدجرد اپنی بات پر اصرار کرتا رہا۔

جب کوئی متفقہ بات نہ ہوئی تو ایرانیوں نے اس سے سرتابی کر کے اور اس کے ساتھیوں سے لڑ بھڑ کر وہ تمام خزانے چھین لیے۔ یزدجرد ان خزانوں سے ہاتھ دھو کر اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ بلخ چلا گیا۔ لیکن وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ خاقان ترک وہاں سے جا چکا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے دارالسلطنت فرغانہ پہنچ گیا۔ ایرانی کسریٰ سے یہ خزانے چھین کر سیدنا احنف بن قیس ؓ کے پاس پہنچے اور وہ سارے خزانے ان کے حوالے کر کے اپنے اپنے شہروں میں چلے گئے اور نہایت امن و امان سے اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔

یزدجرد ترکستان میں

یزدجرد کچھ عرصہ وہاں مقیم رہنے کے بعد ترکستان بھاگ گیا۔ اگرچہ یزدجرد کے فرار کے بعد بنی ساسان کا سورج غروب ہو گیا تھا' لیکن اس کے باوجود بھی وہ برسوں تک اپنے آباؤ اجداد کے اس ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کے خیالی نقشے بناتا رہا اور وہ سمجھتا رہا کہ ایک نہ ایک روز ایران میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت ہو گی اور وہ سرزمین ایران کے ان غاصبوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے لیکن یہ ساری باتیں اس کے ذہن ہی تک محدود تھیں۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ ان خیالی نقشوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے خراسان کے ان لوگوں سے خط و کتابت بھی کرتا رہا۔ جن کے خلوص اور وفاداری پر اسے پورا پورا اعتماد تھا۔ لیکن اس کا خیال حقیقت میں تبدیل نہ ہو سکا۔

بعض روایات میں ہے کہ ۲۹ھ میں جب عبداللہ بن عامر ﷛ بصرہ تشریف لائے تو اس وقت اصطخر اور جور کے سوا سارا فارس فتح ہو چکا تھا۔ جب اصطخر پر مجاہدین اسلام نے حملہ کیا تو یزدجرد اصطخر سے جور بھاگ گیا لیکن وہاں بھی اسے قرار نصیب نہ ہو سکا اور وہ وہاں سے بھاگ کر اردشیر خرہ پہنچا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر ﷛ نے ۳۰ھ میں اس کے تعاقب میں مجاشع بن مسعود ﷛ کو بھیجا (بعض روایات میں ہرم بن حیان العبدی کا نام ہے) انہوں نے کرمان تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ لگا اور وہ بجستان ہوتا ہوا خراسان چلا گیا۔ اس تعاقب میں مجاشع بن مسعود ﷛ کے لشکر کو بھی برف اور سردی کی شدت سے سخت نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کے بھاگنے کی رفتار ان کے تعاقب سے تیز تھی۔ اس وجہ سے وہ پکڑا نہ گیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۹۔ طبری، ج ۳، ص ۳۲۷)

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان ﷛ کے عہد خلافت میں خراسان اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو بغاوتیں ہوئی تھیں ان میں بھی یزدجرد کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ جب خراسان میں بغاوت ہوئی تو یزدجرد نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ترکستان سے مرو پہنچ کر ان لوگوں کو جمع کیا، جن سے اس کی خط و کتابت ہوئی تھی لیکن مجاہدین اسلام نے بہت جلد یہ بغاوت فرو کر کے ان لوگوں سے زمام حکومت چھین لی، جنہوں نے مسلمانوں کی بالادستی سے

انحراف کیا تھا۔ یزدجرد کے ساتھیوں نے اپنی شکست سے یہ سمجھا کہ اب ان میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت نہیں ہے' لہٰذا وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور یزدجرد مجبور ہو گیا کہ جہاں سے آیا تھا' وہیں واپس چلا جائے۔ لیکن اس دفعہ اس کا بھاگنا آسان نہیں تھا۔ کیونکہ پورے ایران میں اب اس کا کوئی حامی اور ساتھی نہیں رہا تھا اور مسلمانوں کے جاسوس ہر وقت اس کے تعاقب میں تھے۔

آخر یزدجرد ہلاک ہو گیا

علامہ ابن اثیر اور دوسرے کئی ایک مورخین نے لکھا ہے کہ جب کسریٰ مرو کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کا فرمانروا اس وقت ماہویا تھا' جو کسی زمانے میں اس کا باج گزار تھا۔ اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی۔ جب سرزمین ترکی کے فرمانروا نیزک طرخان کو اس کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھی اس کے پاس آیا اور ایک ماہ تک اس کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ بعد میں یزدجرد کو ایک خط لکھا' جس میں اس کی بیٹی سے اپنا پیام دیا۔ یزدجرد کو یہ بات ناگوار گزری کہ ساسانی خاندان کی بیٹی سے ایک ترک شادی کر لے۔ چنانچہ اس خط کے جواب میں یزدجرد نے اسے لکھا کہ تم ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہو۔ لہٰذا تمہیں کیسے جرات اور ہمت ہوئی کہ مجھے میری بیٹی کا پیام دو اور ماہو کو حکم دیا کہ اس سے اموال کا محاسبہ کرے۔

نیزک طرخان بھی ایک ترک تھا۔ اس کو یزدجرد کا جب یہ خط ملا تو اس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے عزم کر لیا کہ یزدجرد کو اس توہین آمیز خط کا مزہ چکھائے گا۔ چنانچہ اس نے ترک فوج تیار کی اور یزدجرد اور اس کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس حملے میں یزدجرد خود تو بچ گیا لیکن اس کے تمام ساتھی اور اہل و عیال مارے گئے یا آوارہ دشت ادبار ہو گئے اور وہ یکا و تنہا رہ گیا۔ وہ نہایت خستہ حالت میں اپنی جان بچانے کے لیے پیادہ پا دریائے مرغاب کی جانب بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے شام ہو گئی۔ رات کی اس تاریکی میں وہ ایک آسیابان (چکی والے) کے ہاں پناہ گزین ہو گیا اور اس کے گھر میں بغیر کچھ کھائے پیئے تین دن تک ٹھہرا رہا۔ آخر ایک روز چکی والے نے اس سے کہا:

اخرج ایها الشقی فکل طعاما فقد جعت

''اے بد بخت! باہر نکل کر کچھ کھالو تم (تین روز سے) بھوکے ہو''۔
(ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۰۔ طبری، ج ۳، ص ۳۴۶)

اس سلسلہ میں طبری وغیرہ نے کئی روایات نقل کی ہیں ایک روایت میں ہے کہ جب یزدجرد رات کو سو گیا تو چکی والے نے اسے قتل کر کے سارا سامان لے لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رات سوتے میں ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا اور بعد میں اس کا سر کاٹ کر سپاہیوں کے حوالے کر دیا اور جسم نہر میں پھینک دیا۔
(طبری، ج ۳، ص ۳۴۲۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۵۸)

ہلاکت کی مختلف روایات

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خراسان کے بعد جو سپاہی اس کا تعاقب کر رہے تھے' انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ابن خلدون، بلاذری اور دوسرے مورخین نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اہل مرو جو کہ یزدجرد کے حامی تھے' ان کو یزدجرد کی ہلاکت کا پتہ چل گیا لیکن وہ اس کی لاش کی تلاش کرتے ہوئے چکی والے کے مکان پر آئے اور اس سے یزدجرد کا پتہ پوچھنے لگے لیکن اس نے انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ آخر انہوں نے جب اسے گرفتار کر کے تشدد کیا تو اس نے یزدجرد کے قتل کا سارا واقعہ سنا دیا اور وہ سامان' تاج اور کپڑے دکھائے جو اس نے یزدجرد کو قتل کرنے کے بعد اپنے قبضہ میں لیے تھے۔ سپاہیوں نے چکی والے اور اس کے گھر کے سب آدمیوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش اور سامان لے کر اصطخر آئے اور اسے تمارس (یا ناؤس) کے مقام پر دفن کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ اس چکی والے نے اپنے کلہاڑے سے اس کا سر کاٹ کر اس کے ناپاک جسم کو دریا میں پھینک دیا اور اس کا پیٹ چاک کر کے دریا میں اگے ہوئے ایک درخت کی جڑیں اس کے چاک شدہ پیٹ میں بھر دیں تاکہ اس کی لاش پانی میں ڈوبی رہے اور اوپر نہ آئے۔
(طبری، ج ۳، ص ۳۴۸۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۱)

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ یزدجرد چودہ میل کا پیدل سفر طے کر کے چکی والے کے گھر میں داخل ہوا۔ درماندگی اور بھوک اور پیاس کی شدت نے اس کے تمام جسمانی قویٰ کو مضمحل کر دیا ہوا تھا۔ اس کی ظاہری ہیئت اور شکل و صورت دیکھ کر چکی والا سمجھا

کہ کوئی کھاتا پیتا شخص ہے۔ لیکن مصائب کے تھپیڑوں نے اسے خستہ حال بنا دیا ہے۔ اس نے اس کی بڑی عزت وتکریم کی۔ فرش بچھایا' کھانا حاضر کیا۔ یزدجرد ایک رات وہاں ٹھہرا۔ جب جانے لگا تو اپنا زریں کمر بند جس میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے' حق خدمت کے طور پر آسیابان کو دیا۔ اس نے وہ کمر بند لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے حق خدمت کے طور پر صرف چار درہم دے دیں۔ وہی میرے لیے کافی ہوں گے۔ لیکن یزدجرد جس کے پاس کسی زمانے میں کھربوں دینار تھے' کہنے لگا کہ:

لا ورق معه

''اس کے پاس کوئی نقدی نہیں''۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۴۷۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۱)

طبری اور ابن اثیر ہی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے چکی والے کے گھر میں یزد جرد کو دیکھ لیا۔ یزدجرد نے اس خیال سے کہ یہ شخص کہیں میرا تعاقب کرنے والوں کو اطلاع نہ دے دے' اسے اپنی انگوٹھی' کمر بند اور کنگن دیا لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھے صرف چار درہم چاہیں۔ یزدجرد نے کہا کہ میں جو انگوٹھی تمہیں دے رہا ہوں، اس کی قیمت کا کوئی حد وشمار نہیں ہے لیکن اس نے چار درہم پر اصرار کیا۔ یزدجرد نے کہا کہ مجھے (شاید نجومیوں نے) بتایا تھا کہ میں کبھی چار درہم کا محتاج ہوں گا اور:

اضطر الی ان یکون اکلی اکل الھر

''میں اضطرار کی اس حالت کو پہنچ جاؤں گا کہ میری خوراک بلی کی خوراک ہوگی''۔

لہٰذا میں نے اپنی اس حالت کو دیکھ لیا ہے کہ آج میرے پاس تمہیں دینے کے لیے چار درہم بھی نہیں۔

(طبری، ج ۳، ص ۳۴۶۔ ابن اثیر، ص ۶۱)

کسریٰ کی ہلاکت کا سہرا سیدنا عثمان ؓ کے سر

کسریٰ ایران یزدجرد کی موت سے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیش گوئی کی صداقت ثابت ہوتی ہے وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے مبارک عہد خلافت میں اسلام کا وہ دشمن جس نے اپنی ساری زندگی اور توانائی اسلام کی مخالفت میں صرف کر دیں ایسی ذلت کی موت مرا کہ قیامت تک کے لوگ اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ دنیا کا وہ عظیم الشان شہنشاہ جس کے دارالسلطنت کی فتح پر مسلمانوں کو دوسرے قیمتی سامان کے علاوہ بیس کھرب دینار ملے ایک چکی والے کے ہاتھوں ذلیل موت مرا اور اس قلاشی اور مفلسی میں مرا کہ اس کے پاس چار درہم بھی نہ تھے۔

بس یہی کہنا پڑتا ہے:

اللھم مالك الملك توتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء و تعزمن تشاء و تذل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شئی قدیر

”نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کا وہ مخالف جس نے قادسیہ نہاوند ہمدان مدائن بہر شیر اور دوسری کئی ایک جنگوں میں مجاہدین اسلام بلکہ خود دین اسلام کو ذلیل وخوار کرنے کا کوئی حضربہ تہ چھوڑا اسلام کا نام لینے والا ایک شاعر فردوسی اس کے غم میں آنسو بہاتا ہے اور اس کی موت پر اپنا مرثیہ لکھ کر اظہار عقیدت کرتا ہے۔ یہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا اثر ہے اور فارس سے اس کی عقیدت کا نتیجہ...... جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

چند ضروری وضاحتیں

۱۔ اشعث بن قیس ﷛ ایک نہایت اعلیٰ قسم کے جرنیل مدبر اور منتظم تھے۔ سیدنا عثمان ﷛ کی شہادت تک یہ آذربائیجان کے گورنر رہے۔ان کی ایک صاحبزادی سیدنا عثمان ﷛ کے صاحبزادے سے بیاہی ہوئی تھی اور ان کی ایک اور چھوٹی صاحبزادی سیدنا زین العابدین ﷛ سے جو سیدنا حسین بن علی ﷛ بن ابی طالب کے صاحبزادے تھے' بیاہی ہوئی تھی۔اس لحاظ سے یہ سیدنا عثمان ﷛ اور سیدنا حسین بن علی ﷛ دونوں کے سمدھی تھے۔
(اخبار الطوال،ص)

۲۔ تواریخ کی کتابوں میں ہے کہ اتنی تباہی کے بعد بھی رے کا شہر بنوامیہ اور بنوعباس کے دور تک ایک عظیم الشان شہر اور اہل اسلام کے لشکروں کی ایک اہم چھاؤنی بنا رہا۔لیکن جب بعد میں اس کے قریب ہی شمال مغرب میں جس کی داغ بیل ڈالی گئی تو اس کا کوکب اقبال غروب ہو گیا۔اگرچہ اس کے کھنڈرات آج بھی اپنے دیکھنے والوں کو اپنی عظمت وسطوت کی یاد دلاتے ہیں۔

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی

۳۔ قیروان کا شہر سیدنا معاویہ ﷛ کے زمانہ میں بسایا گیا۔اس شہر کی تعمیر کی وجہ تاریخ کے اوراق میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدنا معاویہ ﷛ کی طرف سے سیدنا عقبہ ابن نافع افریقہ کے گورنر تھے۔اس سے قبل سیدنا معاویہ بن خدیج ﷛ نے افریقہ کے ان علاقوں کو فتح کیا تھا اور یہاں کی بربر قوم کو مطیع ومنقاد بنایا تھا۔اہل اسلام کی زبردستی کو دیکھ بربر زیردست تو ہو گئے اور وقتی طور پر انہوں نے اسلام قبول بھی کر لیا لیکن جونہی اسلامی لشکر ہٹتا وہ لوگ مرتد ہو جاتے اور ملک میں تخت وتاراج شروع کر دیتے۔سیدنا عقبہ ابن نافع

ؓ نے اہل اسلام کو بربر کی تاخت سے محفوظ کرنے کے لیے وہاں ایک چھاؤنی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اس جگہ میلوں میں گھنا جنگل تھا جس میں درندے اور دوسرے موذی جانور رہتے تھے۔ سیدنا عقبہ ابن نافع ؓ نے جنگ کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر ان جنگلی جانوروں کو مخاطب کر کے کہا کہ جنگل ہمارے لیے خالی کر دو۔ چنانچہ انہوں نے جنگل خالی کر دیا۔

(ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۳۰)

۴۔ فتح قسطنطنیہ کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم

''میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا' اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت کا پروانہ ہے''۔

ساتواں باب

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب وواقعات اور نقصانات

خلیفہ کو خلافت کا پورا حق دو

اپنی ذمہ داری میں پورے اترواور دوسروں کے حقوق میں دخل نہ دو۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی ارشاد یزکیھم کا فریضہ ادا کرتے ہوئے جو
پاک دل معاشرہ آباد کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سازی کا نہایت روشن باب
ہے اس ماحول میں یہ بات نمایاں طور پر ملتی ہے کہ ہر کسی کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے دو خواہ
مخواہ اس کے کاموں میں دخل نہ دو جب تک شریعت نہ روکے اس کے صواب دید پر تکیر نہ
کرو مشورہ لے تو مشورہ دو از خود اپنا مشورہ بھی اس پر مسلط نہ کرو خیر خواہی کے طور پر کوئی
بات ہو تو یہ اور بات ہے وہ بھی وہ ہو جس میں کسی بدگمانی کو راہ نہ ہو اس میں عمومی بھلا ہو
اسلامی خلافت میں حکام و ولاہ کا غرل و نصب خلیفہ کے صوابدید پر ہے پوری
رعیت کی فلاح و بہبود کا وہی نگران اور مسؤل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو نظم و
ضبط دیا وہ اپنی مثال آپ ہے وہ اہم سے اہم مرحلے پر بھی خلیفہ وقت کے حق میں کوئی
مداخلت نہ کرتے تھے اس مین افضل و مفضول اعلیٰ وادنیٰ اور اقرب واولیٰ کی کوئی بات نہ چلتی
تھی اسلام میں غرل و نصب کا پورا حق و اختیار خلیفہ کو حاصل ہے مجدد ماۂ یازدہم حضرت شاہ
ولی اللہ محدث دہلی لکھتے ہیں

نصب و عزل مفوض است برائے خلیفہ اگر اجتهاد خلیفہ
مودی شور بانکہ از خلاں شخص کا رامت سر انجام لے یا
بد لازم لے شود بروے نصب او

والیوں کا نصب وعزل اسلام میں خلیفہ کی رائے پر موقوف ہے اگر خلیفہ کی
یہ رائے ہو کہ فلاں شخص کے ذریعہ امت کا یہ کام سرانجام پا سکتا ہے تو
خلیفہ پر لازم ہو جا ہے کہ اس شخص کو وہ ذمہ داری سپرد کرے۔

خلیفہ وقت اجتہاد کو عمل میں لا کر اپنا یہ حق استعمال کرے اور نتیجہ خدانخواستہ اس کے خلاف نکلے تو بھی شرعاً کسی کو خلیفہ پر طعن کرنے کا حق نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ علم غیب شرائط خلافت میں سے ہے اسی احساس کا اظہار تھا کہ امیر المومنین نے مغیرہ بن شعبہ کو جب پھر کوفہ میں گورنر مقرر کیا تو وہ فوراً اس ذمہ داری پر آ گئے یہ نہ کہا کہ مجھے اس وقت بصرہ کی گورنری سے کیوں معزول کیا گیا تھا وہ جانتے تھے کہ ملکی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے امیر المومنین کو عزل و نصب کا پورا حق حاصل ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹایا اور انکی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا عمرو بن عاص مصر سے آگے دیگر افریقی ممالک کی طرف بڑھنا بحالات مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس کے لیے آمادہ تھے عبداللہ نے افریقہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی انکے ساتھ شریک جہاد تھے کسی صحابی نے کہا کہ آپ نے اتنے بڑے جرنیل کو معزول کر کے اپنے عزیز کو اس عہدے پر لگا دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور ان کے خاندان کے دلوں میں اس معزولی اور تقرری کا کوئی بوجھ نہ تھا ہر ذہن میں یہ بات تھی کہ امیر المومنین کو عزل و نصب کا پورا حق حاصل ہے جسے چاہے اور جب چاہے جہاں چاہے مقرر کر دے وہ جب اپنا یہ حق استعمال کرے تو کسی کو اس پر بدگمانی کرنے کی اجازت کی نہیں۔ عبداللہ بن سعد نے جب افریقہ پر فتح بھی پالی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس تقرر کے بہترین نتائج بھی سامنے آ گئے اور حضرت عمرو بن عاص کے بیٹے کی اس معرکہ میں شمولیت اس احتمال کو بھی رفع کر گئی کہ حضرت عمرو عاص اپنے اس عزل سے ناراض ہوئے ہوں گے پھر یہ بھی امر واقع ہے کہ کچھ عرصہ بعد آپ نے پھر وہاں حضرت عمرو بن عاص کو گورنر لگا دیا اور حضرت عبداللہ بن ابی سرح ہٹ گئے تو اب اس وہم میں کیا وزن رہ جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اقربا کو آگے لانا چاہتے تھے اور جاہلیت کا ایک جذبہ تھا جو حضور ﷺ کے بعد پھر سے اُبھر آیا تھا اور پھر کیا اس کے لیے قرآن کریم کی یقین دہانی کنتم اعداء فالف بین قلوبکم کافی نہیں۔

پھر ۳۰ ہجری میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ! نے جب خراسان کی مہم تیار

کی تو اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص پھر برضا و رغبت شریک تھے اس میں امیر سعید بن العاص تھے حضرت حسن اور حسین اور عبادلہ ثلثہ بھی اس میں شریک تھے اس وقت حضرت عمرو بن العاص کے حلقے میں سے کسی نے نہ کہا کہ حضرت عمرو بن العاص کو پہلے مصر سے کیوں معزول کیا گیا تھا وہ سب جانتے تھے کہ ولاہ الامر کا عزل و نصب خلیفہ کا حق ہے اور خلیفہ ان کا اپنا منتخب کیا ہوا ہے تو اب اس کے اپنا حق استعمال کرنے پر کسی کو کیا شکایت ہو سکتی تھی...... یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ ؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے ان میں سے کسی نے سیدنا حضرت عثمان ؓ کے خلاف کوئی اعتراض نہ کیا نہ اسلام میں اس کی کچھ گنجائش تھی نیک گمانی بلا دلیل بھی ہو سکتی ہے لیکن بدگمانی کے لیے دلیل چاہیے جو بلا دلیل جائز نہیں بعض بدگمانیاں اسی راہ سے گناہ بنتی ہیں۔

معزول والیوں اور نئے والیوں کے باہمی احساسات

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ تقریباً پانچ سال سے بصرہ کے گورنر چلے آرہے تھے کہ حضرت عثمان ؓ نے ۲۹ ہجری میں انہیں معزول کر دیا اور انکی جگہ عبداللہ بن عامر کا تقرر عمل میں آیا اب دیکھئے اس نئے والی کا تعارف پرانے والی حضرت ابو موسیٰ اشعری کن الفاظ میں کراتے ہیں۔

قد اتا کم فتی من قریش کریم الامهات والعمات والخالات

تمہارے پاس اب قریش کے ایسے باعزت جواں آتے ہیں جن کی مائیں پھوپھیاں اور خالایں سبھی شریف اور سخی ہیں۔

اور عبداللہ بن عامر نے بھی حضرت موسیٰ اشعری کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

یا ابا موسیٰ ما احد من بنی اخیك اعرف بفضلك من انت امیر البلدان اقمت والوصول ان رحلت

"اے ابو موسیٰ آپ کے اپنے برادری کے لوگوں میں سے بھی کوئی آپکے فضل و شرف کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتا آپ یہاں رہنا چاہیں تو آپ امیر البلد ہوں گے شہر کا انتظام آپ کے پاس رہے گا اور اگر آپ یہاں

سے چلے گئے تو بھی آپ سے رابطہ اور تعلقات قائم رہیں گے''۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس ماحول میں ذمہ داریوں کی تفویض میں کہاں تک احساس ذمہ داری کارفرما تھا اور کہاں تک عہدوں کا لالچ اور باہمی جذبہ مسابقت...... حق یہ ہے کہ ان دنوں عہدے کوئی اعزاز و انعام نہ تھے ایک بڑی ذمہ داری ہوتی تھی جسے کاوشوں اور دُعاؤں سے ہی سر کیا جاتا تھا سو پرانے اور نئے والیوں میں ہرگز تعصب و منافست کے فاصلے نہ تھے پھر ۳۴ ہجری میں جب حضرت عثمان ﷺ نے پھر حضرت ابوموسیٰ کو کوفہ کا والی بنایا تو آپ نے اسے قبول کر لیا یہ نہ پوچھا میری پہلی خطا کیا تھا جس کے باعث آپ نے مجھے بصرہ سے معزول کیا تھا؟

عزل ونصب میں حضرت عثمان ﷺ کا نقطہ نظر اور مطمح عمل

حضرت عثمان ﷺ کا نظریہ یہ تھا کہ ہر علاقے میں وہی حکام کام کریں جن سے وہاں کے لوگ راضی اور مطمئن ہوں سو جہاں کہیں سے کوئی شکایت آتی آپ اس کی زیادہ تنقیح نہ کرتے لوگوں کی خواہشات کا احترام کرتے امام بخاری روایت کرتے ہیں

قال عثمان لیقم اهل کل مصر کرهوا صاحبهم حتی اعزله عنهم واستعمال الهندی یحبون فقال اهل السره رضینا بعبدالله بن عامر فاقره وقال اهل الکوقة اعزل عنا سعید بن العاص واستعمل ابا موسیٰ ففعل وقال اهل الشام قلر ضینا بعما ویه فاقره وقال اهل مصر اعزل عنا ابن ابی سرح واستعمل علینا عمو بن العاص ففعل۔

''حضرت عثمان ﷺ نے یہ حکم دیا ہر علاقے کے لوگ جو اپنے والی سے خوش نہیں کھڑے ہو جائیں تا کہ میں اسے وہاں سے ہٹا دوں اور اس شخص کو وہاں عامل بناؤں جسے وہ پسند کرتے ہوں اہل بصرہ نے کہا ہم عبداللہ بن عامر سے خوش ہیں آپ نے انہیں وہیں رہنے دیا اہل کوفہ نے کہا سعد بن العاص کو ہٹا دیں اور حضرت ابوموسیٰ کو یہاں مقرر کر دیں

آپ نے ایسا ہی کیا اہل شام نے کہا ہم حضرت معاویہ ؓ سے خوش ہیں آپ نے انہیں وہیں رہنے دیا پھر مصریوں نے کہا ابن ابی سرح کو ہم سے ہٹا دیجئے اور حضرت عمرو بن العاص کو ہی وہاں والی بنا دیجئے آپ نے اس کے مطابق احکام صادر فرما دیئے"۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ والیوں کے عزول و نصب میں حضرت عثمان ؓ کو نہ کسی سے تعصب تھا نہ کسی سے قرابت داری تھی آپ نے رعیت کے حسب حال اور انکی طلب و مراد کو مقدم رکھا اور ان کی طلب اور خواہشات پر آپ ولاۃ الامر کو عزل بھی کرتے گئے اور نصب بھی کرتے گئے۔ اس ایک روایت میں ہی آپ دیکھیں کیا آپ نے سعید بن العاص کو جو اموی تھے ابن ابی سرح کو جو آپ کے (حضرت عثمان ؓ کے) رضائی بھائی تھے معزول نہیں کیا؟ افسوس لوگوں کو ان کا تقرر تو یاد رہا تا کہ حضرت عثمان ؓ کے خلاف پراپیگنڈا کیا جا سکے اور آپ کی اس رعایا پسند پالیسی پر نظر نہ رہی جس کے تحت آپ اپنے قرابتداروں کو معزول بھی کرتے گئے۔ اور کبھی نصب بھی کرتے رہے۔

اموی اور غیر اموی عہدیداروں کا تناسب

جہاں تک ہو سکے حضرت عثمان ؓ بڑی ذمہ داریاں صحابہ کو سپرد کرتے تھے مدینہ منورہ میں جب آپ نہ ہوتے تو وہاں فصل خصومات کا فریضہ صحابی رسول حضرت زید بن ثابت انصاری سرانجام دیتے ناظر بیت المال حضرت عبداللہ بن ارقم تھے مکہ مکرمہ میں والی صحابی رسول خالد بن العاص بن ہشام المخزومی تھے ان کے بعد اس عہدے پر حضرت علی بن عدی بن رابیعہ آئے وہ بھی صحابی رسول تھے یمن کے علاقہ الجند پر والی عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے وہ بھی صحابی تھے آذربائیجان میں اشعث بن قیس کندی تھے وہ بھی صحابی تھے اصفہان کی ولایت سائب بن الاقرع کے سپرد تھی وہ بھی صحابی تھے قرقیاء میں حضرت جریر بن عبداللہ والی تھے اور وہ بھی صحابی تھے شام میں امیر معاویہ ؓ تھے وہ بھی صحابی تھے شام کے علاقہ الصنعاء کے والی ثمامہ بن عدی صحابی رسول تھے کوفہ میں آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص کو گورنر مقرر کیا تھا مصر کے گورنر حضرت عمرو

بن العاص تھے ...... حج کے موقع پر آپ کی (حضرت عثمان کی) نیابت کے فرائض حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سرانجام دیتے تھے ان تمام ولاۃ الامور میں حضرت امیر معاویہ ؓ اور حضرت عمرو بن العاص کے سوا اموی کوئی نہ تھا اور یہ دونوں حضرات حضرت عثمان ؓ کے مقرر کردہ نہیں پہلے سے ان ولایات کے گورنر چلے آرہے تھے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت علی بن عدی بن ربیعہ کے بعد عبداللہ بن عمرو الحضرمی کی اور ان کے بعد عبداللہ بن الحارث ہاشمی کی تقرری عمل میں آئی اور یہ دونوں بھی اموی نہ تھے طائف میں قاسم بن ربیعہ ثقفی اور صنعاء یمن میں یعلی بن مینیہ التمیمی والی تھے اور یہ بھی اموی نہ تھے فوج کے سربراہ قعقاع بن عمرو اور پولیس کے عبداللہ بن قنفذ تیمی تھے اور یہ دونوں بھی اموی نہ تھے۔

اس صورت حال سے یہ بات باآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ خلافت عثمانی میں اموی عہدیداروں کا کیا تناسب تھا اور ان اموی عہدیداروں میں بھی آپ کے مقرر کردہ کتنے تھے آپ کا امارت حج حضرت عبداللہ بن عباس کو دینا اور مکہ میں عبداللہ بن حارث ہاشمی کی تقرری اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ آپ کو ہاشمیوں سے ہرگز کوئی تکدر اور بعد نہ تھا۔

ہاشمی حضرات سے یہ ربط و تعلق صرف اسلامی اخوت کے سہارے نہیں تھے ان کے ساتھ حضرت عثمان ؓ کی ایک خاندانی نسبت بھی تھی جس نے آپ کو بنو امیہ اور بنو ہاشم میں ایک نقطہ اتصال بنادیا تھا۔

ہاشمی سلسلے سے خاندانی نسبت

حضرت عثمان ؓ کی نانی ام حکیم البیضاء کون تھیں؟ یہ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کی جڑواں بہن حضرت عبداللہ اور ام حکیم توام پیدا ہوئے تھے اور یہ ام حکیم حضور ﷺ اور حضرت علی ؓ دونوں کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

ام حکیم ہاشمیہ کی شادی کریز بن ربیعہ اموی سے ہوئی یہ امیہ (جن کے نام سے اموی خاندان معروف ہے) کے بھتیجے تھے اور حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف کے بیٹے تھے ام حکیم اور کریز کی بیٹی اروی حضرت عثمان کی والدہ ہیں اروی کا نکاح امیہ کے پوتے عفان

بن ابی العاص سے ہوا۔ اروی مسلمان ہوئیں آپ نے مدینہ ہجرت کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی کی سگی پھوپھی ام حکیم البیضاء کے نواسے تھے ابو طالب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ماموں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل والدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی۔

یہ وہ خاندانی نسبت ہے جس کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ہمیشہ احترام فرمایا اس کی حرمت نگاہ رکھتی باجود یہ کہ آپ اموی ہیں مورخین اموی خلافت کا آغاز آپ سے نہیں امیر معاویہ سے کرتے ہیں آپ اس خاندانی نسبت سے مالا مال اور رشد راشدین سے مالا مال تھے آپ نے خلفاء راشدین میں جگہ پائی اور خاندانی امتیاز سے کبھی سامنے نہ آئے فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

یہ صحیح ہے کہ آپ کا سیکرٹری آپ کا داماد مروان بن الحکم تھا لیکن اس وقت سیکرٹری کی حیثیت محض ایک کاتب کی تھی آج کل کے سیکرٹری حکومت کی نہ تھی اس دور میں سیکرٹری بہت سے اختیارات رکھتا ہے اسے کوئی کوئی بات وزیر اعلیٰ یا گورنر سے پوچھنی ہوتی ہے وہ خود بڑے اختیارات کا مالک ہوتا ہے اُس پہلے دور میں سیکرٹری کی حیثیت محض ایک کتاب کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکرٹری حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور یہ دونوں ہاشمی تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب مروان بن الحکم تھا اور یہ دونوں اموی تھے امیر اور کاتب کا ایک خاندان سے ہونا کبھی بھی لائق اعتراض نہیں سمجھا گیا اور مروان بن حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہی داماد نہ تھے حضرت علی مرتضیٰ کے داماد معاویہ انہی کے بیٹے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی رملہ مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں تھیں حضرت امام حسن کی پوتی زینب (جو حضرت امام حسین کی بھی نواسی تھیں) اسی مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں تھیں سو یہ بھی کوئی ایسا بعد نہیں جو آل مروان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے یکسر جدا کردے۔

مروان بن حکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں اور مروان سے حدیث روایت کرنے والوں میں صحابی رسول ﷺ حضرت سہل بن سعد حضرت امام زین العابدین اور حضرت عروہ بن الزبیر

سرفہرست ہیں حضرت امام مالکؒ حضرت امام محمد، محدث عبدالرزاق شاگرد امام ابوحنیفہ حضرت امام احمد اور حضرت امام بخاریؒ نے اس کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ امام مسلم کے سوا کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

آپ خود غور فرمائیں جو شخص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے حضرت عمرؓ اس روایت کرنے حضرت عثمان سے روایت کرتے اور خود حضرت علیؓ سے روایت کرنے میں متہم بالکذب نہیں اور حضرت سہل بن سعد صحابی اور زین العابدین جیسے تابعی حضرات جس سے حدیث کی سند لیتے ہوئے اس کا حضرت عثمان غنی کا سیکرٹری (کاتب) ہونا کیا محض اس بناء پر عیب سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اموی تھا اور امیر المومنین خود بھی اموی تھے۔

حضرت عثمانؓ کا عمل سو فیصد درست تھا

پھر آپ نے اگر کچھ عہدے اموی حضرات کو دیئے بھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت جو اکابر صحابہ موجود تھے کیا کسی نے اس پر اس جہت سے تنقید کی کہ آپ ان عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کو کیوں لا رہے ہیں اور کیا کسی نے یہ کہا کہ یہ شرعاً عیب ہے کوئی خلیفہ اپنے کسی عزیز کو کوئی کلیدی آسامی نہیں دے سکتا جب ایسا نہیں و اجماع صحابہ حضرت عثمانؓ کے حق میں جاتا ہے اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عزل ونصب یہ سب خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے دوسروں کے حقوق میں دخل دینا صحابہ کی عادت نہ تھی رہا آل سبا کا غلط پراپیگنڈہ تو ظاہر ہے کہ تاریخ اس کا ساتھ نہیں دیتی اور تعصب اور کینہ پروری کا تو کسی کے پاس کوئی علاج نہیں یہ کہ خدا خود اس پر کرم فرمائے اور اس کو بات سمجھ میں آجائے مصالح سلطنت کا تقاضا ہوتا ہے کہ جو پرزہ جہاں کے لائق ہو اسے وہیں لگایا جائے اور مسلمان حکمران اس اصول سے واقف نہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کو مسلمان ہوتے ہی ایک علاقے پر والی بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کے دور میں بھی متعدد ذمہ داریاں اور ولایات اموی حضرات کے سپرد رہیں شام میں حضرت عمر نے حضرت ابوسفیان

کے ایک بیٹے کے بعد ان کے دوسرے بیٹے کو اس کا جانشین بنایا۔ یہ کون تھے؟ حضرت امیر معاویہ ﷜ ہاں حضرت عثمان ﷜ کے عہد میں بنو امیہ کے عہدوں کا تناسب آپ کے پیشروؤں سے کہیں کم رہا ہے لیکن افسوس کہ ناقدین کا قلم ابھی تک نہیں رکا۔

چند ضمنی مباحث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اپنے دوسرے خاندان بنوامیہ کو جو اتنا قرب بخشا وہ کنبہ پروری کے طور پر نہیں۔ جوہر شناسی کے طور پر تھا۔ ابوسفیان اسلام لائے تھے۔ استسلام نہیں۔ فتح مکہ پر مسلمان ہونے والوں کو قرآن کریم نے یدخلون فی دین اللہ کی سند دی ہے۔

ا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا۔ اس میں حضرت ابوسفیان اپنے دو بیٹوں یزید اور معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

۲۔ غزوہ طائف ۸ ہجری میں پیش آیا۔ آپ اس میں شامل ہوئے اور اس میں آپ کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس کے عوض میں جنت کی آنکھ ملے گی۔

۳۔ حضرت عمر ﷜ کے دور خلافت میں آپ نے جنگ یرموک میں شرکت کی۔ اس میں آپ کی دوسری آنکھ بھی جاتی رہی۔ اس جنگ میں آپ کے بیٹے یزید، بیٹی جویریہ اور بیوی ہند نے بھی شرکت کی۔

آپ نے جنگ یرموک میں افواج اسلام کو جو معرکہ آراء حوصلہ افزاء اور ایمان افروز خطبے دیئے، تاریخ نے ان کی شہادت محفوظ کر لی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو صرف قربانیوں کیلئے نہیں چنا تھا۔ آپ نے ان سے عقیدہ اسلام کی سرحدی حفاظت کا کام بھی لیا۔ قبیلہ بنی ثقیف کا بت لات حضرت ابوسفیان نے ہی گرایا۔ اہل نجران کے ساتھ کیئے گئے معاہدہ میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گواہ تھے۔

سو اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوامیہ کے جوہر شناس تھے اور

آپ نے ان حضرات کو صف اسلام میں آتے ہی اپنے پورے اعتماد میں لیا۔ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں بھی یہ حضرات آگے آگے رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ پر کنبہ پروری کا الزام صرف اس لئے لگایا جارہا ہے کہ وہ خود بنو اُمیہ میں سے تھے۔ کچھ انصاف کیجئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی نرم خوئی اور اقرباء نوازی

حضرت عثمان غنیؓ فطرتاً نرم خو تھے اور اپنی فطری نرمی کی وجہ سے معمولی واقعات سے چشم پوشی کر جایا کرتے تھے۔ اس سے مخالفوں کو بھی اعتراض کا موقعہ مل گیا۔ قریش کے ان نوجوانوں نے جنہیں آپؓ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا۔ برملا نکتہ چینی شروع کردی اور عمال کا سختی سے محاسبہ نہ کرنے کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کردیا۔ نتیجتاً اس سے دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا۔

حضرت عثمان غنیؓ مالدار تھے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ حلیم الطبع اور اقرباء پرور بھی تھے۔ اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ اس کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی اور جس سے آپؓ بے خبر تھے کو حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر فائز کردیا تھا۔ ان کی بدعنوانیوں کے باعث لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ پر نکتہ چینی کرنے کا موقعہ مل گیا۔ علاوہ ازیں آپؓ کے مخالفین نے آپ کی اس اقرباء پروری کو غلط رنگ میں پیش کیا اور کہا کہ حضرت عثمان غنیؓ بیت المال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بار بار اعلان کیا کہ وہ بیت المال سے عام روزینہ بھی نہیں لیتے۔ جیسے کہ پیشرو خلفاء لیتے تھے۔ لیکن فتنہ انگیزوں کو تو کوئی وجہ جواز چاہیے تھا۔

ان اسباب کی بناپر یہودیوں اور مجوسیوں (اہل فارس) کو جن کے مذہبی وقار اور حکومت کو اسلام نے مٹایا تھا۔ بدلہ لینے کا موقع ملا گیا۔ چنانچہ ملت اسلامیہ کی وحدت کو منتشر کرنے اور نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے جو انقلاب عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں برپا کیا گیا۔ اس کی روح رواں یہی دو قومیں تھیں۔

فتنے کا اصل محرک کون تھا

۲۳ ہجری سے اس انقلاب اور فتنے کو جو بظاہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف اور بالواسطہ ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیرنے کے برپا کیا گیا' کا اصل محرک ایک نومسلم یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ شخص بڑا ذہین' مکار اور سازشی واقع ہوا تھا۔ چونکہ اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیت کو پہنچایا تھا۔ اس لئے یہودی اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ وہ عہد نبوی ہی سے اسلام کا شیرازہ بکھیرنے کے درپے تھے۔ لیکن عہد فاروقی رضی اللہ عنہ تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب نظام خلافت میں اموی عمال کی بعض بدعنوانیوں اور چند دیگر اسباب کی بناء پر شیخین کے عہد کی سی استواری نہ رہی تو عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا۔ چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بلکہ درحقیقت عالم اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی۔

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں عہد قدیم سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ مگر اسلام نے اس کو دبا دیا تھا۔ لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی۔ ابن سبا نے سب سے پہلے بنی ہاشم اور اہل بیت کا حامی ہونے کی آڑ لے کر اس قدیم دشمنی کو ابھارا اور خلفائے ثلاثہ خصوصاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے اور امت میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اس نے کئی ایک گمراہ کن عقائد گھڑ لیے مثلاً رسول اللہ ﷺ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس وقت خلافت پر قابض ہیں۔ وہ سب غاصب اور ظالم ہیں۔ اصل اور جائز حق صرف علیؓ کا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے۔ وغیرہ

ابن سبا کی کارروائیاں

اس قسم کا غلط پروپیگنڈہ کر کے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا۔ عثمانی عمال کی سختیوں اور

بدعنوانیوں کی من گھڑت داستانیں مشہور کرتا اور حضرت عثمان غنیؓ کی کنبہ پروری کے فرضی قصے بیان کر کے ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں میں تفریق کا بیج بوتا۔ اس نے عالم اسلام اور نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے اپنی سازش کے جال کو تمام اسلامی مراکز میں بچھا دیا اور ہر جگہ خفیہ خط و کتابت کے ذریعے ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا کہ تھوڑی ہی مدت میں سارے ملک کی فضا خراب ہو کر رہ گئی۔

ابن سبا کو اپنے مقصد میں توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی۔ اس نے تمام صوبوں کا دورہ کیا اور جہاں گیا' وہیں اپنی خفیہ جماعت قائم کر دی۔ اس کا معمول تھا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو اور موہجات سے مراکز کو عثمانیؓ حکام کے فرضی مظالم سے محفوظ نہیں۔ دمشق والے بصرہ کے حالات پر ترس کھاتے اور بصرہ والوں کو مصر کے حالات پر رونا تا۔ اس سازش کو کچھ ایسے منظم طریقے سے چلایا گیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سارا ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ ابن سبا کے پروپیگنڈہ سے ایرانی بہت متاثر ہوئے۔ ایرانی جو فطرتاً پرست واقع ہوئے تھے۔ اس مسلک کے حامی تھے کہ جس طرح قدیم ایران میں شہنشاہی ایک خاص خاندان کی ملکیت ہوتی تھی۔ اسی طرح خلافت بھی اہل بیت کا موروثی حق بن جائے۔ بدیں وجہ انہوں نے سبائی عقائد کی پرزور حمایت کی۔ علاوہ ازیں اکثر لوگوں نے ذاتی رنجشوں کی بناء پر ابن سبا کا ساتھ دیا۔ مزید برآں بعض مخلص مسلمان بھی محض غلط فہمیوں کا شکار ہو کر اور جھوٹے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ابن سبا کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا نے اپنی تحریک کا آغاز بصرہ سے کیا۔ جہاں اسے خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ مگر جب عبداللہ بن عامر والی بصرہ کو اس سازش کا علم ہوا تو اس نے ابن سبا کو وہاں سے نکال دیا۔ پھر یہ کوفہ پہنچا۔ یہاں امیر معاویہؓ گورنر تھے ان کی انتظامی قابلیت اور سیاسی سوجھ بوجھ بے نظیر تھی۔ ان کی موجودگی میں شام میں کسی بیرونی سازش کا پنپنا قریب قریب ناممکن تھا۔ اس لیے ابن سبا کو شام سے بصد حسرت و یاس مصر کا رخ کرنا پڑا۔ مصر میں سبائی تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ مصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض یافتہ لوگ بہت کم تھے۔ عوام دین سے مقابلتاً کم آگاہ تھے۔ اور ابن سبا جیسے ہشیار اور زیرک فتنہ گر کے باآسانی آلہ کار بن سکتے تھے۔ دریں اثنا بصرے اور کوفہ

کی انقلابی جماعتوں سے اس کا تعلق قائم رہا۔ اور اسکے نمائندے وہاں آتے جاتے رہتے۔
الغرض قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈہ کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا۔ خصوصاً عراق جسمیں مختلف اقوام کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شروفساد کی فطری صلاحیت تھی۔ سبائی فتنے کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں اعلانیہ حضرت عثمان غنی ؓ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

۳۴ ہجری میں جب صوبوں کے عمال کانفرنس میں شرکت کے لئے مدینہ گئے ہوئے تھے۔ مختلف صوبوں میں انقلابیوں نے شورش پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کوفہ میں انہوں نے مسجد میں ایک جلسہ عام کیا۔ جہاں یزید بن قیس نے اعلان کیا کہ حضرت عثمان غنی ؓ کو خلافت سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔ عین اس موقعہ پر افواج کوفہ کے سالار قعقاع بن عمرو نے جلسہ میں آکر یزید بن قیس کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار ہو جانے کے بعد اس نے کہا کہ میں صرف سعید بن العاص ؓ حاکم کوفہ کی علیحدگی چاہتا ہوں۔ چنانچہ قعقاع نے اسے چھوڑ دیا۔

دریں اثنا مالک بن اشتر نخعی بھی کوفہ میں آ گیا۔ اس نے لوگوں کو سعید ابن العاص کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اس کا اثر یہ ہوا کہ سعید ابن العاص کی مدینہ واپسی آنے پر لوگوں کو برملا کہہ دیا کہ ہم تجھے اپنا حاکم بنانا نہیں چاہتے اس پر سعید مدینہ واپس چلے گئے اور انکی جگہ ابو موسیٰ اشعری ؓ حاکم کوفہ مقرر ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ قریش سے نہ تھے۔ ان کے تقرر پر قریش نوازی کا الزام ختم ہو جانا چاہیے تھا مگر فتنہ پردازوں کا وہی عالم رہا۔

سبائی فتنہ پردازوں نے سازش کی کہ کچھ لوگ مدینہ جائیں اور برملا امیر المومنین حضرت عثمان غنی ؓ پر الزامات عائد کیئے جائیں۔ پھر ساری مملکت اسلامیہ میں پھیل کر لوگوں کو یہ یقین دلائیں کہ ہمارے الزامات صحیح ہیں۔ بعد ازاں دوبارہ مدینہ جائیں اور خلیفہ کے مکان پر محاصرہ کر لیں۔ اگر وہ خلافت سے علیحدگی کے لئے تیار نہ ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ لیکن چند مخبروں نے اس سازش کی خبر دربار خلافت میں پہنچا دی۔ جس کی وجہ سے سبائی اپنے پروگرام پر عمل نہ کر سکے۔

حضرت عثمان ؓ کا تحقیقاتی کمیشن

ابو موسیٰ اشعری کے عامل کوفہ مقرر ہو جانے کے بعد فتنہ انگیزی کا خاتمہ ہو جانا

چاہیے تھا۔ مگر مخالفین کی شرانگیزی کا وہی عالم رہا۔ اسی دوران ابن سبا کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ اس نے اپنے نقیبوں اور ایجنٹوں کے ذریعے عوام کو حکومت کے خلاف بدظن کرنے کا کام جاری رکھا اس کے ساتھ ہی عبداللہ بن سبا نے ایک اور چال چلی۔ اس نے مختلف اشخاص سے مقتدر صحابہؓ کو اور ایک شہر سے دوسرے شہر کے معتبر لوگوں کو خطوط لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ان خطوط میں اس شہر کے حکام کی من گھڑت برائیوں اور بدنظمیوں کا ذکر بے حد مبالغہ آمیزی سے کر کے انہیں اصلاح احوال کے لئے ابھارا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر میں مقتدر لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دوسرے شہروں میں حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں اور سارے ملک میں بدنظمی اور کنبہ پروری کے دور دورہ ہے۔

ان خطوط سے متاثر ہو کر بعض صحابہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو مشورہ دیا کہ مختلف صوبوں کے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے مقتدر اور معتبر عمائد کو بھیجا جائے اور ان کا وہاں جانا بالکل اچانک اور خفیہ ہو۔ چنانچہ ۳۵ ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ نے اسامہ بن زید کو بصرہ محمد بن مسلمہؓ کو کوفے عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور عمار بن یاسرؓ کو مصر کی جانچ پڑتال پر مامور کیا۔ ان مقتدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تحقیقاتی کمیشن کو مندرجہ ذیل امور کے متعلق تحقیقات کر کے دربار خلافت میں رپورٹ پیش کرنے کی تاکید کی گئی۔

۱۔ کیا عمال رعیت پر ظلم کرتے ہیں اور سختی سے کام لیتے ہیں؟

۲۔ کیا عوام کے حقوق خطرے میں ہیں؟

ان بزرگوں نے اپنے اپنے معینہ علاقوں کے عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسر کے سوا سب نے یہ اتفاقیہ بیان دیا کہ ہر جگہ حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ اور لوگوں کے حقوق کو کسی قسم کا خطرہ نہیں۔

عمار بن یاسرؓ سادہ دل بزرگ تھے۔ وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے سبائیوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا اور حکومت کے مظالم سے آپ کو آگاہ کیا۔ بظاہر متقی لوگوں کی زبانی عمال کے خلاف باتیں سن کر حضرت ابن یاسر بتقاضائے بشریت ان کے جال میں پھنس گئے اور اپنے طور پر تحقیقات مکمل کر کے دربار خلافت میں

پیش کرنے کی بجائے وہ بھی سبائیوں کے ساتھ مل کر نکتہ چینی کرنے لگے۔حضرت عمار بن یاسرؓ اس وجہ سے بھی سازشوں سے متاثر ہو گئے تھے کہ والی مصر عبداللہ بن سعد آنحضورﷺ کا مخالف رہ چکا تھا۔اور فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کو معاف نہ کیا گیا تھا۔ان میں یہ بھی تھا۔اگرچہ آخر میں حضرت عثمان غنیؓ کی سفارش پر اسے معافی دے دی گئی تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ کا اعلان عام

تحقیقاتی کمیٹیوں کی رپورٹ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اعلان کیا کہ میرا عمل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے۔مجھ پر کنبہ پروری کا الزام ہے۔لیکن یاد رکھو کہ میرے رشتہ داروں کا حق عام مسلمانون سے زیادہ نہیں۔اگر کسی مسلمان کو مجھ سے اور میرے اعمال سے کوئی شکایت ہو یا ان پر ظلم ہوا ہو۔وہ حج کے موقعہ پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے اعمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کر دے کہ خدا صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے حق میں دعا کی۔

عمال کی کانفرنس

اس اعلان کے ساتھ ہی تمام صوبوں کے عاملوں کو حج کے موقعہ پر طلب کیا اور ان کے سامنے شکایات اور افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں اور ان کی رپورٹ بھی آ چکے سامنے ہے۔اگر کوئی خرابی ہمارے طرز عمل میں ہوتی تو انہیں ضرور نظر آ جاتی۔لہٰذا یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا' اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ کس صورت سے ان افواہوں کا تدارک کیا جائے؟

سعید ابن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ چونکہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے۔اس کا علاج صرف یہ ہے سازشیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے۔امیر معاویہؓ نے کہا' کہ میرے صوبہ شام میں مکمل امن وامان ہے۔

ہے وہاں آپ کو کسی فتنے کی خبر نہ ملے گی۔ عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں اور عمر فاروق ؓ سے زیادہ لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ آپ ؓ کو ابو بکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ کے طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔ سختی کے موقعہ پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقعہ پر نرمی سے کام لیجئے۔ یہ مشورہ سن کر حضرت عثمان غنی ؓ نے جواب دیا:

''ہر ہونے والا واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے۔

اس امت کے لیے جس حادثے کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا۔ اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن اس کو نرمی سے بند کروں گا۔ البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا۔ اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت نہ باقی رہ جائے گی۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تم لوگوں میں سکون پیدا کرو۔ ان کے حقوق پورے کرو۔ خدا کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت (چرب زبانی کرنا' جو بات دل میں ہو اس کے برخلاف ظاہر کرنا) نہ کرو۔''

امیر المومنین حضرت عثمان غنی ؓ نے حج کے موقعہ پر تمام عمال کو طلب کر کے افواہوں اور فتنہ کے انسداد کی ہر ممکن کوشش کی۔ حج کے موقعہ پر سب عمال جمع ہوئے لیکن کسی نے ان کے خلاف کوئی شکایت نہ کی۔ حج کے بعد مدینے واپسی آ کر حضرت عثمان غنی ؓ نے اکابر صحابہ حضرت علی ؓ طلحہ ؓ اور زبیر ؓ کو بلا کر مملکت میں پھیل ہوئی شورش اور فتنہ انگیزی کے سد باب کے ضمن میں مشورہ طلب کیا۔ ان بزرگوں نے ہمدردانہ مشورے دیئے۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا۔

امیر معاویہ ؓ مکہ سے ساتھ آئے تھے۔ شام واپس جانے سے قبل انہوں نے عرض کیا کہ یہاں غیر مطمئن حالت کے پیش نظر آپ میرے ساتھ چلیں۔ وہاں آپکو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے جواب دیا۔ خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے لیکن میں جوار رسول ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتا اس پر امیر معاویہ ؓ نے کہا' اگر آپ ؓ چاہیں تو آپ ؓ کی حفاظت کے لئے شامی فوج کا ایک دستہ بھیج دوں۔ لیکن حضرت عثمان غنی ؓ نے اس پیش کش کو

بھی یہ کہ کر رد کر دیا کہ اپنی جان کے تحفظ کے لیے میں بیت المال پر بوجھ نہیں ڈال سکتا۔ علاوہ ازیں سپاہ کی موجودگی اہل مدینہ کے لئے باعث تکلیف ہوگی۔ امیر معاویہؓ نے پھر کہا مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے۔ فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل اس کے جواب میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر شام واپس چلے گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش ۳۴ ہجری

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اصلاح حال کی تدبیروں میں مصروف تھے کہ ۳۴ ہجری کے آخر میں جب کہ حج کی وجہ سے مدینہ خالی ہو جاتا تھا۔ کوفہ بصرہ اور مصر کے سبائیوں نے دربار خلافت میں صوبائی حکام کی بدعنوانیاں پیش کرنے کے بہانے مدینہ کا رخ کیا اور شہر سے دو میل دور ٹھہر گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جب حج سے واپس ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کی آمد کی اطلاع ہوئی ۔ آپؓ نے دو معتبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی آمد کی غرض و غایت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ صحابہ نے واپس آ کر بتایا کہ آپ کی غلطیاں جتا جتا کر آپ کو خلافت سے علیحدہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان کی خواہشات کے مطابق دستبردار نہ ہوئے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت عثمان غنی مسکرائے اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ ان شر انگیزوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے تا کہ فتنہ نہ بڑھے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ بغیر شرعی حق کے کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں سبائیوں کے وفد کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں طلب کیا۔ اس موقعہ پر سبائیوں نے آپ پر بہت سے الزامات عائد کیئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان غنی نے ان سب الزامات کا تسلی بخش جواب دیا۔ غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور مفسدین اپنے اپنے وطن کو واپس لوٹ گئے۔ لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا۔ اس عظیم حادثے لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سبائیوں (باغیوں) کے ان اعتراضات یا الزامات کا اجمالی جائزہ لیا جائے جن کی بناء پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات اور ان کا تجزیہ

پہلا الزام اور اس کا جواب

پہلا الزام: صحابہ کبارؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا۔ مثلاً مغیرہ بن شعبہ' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

اس الزام کے تین حصے ہیں۔ اول یہ کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا۔ دوم یہ کہ ان کی جگہ نااہل اور ناتجربہ کار نوجوانوں کو تعینات کیا۔ سوم یہ کہ اپنے خاندان کو فوقیت دی۔ لیکن حقیقتاً یہ تینوں اعتراضات بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی عامل کی معزولی کے معقول اسباب موجود ہوں تو اسے برطرف کرنا کوئی جرم نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے نامور سپہ سالار اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا تھا اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر کی برطرفی کی وصیت کر گئے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہ کو برطرف کیا۔ ان کی برطرفی کے معقول اسباب موجود تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس لئے معزول کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی معزولی کی وصیت کر گئے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی برطرفی کی وجہ یہ تھی کہ عوام ان کے خلاف ہو گئے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا۔ حالانکہ بصرہ سے معزولی کے چند برسوں بعد ان کو کوفہ کا والی مقرر کیا گیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی جو انہوں نے متواتر تقاضوں کے باوجود ادا نہ کی۔ یہاں تک کہ ناظم بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سعد بن وقاص کے درمیان سخت کلامی ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو محض پیرانہ سالی کی وجہ سے معزول کیا گیا۔ اسی طرح عبداللہ بن ارقم کو بھی ضعف پیری اور کمزور صحت کی بناء پر برطرف کیا گیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر کم ہوتی جا رہی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی عمرو بن

العاص ؓ نے خراج کے اضافے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ حالانکہ اس کی گنجائش موجود تھی۔ جیسا کہ ان کے جانشین عبداللہ بن ابی سرح نے تھوڑے ہی عرصے میں خراج کو بڑھا کر دگنا کر دیا۔ عمرو بن العاص ؓ کو اس وجہ سے بھی معزول کیا گیا کہ انہوں نے سکندریہ کی بغاوت فرد کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں اور ان کو لونڈی غلام بنایا تھا۔

اس اعتراض کے حصہ دوم کہ اکابر صحابہ ؓ کی جگہ نااہل اور ناتجربہ کار نوجوانوں کو تعینات کیا۔ محض ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ عمال کے تصور کا اصل معیار حکومت و جہانبانی کی صلاحیت ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے جب لوگوں کا انتخاب کیا' وہ ان عہدوں کے لئے موزوں ترین اشخاص تھے۔ چنانچہ انہی کی شجاعت اور ہمتوں کا نتیجہ تھا کہ اسلامی حکومت کی سرحدیں برصغیر پاک و ہند' چین اور سپین تک وسیع ہو گئیں اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ صحابہ ؓ کو برخاست کر کے صرف نوجوانوں کی ہی مقرر کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ہمارے سامنے مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن ارقم ؓ ناظم بیت المال کے بجائے ایک بزرگ صحابی زید بن حارث کو مقرر کیا گیا اور سعد بن العاص ؓ حاکم کوفہ کی جگہ ابو موسی اشعری کو متعین کیا گیا۔

البتہ اس الزام کا حصہ سوم قابل غور ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے اپنے خاندان کے افراد کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔ حضرت عثمان غنی ؓ کو خود بھی اس امر کا اعتراف تھا اور اس کے جواز میں ان کا مسلک تھا کہ آنحضور ﷺ بھی قریش کو قبائل عرب پر ترجیح دیتے تھے اور قریش میں سے بنی ہاشم کا سب سے زیادہ خیال رکھا کرتے تھے۔

دوسرا الزام اور اس کا جواب

دوسرا الزام: حضرت عثمان غنی ؓ کے خلاف یہ تھا کہ انہوں نے بعض اکابر صحابہ ؓ ابوذر غفاری ؓ عمار یاسر ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔ مثلاً ابوذر غفاری کو جلاوطن کیا۔ عمار بن یاسر کے ساتھ سختی کی اور عبداللہ بن مسعود ؓ کا وظیفہ بند کر دیا۔

اس الزام پر ابوذر غفاری ؓ کو جلاوطن کرنے کا واقعہ بالکل غلط ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے انہیں جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ایک ویرانے میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اس

کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ سرمایہ داری کے سخت خلاف تھے۔ان کے عقیدہ کے مطابق کل کے لئے کچھ بچا رکھنا ناجائز تھا۔اپنے ان عقائد کی انہوں نے شام میں خوب تبلیغ کی۔جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ ان کے ہم خیال ہو گئے۔امیر معاویہؓ کو ان کی سرگرمیوں سے شام میں نقص امن کا خطرہ پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے پاس بلا بھیجا اور کہا' آپ میرے پاس رہیے۔آپؓ کے تمام اخراجات کی کفالت میں کروں گا۔ حضرت ابوذر غفاری ایک بے نیاز بزرگ تھے۔جواب دیا' مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور مکہ کے قریب ایک ویرانے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

عمار بن یاسرؓ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی۔لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے۔اس لئے حضرت عثمان غنیؓ نے انکی فہمائش ضرور کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔حضرت عمر فاروقؓ نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اپنے کئی ایک عمال کو اعلانیہ سزا دی تھی۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ ضرور بند کیا گیا' اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کرنا چاہتے تھے۔تا کہ امت مسلمہ کسی تفرقہ کا شکار نہ ہو۔عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک علیحدہ مصحف تھا' جسے دوسرے تمام مصاحف کی طرح ضائع کرنے کے لئے طلب کیا گیا۔لیکن عبداللہ بن مسعود اسے دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ان کا مصحف خواہ انہیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو۔لیکن جس مصحف کی بناء پر حضرت عثمان غنیؓ نے اسے طلب کیا تھا۔اس کی اہمیت کے لحاظ سے عبداللہ بن مسعود کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا۔

تیسرا الزام اور اس کا جواب

تیسرا الزام: یہ تھا کہ بیت المال کا روپیہ بیجا طور پر صرف کیا اور اپنے اعزاز کو بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔مثلاً چچازاد بھائی مروان بن حکم کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا اور عبداللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیئے۔

یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔جہاں تک مروان بن حکم کو خمس دینے کا تعلق ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ اس نے طرابلس کے مال غنیمت میں سے خمس (حکومت کا حصہ) کو پانچ

لاکھ درہم میں خریدا تھا۔ اور یہ ساری رقم بیت المال میں جمع کردی گئی تھی۔ عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن خالدؓ کو جو رقمیں دی گئیں وہ ان کے شاندار فتوحات کے صلے میں عطا کی گئی تھی۔ لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو ان سے یہ رقمیں واپس لے لی گئیں۔ مخالفین (سبائیوں) نے بعد بعد میں ان واقعات کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ حضرت عثمان غنی کی داد و دہش کی غلط داستانیں اس لئے مشہور ہو گئی تھیں کہ آپؓ ہی متمول اور دولت مند انسان تھے اور ساتھ ساتھ فیاض بھی واقعہ ہوئے تھے۔ آپ اپنی ذاتی دولت میں سے اپنے عزیزوں کی مدد کرتے رہتے جسے مخالفین غلط رنگ میں پیش کرتے رہتے تھے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کو بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ کی تھی بلکہ خلفاء میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے جو اپنے واجبی مصارف کے لئے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

''لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو نوازتا رہتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا۔ سمجھتا ہوں۔ اور نہ کسی دوسرے کے لئے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروق کے زمانے میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیا کرتے تھے۔ خدا کی قسم! میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا ہے۔ بلکہ جس ملک سے جو بھی آمدنی ہوئی وہ وہاں کے لوگوں کی ضرورت اور فلاح و بہبود میں ہی صرف ہوئی۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے جس میں سے میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا۔ علاوہ ازیں خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا۔ حتی کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں۔''

چوتھا الزام اور اس کا جواب

چوتھا الزام: یہ تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا ہے۔

یہ الزام بھی سراسر غلط فہمی پر مبنی تھا' اصل حقیقت یہ تھی کہ یہ چراگاہ عہد فاروقی سے ہی بیت المال کے مویشیوں کے لئے وقف چلی آتی تھی۔ اس کی وضاحت خود حضرت عثمان

غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیان میں اس طرح فرمائی۔

"میں نے ان چراگاہوں کو مخصوص قرار دیا ہے جو مجھ سے قبل مخصوص ہو چکی تھیں۔ میرے پاس اس وقت دو انٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں۔ وہ بھی صرف حج کی سواری کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا۔"

پانچوں الزام اور اس کا جواب

پانچواں الزام: یہ تھا کہ اموی عمال کی بدعنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا گیا۔

یہ الزام سرتاپا من گھڑت ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ کے علم میں جو بدعنوانی آتی تھی۔ آپؓ اس کا تدارک فرماتے تھے۔ چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکائتیں دربار خلافت میں پہنچیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ساری مملکت میں اعلان کرادیا کہ "میں ہر سال حج کے موقعہ پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ میرے پاس عمال کی جو شکایت پہنچتی ہے۔ اس کا پورا تدارک کرتا ہوں۔ تاہم جس کو اگر کوئی شکایت ہو۔ وہ میرے پاس حج کے موقعہ پر پیش کرے اور مجھ سے اور میرے عامل سے اپنا حق لے یا معاف کردے کہ خدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

عہد عثمانی کا دستور تھا کہ جب کسی عہدہ دار کے خلاف عوام کو کوئی شکایت ہوتی اور وہ اس کی معزولی کا مطالبہ کرتے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فوراً اسے معزول کر دیتے۔ چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعید بن العاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمادیا۔

چھٹا الزام اور اس کا جواب

چھٹا الزام: یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مجرموں پر شرعی حدود جاری کرنے میں غفلت برتتے ہیں۔ اس الزام کے ثبوت میں سبائیوں نے دو واقعات پیش کیے۔ اول یہ کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ سے ہمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا گیا۔
دوم ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر کی گئی۔
پہلے واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے عبیداللہ نے خوزستان کے نومسلم ہرمزان اور جفینہ نامی عیسائی کو اس شبہ کی بناء پر قتل کر دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل میں وہ بھی شریک تھے۔ ان پر شرعی حد جاری کرنے کے بارے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رائے لی تو سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے باقی صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر کہا کہ کہ عبیداللہ کو قصاص میں موت کے گھاٹ اتار دینا قرین مصلحت نہیں۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ امیر المومنین! اگر آپ رضی اللہ عنہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ رضی اللہ عنہ سے ان کا مواخذہ نہیں کرے گا۔ نیز یہ واقعہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے ایک دو دن پہلے کا ہے اس لیے اس کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ پر عائد نہیں ہوتی۔ اس پر آپ نے امام وقت کی حیثیت سے قصاص کو دیت میں بدلتے ہوئے۔ مقتولین کا خون بہا اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔

ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی تہمت کے ثبوت میں قابل اعتماد شہادتیں بڑی دیر کے بعد ملی تھیں۔ اس لئے حد جاری کرنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ ورنہ سزا دینے میں غفلت نہ برتی گئی۔

ساتواں الزام اور اس کا جواب

ساتواں الزام: حضرت عثمان غنی پر یہ لگا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک قرآن کے علاوہ باقی سب قرآنوں کو جلوا دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو مورد الزام ٹھہرانا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ یہ قدم اٹھا کر انہوں نے دنیائے اسلام کو ایک بہت بڑے فتنہ سے بچا لیا۔ یہ تو آپ رضی اللہ عنہ کا ایک بہت بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر ایک تعظیم احسان ہے۔ اگر آپؓ یہ خدمت سرانجام نہ دیتے تو مسلمان ایک قرآن پر متحد نہ ہوتے بلکہ دوسرے اہل کتاب کی طرح وہ بھی ایک قرآن کی بجائے کئی قرآنوں کے پیروکار ہوتے۔

آٹھواں الزام اور اس کا جواب

آٹھواں الزام: حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف یہ تھا کہ انہوں نے بعض بڑی بدعتیں جاری کیں۔ مثلاً سنت رسول ﷺ اور سنت شیخین کے خلاف منیٰ کے مقام پر دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

اس الزام کی تردید میں حضرت عثمان غنیؓ نے کہا کہ ''جب میں مکہ میں پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کس مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کر طرح نماز پڑھنی چاہیے۔

نواں الزام اور اس کا جواب

نواں الزام: یہ عائد کیا گیا کہ ''حضرت عثمان غنیؓ نے حکم بن عاص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے جلا وطن کر دیا تھا۔ اپنے دور خلافت میں اسے دوبارہ مدینے بلا لیا تھا۔''

یہ اعتراض مخالفین کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ امر حقیقت یہ تھا کہ آنحضور ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں حضرت عثمانؓ نے حکم بن عاص کو واپس بلانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ عوام کو چونکہ اس واقعہ کا علم نہیں تھا۔ اس لیے انہیں اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔

دسواں الزام اور اسکا جواب

دسواں الزام: یہ لگایا گیا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی یہ الزام سرتاپا بے بنیاد اور حقیقت سے عاری ہے اصلیت اس کی یہ ہے کہ شر پسند آپؓ کو شہید کرنے پر تلے ہوئے تھے اور جب کوئی معقول عذر ان کے ہاتھ نہ آیا تو انہوں نے ایک جھوٹا فرمان جاری کر کے اسے حضرت عثمان غنیؓ کے نام منسوب کیا اور مشہور یہ کیا کہ اس فرمان میں خلیفہ نے حاکم مصر کو ہدایت کی ہے کہ جونہی مصری وفد واپس پہنچے ان سب کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ ادھر عثمان غنیؓ حدود مملکت میں برپا فتنہ انگریزی اور شورش کے سدباب کی تدابیر سوچ رہے تھے کہ باغیوں نے مدینہ پر ۳۵ھ میں دوسری بار یورش کر دی اور حضرت عثمان غنیؓ کو خلافت سے دستبردار کرنے پر مجبور کرنے کا آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ

کر لیا۔ چنانچہ شوال ۳۵ ہجری میں حج کے موقع پر باغیوں کے قافلے حج کے بہانے بصرہ کوفہ اور مصر سے ایک ہی وقت روانہ ہوئے اور مدینہ سے چند میل باہر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ باغیوں کی تعداد اٹھارہ سو سے تین ہزار تک تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی رحم دلی اور رواداری کو یہ لوگ ان کی کمزوری پر محمول کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے فریب سے متاثر ہیں اور فساد کے وقت شاید ان میں سے اکثر ان کا ساتھ دیں گے۔ مگر اہل مدینہ میں سوائے عمار بن یاسر، محمد بن ابوبکر اور محمد بن حذیفہ کے علاوہ کوئی بھی انکا ساتھ نہ تھا۔ نیز یہ لوگ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل پر تو متفق تھے لیکن آئندہ خلیفہ کے متعلق ان میں اختلاف رائے تھا۔ مصر والے حضرت علی کو حذیفہ بنانا چاہتے تھے۔ جب کہ اہل بصرہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو اور اہل بصرہ زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھے۔ ان کے نمائندے ان تینوں صحابہ کے پاس پہنچے مگر تینوں نے انہیں ڈانٹ کر واپس کر دیا۔ اسی آمد و رفت میں یہ راز بھی کھلا کہ ان اصحاب کی طرف سے شہروں میں جعلی خطوط لکھے گئے ہیں۔ اس پر اشتر نخعی باغیوں سے علیحدہ ہو گئے۔

شرپسندوں کی آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف مہم

اب باغیوں نے شہر میں غنڈہ گردی شروع کر دی اور مفسدین نے گورنر مصر عبداللہ ابن ابی سرح کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نماز جمعہ کے بعد نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی مگر ان لوگوں نے آپ کی ایک بات نہ سنی اور آپ کو پتھر مار کر زخمی کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ پر آپ رضی اللہ عنہ نے مصریوں کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دیا۔ اور ان کی خواہش کے مطابق محمد بن ابی بکر کو والئ مصر مقرر فرما دیا۔

بعد ازاں تمیں مہاجر و انصار کے سمجھانے بجھانے پر مفسدین واپس چلے گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اپنے آئندہ طرز عمل اور عوام کے لئے اصلاحی اقدامات کی وضاحت کی۔ یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے۔

جب مفسدین واپس ہو گئے تو اہل مدینہ یہ سمجھے کہ اب فساد رفع دفع ہو گیا۔

چنانچہ سب لوگ اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔ مگر تیسرے ہی دن مفسدین پھر پلٹ آئے اور مدینہ کی گلیاں دفعتاً ان کے نعروں سے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھیں اور ہر طرف ''انتقام انتقام'' کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے واپسی کا سبب پوچھا انہوں نے کہا ہمیں راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی جانب جاتے ہوئے ملا۔ ہمیں شبہ ہوا۔ تلاشی لینے پر اس کے پاس حاکم مصر کے نام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان ملا۔ جس میں ہم لوگوں کے قتل اور دوہری سخت قسم کی سزائیں دینے کا حکم تھا۔ اس لیے اب ہم بد عہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چند روز قبل آپ رضی اللہ عنہ سب مدینہ سے نکلے اور اپنے اپنے شہروں یعنی مصر' کوفہ اور بصرہ کی راہ لی اور اتنی جلدی تم پھر سب اکھٹے واپس پلٹ آئے ہو۔ اگر اہل مصر کو راہ میں دربار خلافت کا قاصد ملا اور وہ واپس آ گئے تو اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو اتنی جلدی واپس لوٹنے کی اطلاع کیسے مل گئی۔ اس پر مفسدین بے سروپا قسم کی باتیں بنانے لگے اور کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حیرت کے ساتھ لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ نہ ایسا حکم میں نے لکھا' نہ کسی سے لکھوایا اور نہ اس کے متعلق کوئی علم ہے اس پر باغیوں نے کہا' تو پھر یہ یقیناً مروان کی شرارت ہے۔ لہٰذا اسے ہمارے حوالے کر دیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کرانے کا وعدہ کیا۔ باغیوں نے جو ہر حالت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے کہا بہر حال کچھ بھی ہو' جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے امور پیش آ جائیں اور اسے خبر تک نہ ہو۔ وہ کسی طرح بھی خلافت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو جایئے۔ اس پر حقیقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''خدا نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے' اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔''

لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے دھمکی دیتے ہوئے کہا ''اگر تم خلافت سے دستبردار نہیں ہوتے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑ دیں گے اور جو شخص مزاحم ہوگا' اسکا مقابلہ بھی کریں گے۔''

شر پسندوں کی طرف سے آپ ؓ کا محاصرہ

حضرت عثمان غنیؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کرلیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ محاصرے کے دوران جاں نثاروں کی ایک جماعت حضرت عثمان غنی ؓ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر تھی لیکن آپ ؓ نے بہ اصرار سب کو واپس کر دیا۔ تاہم حضرت امام حسین ؓ ابن عباس ؓ محمد بن طلحہ ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ ایسے نوجوان واپس نہ گئے۔

آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا۔ حضرت علی اور ام المومنین حبیبہ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لئے گئے۔ لیکن اب باغیوں کو جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز نہ رہ گئی تھی۔ حتی کہ حرم نبیؐ کا بھی انہوں نے احترام نہ کیا۔ اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی تھی۔ باغیوں پر کسی کو قابو نہ تھا۔ ہر شخص کی جان خطرے میں تھی، صحابہ بالکل مجبور اور بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ بہت صحابہ ؓ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے سفر حج کا ارادہ کیا۔ اکابر صحابہ ؓ نے ان پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی۔ اس وقت صرف تین بزرگ حضرت علی ؓ حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ موجود تھے۔ جو نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ ان حالات پر قابو تھا۔ حضرت علی کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے۔ لیکن آخر وہ بھی مجبور ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی ؓ نے جب آخری مرتبہ بلا بھیجا اور آپ ؓ نے جانے کا قصد کیا تو آپ ؓ کو زبردستی روک لیا گیا۔

آپ ؓ کا شر پسندوں کو خطاب اور ان کی ہٹ دھرمی

آپ ؓ نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے تحفظ کے لئے آخری کوشش کرتے ہوئے ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی۔

"لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں خدا کی قسم! جہاں تک میرے بس میں تھا۔ میں نے ہمیشہ اصلاح کی

کوشش کی لیکن بہر حال میں انسان ہوں' اس لیے اصابت رائے کے
ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں۔"

بعد ازاں حضرت عثمان غنیؓ نے قصر خلافت سے باغیوں کے سامنے بار بار اپنی صفائی پیش کی اور اپنی اسلامی خدمات یاد دلائیں۔ مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بالآخر تنگ آ کر آپؓ نے فرمایا۔

"یاد رکھو! بخدا اگر تم مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔"

صحابہ کرامؓ کا آپ کو مشورہ

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ فتنہ انگیزی پر ڈٹے رہے تو فدائین اسلام نے حاضر ہو کر جاں نثاری کی اجازت چاہی۔ حضرت زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت کی معیت میں پہنچے اور عرض کیا' انصار حاضر خدمت ہیں اور دوبارہ اپنے انصار اللہ ہونے کا ثبوت دینے کی اجازت کے منتظر ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا' اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا' قصر خلافت میں ہم لوگ خاصی تعداد میں ہیں۔ اجازت ہو تو جانبازی کے جوہر دکھائیں۔ فرمایا خدا کے واسطے میرے لیے خون ریزی نہ کی جائے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا کہ آپؓ امت کے امام ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اس لیے تین صورتوں میں ایک صورت اختیار فرمائیے۔ آپ کے پاس کافی قوت ہے ہم لوگوں کی معیت میں نکلئے اور مقابلہ کیجئے۔ آپؓ حق پر ہیں یا پھر قصر خلافت کے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہیں۔ آپؓ سواری پر بیٹھ کر مکہ نکل جائیں۔ وہاں حرم شریف میں لوگ جنگ نہ کریں گے۔ یا پھر شام چلے جائیے۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں۔ اسکے علاوہ وہاں معاویہ بھی ہیں۔

حضرت مغیرہؓ کے ان مشوروں پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ جہاں تک

ان لوگوں کے ساتھ حرب وضرب کا سوال ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا وہ پہلا خلیفہ نہیں کہلانا چاہتا جو مسلمانوں میں باہمی خونریزی کا باعث ہوگا اور اگر میں مکہ جاؤں تو یہ لوگ مجھے وہاں بھی نہیں بخشیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ مکہ میں قریش ہی میں سے ایک شخص مارا اور دفنایا جائیگا اور اسے پوری دنیا کا نصف عذاب برداشت کرنا ہوگا۔ لہٰذا میں وہ خاص شخص نہیں بننا چاہتا۔ رہا شام کی طرف جانے کا سوال جہاں اہل شام کے علاوہ معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور آپ کے روضہ کی مجاورت نہیں چھوڑنا چاہتا ویسے مکہ میں جو شخص مارا اور دفنایا جائیگا اس کے متعلق اہل شام پہلے ہی کہنے لگے ہیں کہ وہ عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ہونگے یعنی اہل قریش کے متعلق اہل شام کے خیالات ابھی سے ظاہر ہیں۔

(بحوالہ حضرت عثمان ص! شہید محمد بن یحیٰی ابن ابی بکر مالکی ص ۱۸۲ متوفی ۷۴۱ھ)

واضح رہے کہ ہم چونکہ اسناد کے محتاج ہیں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہمارے لئے ظنی ہیں۔ اور ہم ایسی پیش گوئیوں کا اکثر انکار بھی کر دیتے ہیں لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کی یہ صورت نہیں ہے ان کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود اپنے کانوں سے سن لینے کے بعد قطعی ہوتے ہیں۔ وہ نہ ان کا انکار کر سکتے ہیں نہ ان میں کسی قسم کا شک وشبہ کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں سے سنے تھے اس لئے انہیں ان پر قطعاً یقین تھا اور وہ ان کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ البتہ ہم ان کا انکار کر سکتے ہیں اور ان میں شک وشبہ بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فرق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بطور امیر حج تقرر اور اہل مکہ کے نام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط

۳۵ھ میں بلوائیوں کی شورش کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معمول کے مطابق حج پر تشریف نہ لے جا سکے تو آپ نے اپنی جگہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا اور ان کے ہاتھ اہل مکہ کے نام ایک خط روانہ کیا جسے انہوں نے ترویہ سے ایک روز پہلے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا، خط کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیر المومنین عبداللہ عثمان ﷺ کی جانب سے مسلمانوں اور مومنوں کی طرف السلام علیکم اما بعد! میں تمہیں اللہ کے نام کے ساتھ خط کرر ہا ہوں جس نے انعام دیا انعام دیا اور اسلام کی تعلیم دی، تمہیں روشنی دکھائی، گمراہی سے بچنے کی ہدایت کی اور کفر سے نجات دی، دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کی، رزق میں کشادگی عطا فرمائی اور تم پر اپنی نعمت مکمل کی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ہرگز شمار نہیں کر سکتے، انسان بہت ہی نا انصاف اور ناشکرا ہے، حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: اے ایمان والو خدا سے ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے اور (دیکھو) نہ تم مرو مگر مسلمان ہوتے ہوئے اور اللہ کی رسی کو (سب مل کر) مضبوط پکڑے رہو۔ (۳/۱۰۲۔۱۰۵) اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے: اے ایمان والو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس میثاق کو جس کا اللہ نے تمہیں پابند بنایا ہے جب تم نے کہا سنا، اور اطاعت کی، (۵/۷) اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی بدقماش آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو اسکی اچھی طرح جانچ پڑتال کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لاعلمی میں کسی قوم کو نقصان پہنچادو، (۴۹/۶، ۷) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت پر بیچ دیتے ہیں اس آیت کو آخر تک پڑھو جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ" ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔ (۳/۷۷) اور حق تعالیٰ نے فرمایا: سنو اللہ کا کلام اور اسکی اطاعت کرو اور اسکی راہ میں خرچ کرو، اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے، جو اپنے نفس کے لالچ سے محفوظ رہے وہی کامیاب ہیں، (۶۴/۱۶) اور اللہ نے فرمایا: جب تم نے اللہ سے کوئی عہد کیا تو اسے پورا کرو، (۱۶/۱۹) اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا مگر اس نے جو کچھ دیا ہے اس میں

آزماتا ہے، (۵/۵۱) اور اللہ نے یہ بھی فرمایا اور تم اپنی قسموں اور فریب کے ذرائع کو آپس میں استعمال نہ کرو، (۱۶/۹۴) اور یہ بھی فرمایا: اور میری آیات کو کم قیمت پر مت بیچو!، (۵/۴۴) اور یہ بھی فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں سے حکم دینے والا ہوں، (۴/۵۹) اور یہ بھی فرمایا: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے۔ (۲۴/۵۵) اور یہ بھی فرمایا: (اے رسول) جس نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی ہے گویا اس نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، جو لوگ اس عہد سے پھریں گے وہ اپنا ہی نقصان کریں گے اور جو لوگ اس عہد کو پورا کریں گے اللہ انہیں اس کا اجر عظیم دیگا، (۴۸/۱۰)

ان آیات قرآنی کی روشنی میں یاد رکھو حق تعالیٰ فرماں برادری اطاعت اور جماعتی نظم و نسق سے خوش ہوتا ہے۔ اس نے معصیت، تفریق اور اختلاف باہمی پر وعید سنائی ہے۔ اس نے پچھلی قوموں کے واقعات سنا کر ہم پر حجت قائم کی ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کی ان نصیحتوں کو قبول کرو اور اس کے عذاب سے ڈرو، اگر تم لوگ واقعات پر غور و کرو گے تو معلوم ہوگا کہ گذشتہ اقوام اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں تفریق پیدا ہوئی تھی۔ لہٰذا قوم کی بھلائی کی اس کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہیں کہ ان کا متفقہ طور پر ایک سربراہ ہو جو ان کی شیرازہ بندی کرے، اگر تم اختلاف و تفریق کا راستہ اختیار کرو گے تو تمہاری جمعیت یکجا نہ رہیگی۔ دشمن تم پر غالب آجائیں گے اور تم ایک دوسرے کی عزت پر حملے کرنے لگو گے!! اگر یہ سب کچھ ہو گیا تو سمجھ لو خدا کا دین مستحکم نہ رہ سکے گا، قوم کا شیرازہ بکھر کر

ان کی مختلف ٹولیاں بن جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: جن لوگوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کیا اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے آپ ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں، انہیں خدا کے حوالہ کر دیں، ان کے کردار پر خدا ان کو پکڑے گا۔ میں بھی تم کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو حق تعالیٰ نے کی ہے اور تم کو اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اے لوگو! کہیں میری مخالفت کا نتیجہ تمہارے لئے اسی عذاب کی صورت میں رونما نہ ہو جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر رونما ہوا تھا۔

اس کے بعد عرض ہے کہ کچھ لوگوں نے خود کو عوام کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے جیسے وہ کتاب الٰہی اور حق کو قائم کرنے کے متمنی ہیں نہ دنیا سے انہیں کوئی غرض ہے اور نہ کسی دنیوی فائدے کے لئے وہ کوئی مطالبہ پیش کر رہے ہیں لیکن جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو وہ حق سے کترا گئے اور جھگڑنا شروع کر دیا، ان میں سے اکثر و بیشتر تارک حق تھے مگر لوگوں میں اپنا اعتماد قائم کرنا چاہتے تھے، ان کو میری زندگی کا رشتہ بہت طویل نظر آ رہا ہے اور وہ حکومت و امارت پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہے ہیں اور کسی فوری انقلاب کے خواہشمند ہیں، ان لوگوں نے تم کو لکھا ہے کہ ہم نے عثمان ؓ سے اپنا حق وصول کر لیا ہے مگر مجھے علم نہیں کہ میں نے ان سے کسی چیز کا معاہدہ کیا ہو اور اسے پورا نہ کیا ہو یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں کہ حدود قائم ہوں، میں نے کہہ دیا ہے کہ جو حد کے لائق ہوگا وہاں ضرور حد قائم کی جائیگی خواہ اپنا ہو یا غیر ہو وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی فرماں برداری قائم ہونی چاہئے، میں بھی کہتا ہوں ایسا ضرور ہونا چاہئے! مگر جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس پر بے کم و کاست عمل ہونا چاہئے، وہ کہتے ہیں کہ مزدور کو اس کی اجرت اور غریب کو روٹی ملنی چاہئے، صدقات و خمس کے اموال میں حق تلفی نہیں ہونی چاہئے اموال مسلمین پر طاقتور اور امانت دار اشخاص بطور امیر

مقرر کئے جائیں میں نے یہ سب باتیں بخوشی منظور کرلیں، ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے مشورہ کیا، انہوں نے حکم دیا کہ عمرو بن العاص ؓ! اور عبداللہ بن قیس ؓ! کو امیر مقرر کرو، اور معاویہ ؓ! کو بدستور اپنی جگہ پر رہنے دو، تم سے پہلے فاروق ؓ! نے انہیں مقرر کیا تھا وہ اپنے مقام پر نہایت مناسب ہیں کیونکہ ان سے عوام اور افواج سب راضی ہیں، میں نے ان ہدایات کی تعمیل کی مگر پھر بھی مجھ پر ظلم کیا جارہا ہے تم کو یہ سب کچھ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میرے مہربان قضا وقدر کے فیصلوں کو جلد تبدیل کرنا چاہتے ہیں، مسجد نبوی میں میری نماز بند کردی گئی ہے فسادیوں نے مدینہ پر اپنا تسلط قائم کرلیا ہے اور مجھے تین باتوں کے لئے مجبور کیا جارہا ہے اول یہ کہ خود کو ان کے حوالہ کردوں کیونکہ وہ مجھے ہر اس شخص کے عوض قید میں ڈالنا چاہتے ہیں جو غلط یا صحیح طور پر میری عملداری میں قید ہوا دوئم میں خلافت سے دست بردار ہو جاؤں اور وہ کسی دوسرے شخص کو میری جگہ مقرر کردیں، بصورت دیگر وہ اپنے حامیوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف فیصلہ کن اقدام کرنا چاہتے ہیں، میرا جواب یہ ہے کہ جو خلفاء مجھ سے پہلے گذرے ہیں ان سے بھی غلط اور صحیح دونوں طرح کے کام ہوئے ہیں لیکن ان سے سلب خلافت کا مطالبہ نہیں کیا گیا میں سمجھتا ہوں کہ ان کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ وہ میرے خون کے درپے ہیں مگر میں ان کی خواہش پر خلافت سے ہرگز دست بردار نہ ہونگا نہ خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی خدمت سے کنارہ کشی اختیار کرونگا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم باغی فوجوں کو مدینہ میں داخل کردیں گے جو میری اطاعت و وفاداری سے برأت کا اعلان کردیں گی تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ میں ان کا پابند نہیں ہوں یہ ماضی میں خود ہی اظہار اطاعت کی غرض سے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تھے اب اگر یہ اپنے عہد سے منحرف ہوتے ہیں تو اپنے اس فعل بد کے خود ذمہ دار ہونگے۔

آج اگر کوئی طالب دنیا بن کر اٹھتا ہے تو اسے تقدیر الٰہی کا فیصلہ قبول کرنا ہوگا، البتہ جو حق تعالیٰ کی رضا جوئی، آخرت کی بھلائی اور سنت حسنہ کو لیکر

اٹھے گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے قائم کی تھی تو وہ یقیناً اللہ کی طرف سے جزاء خیر کا مستحق ہوگا اور میں اسے اس اطاعت وعبادت کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا کیونکہ اگر تمام دنیا کی نعمتیں بھی اس کی قیمت میں دیدیوں تو یہ تمہارے دین کی قیمت نہ ہوسکیں گی، اور نہ یہ دنیا تمہارے کسی کام آسکے گی، میری درخواست ہے کہ تم سب خدا سے ڈرو اور جو اجر اس نے تیار کیا ہے اسے پانے کے کوشش کرو، اگر کوئی بدعہدی کا مظاہرہ کرتا ہے تو میں اسے برداشت نہیں کرسکتا کیونکہ حق تعالیٰ بھی بدعہدی کو پسند نہیں کرتا، جو لوگ مجھے فساد برپا کرنے والوں کے مقابلے میں کلی طور پر صاحب اختیار قرار دیتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں کسی شورش کو بزور دبانے کے حق میں نہیں ہوں بلکہ ایسی تمام کارروائیوں کو ہوس اقتدار وامارت کی جنگ تصور کرتا ہوں۔ اسی لئے میں اپنا اور اپنے گھر والوں کا نظم صبر وتحمل کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہوں اور خدائی فیصلے کا انتظار کر رہا ہوں، میں امت میں کسی افتراق واختلاف اور خونریزی کی بری سنت کو قائم کرنا نہیں چاہتا، اسی لئے تمہیں بھی خدا اور اسلام کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ حق اور انصاف کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھانا، جن لوگوں نے فساد کا بیڑا اٹھایا ہے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق دونوں گروہوں کو عدل وانصاف کی ترازوں میں تولو، اور خدا سے کئے ہوئے عہد پر قائم رہو جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''عہد کو پورا کرو، رنہ قیامت کے دن اس عہد کے متعلق تم سے باز پرس ہوگی!'' ہماری طرف سے بارگاہ خداوندی میں یہی ایک معذرت کافی ہے، توقع ہے کہ تم ان سب باتوں کو پیش نظر رکھو گے۔

مجھے اپنے نفس کی برأت مقصود نہیں کیونکہ انسان کا نفس بڑا سرکش واقع ہوا ہے۔ البتہ وہ لوگ جن پر اللہ کا فضل ہو اسکی سرکشی سے محفوظ رہتے ہیں، میں نے لوگوں پر اگر کوئی سختی کی ہے تو محض اللہ کی رضا جوئی کیلئے کی ہے لیکن پھر بھی حق تعالیٰ سے اپنے ہر عمل پر توبہ کرتا ہوں بے شک وہی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے، اس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور اس کی رحمت سے

گمراہ قوم ہی ناامید ہو سکتی ہے، وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا، ان کے گناہوں کو معاف کرتا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے پوری طرح باخبر ہے! حق تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ میری اور تم سب کی مغفرت فرمائے، اس امت کے دلوں کو خیر کے ساتھ جوڑے رکھے اور برائیوں سے متنفر کردے، میری طرف سے سب مسلمانوں اور مومنوں کو سلام پہنچے!''

سیدنا عثمان ؓ کے خط کا مختصر تجزیہ

حضرت عثمان ؓ نے اپنے اس طویل خط میں جن امور پر آیات قرآنی سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ دلوں میں اطاعت خداوندی کا جذبہ پیدا کرنا۔
۲۔ اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے آپس میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنا۔
۳۔ عذاب الٰہی اور نقص عہد کے انجام بد سے ڈرتے رہنا۔
۴۔ اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت پر قائم رہنا۔
۵۔ اختلاف و افتراق اور انتشار سے بچنا۔
۶۔ جماعتی نظم و ضبط قائم کرنا۔
۷۔ اور ہر قیمت پر امن و امان کی فضا کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے رہنا۔

ان امور پر توجہ دلانے کے بعد انہوں نے مخالفین کی زیادتیوں اور ان کے بے جا مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انہوں نے عوام کے جائز حقوق و مطالبات ہمیشہ پورے کیے ہیں، کبھی کسی کی حق تلفی یا کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی اور قیام حدود کے علاوہ کسی پر کوئی سختی بھی نہیں کی۔ نیز اصلاح احوال کیلئے انہوں نے ہر وہ قدم اٹھایا ہے جو وہ اٹھا سکتے تھے، ازواج مطہرات سے مشورہ کیا، ان سے مشوروں کی روشنی میں عمال حکومت کے عزل و نصب کے سلسلے میں مناسب اقدامات کیے لیکن مفسدین چونکہ کوئی کوئی اصلاحی تحریک لیکر نہیں اٹھے تھے اس لیے حضرت عثمان ؓ کی کوئی اصلاحی تدبیر اور یقین دہانی انہیں اپنے عزائم سے باز نہ رکھ سکی، چنانچہ ان کے مظالم بڑھتے گئے اور اب انہوں نے مسجد میں آمد و رفت پر پابندی لگانے کے علاوہ حضرت عثمان ؓ اور ان کے اہل خانہ پر پانی بھی بند کر دیا۔

اہل مدینہ اور بلوائیوں کے سامنے حضرت عثمان ﷛ کی تقریر

اہل مدینہ اور بلوائیوں کے سامنے حضرت عثمان ﷛ نے حضرت علی ﷛، حضرت طلحہ ﷛ اور حضرت زبیر ﷛ کو طلب فرمایا اور ان کی موجودگی میں اہل مدینہ اور بلوائیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت عمر ﷛ کی شہادت پر تم سب کسی بہتر ہستی کے انتخاب کے خواہشمند تھے اور کیا خدا نے تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر دی تھی! تم نے جس شخص کو اتفاق کے ساتھ خلیفہ منتخب کیا تھا کیا تم پر اس کے کچھ ایسے حقوق نہ تھے جو تم ادا نہیں کر سکے۔ اور کیا اب حق تعالیٰ کو اپنے دین کی نصرت و کامرانی عزیز نہیں رہی؟ اور وہ اپنے دین کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہو گیا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ خلیفہ کے انتخاب کے وقت دین کا شیرازہ اس طرح پر پراگندہ نہ تھا، کیا خلیفہ کا انتخاب شوریٰ کے ذریعہ نہیں ہوا تھا؟ کیا خلیفہ تم پر زبردستی مسلط ہو گیا تھا؟ کیا تم لوگوں نے امام کا انتخاب باہمی مشورے سے نہیں کیا تھا؟ میں تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تمہیں ماضی میں میری نیکیوں کا علم نہ تھا؟ امت مسلمہ پر میرے وہ احسانات ہیں کہ آنے والی نسلیں بھی ان سے سبکدوش نہیں ہو سکتیں! تم لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو حالانکہ اسلام میں صرف تین آدمیوں کا قتل جائز ہے ایک وہ شخص جو شادی شدہ ہونے کے باوجود ارتکاب زنا کرے۔ دوسرا وہ جو مرتد ہو جائے تیسرا وہ جو ناحق کسی کو قتل کر دے، یاد رکھو اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو نہ تمہاری گردنیں تلواروں سے بچ سکیں گی اور نہ قیامت تک تمہارے باہمی اختلافات ختم ہوں گے!

ام المومنین حضرت ام حبیبہ ﷝ کے ساتھ گستاخی

حضرت ام حبیبہ ﷝ کچھ سامان کے ساتھ ایک خچر پر پانی چھپا کر لائیں مگر بدبختوں نے ام المومنین کی عزت و حرمت کا بھی پاس نہ کیا اور ان کیساتھ سخت بدتمیزی سے پیش آئے اور وہ مجبور ہو کر اپنے گھر لوٹ گئیں، حضرت علی ﷛ اور حضرت ام حبیبہ ﷝ کی ناکام کوششوں کے بعد حضرت طلحہ ﷛ اور حضرت زبیر ﷛ بھی خاموش ہو کر گھروں میں بیٹھے رہے البتہ خاندان حزم کے کچھ لوگ محاصرین کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر جب بھی ممکن ہوا حضرت عثمان ﷛ کو تھوڑا بہت پانی پہنچاتے رہے۔

خدمات جلیلیہ کے اعتراف کے باوجود ظلم وزیادتی پر اصرار

جن دنوں حضرت عثمان ؓ اپنے مکان میں محصور تھے ایک دن حضرت علی ؓ، حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ کی موجودگی میں آپ نے لوگوں سے قسم دیکر پوچھا کہ "کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ "جس نے زمین کا یہ ٹکڑا خرید کر میری مسجد میں شامل کیا، اس کے لئے جنت ہے!" اس کا اجر اسے اس دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں اس کے درجات بلند ہونگے اس کے بعد آپ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر میں نے زمین کا وہ ٹکڑا خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا، حضرات صحابہ ؓ نے تصدیق کی کہ بخدا آپ سچ فرماتے ہیں، اس بات کی بلوائیوں نے بھی تصدیق کی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اب آپ بدل گئے ہیں!" اس کے بعد آپ نے حضرات صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تم سے خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں، "کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جس نے لشکر عسرۃ کے لئے سامان جنگ فراہم کیا اس کیلئے جنت ہے!" پھر آپ نے فرمایا، میں نے اس لشکر کے لئے اتنا سامان مہیا کیا کہ کسی سازو یراق کی کمی باقی نہ رہی حضرات صحابی نے اس کی تصدیق کی اور بلوائیوں نے بھی تصدیق کی مگر ساتھ ہی یہ کہا کہ اب آپ وہ نہیں رہے!" اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے قسم دیکر پوچھا کہ کیا آپ حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مسلمانوں کیلئے "بیر رومہ" خریدا اس کے لئے جنت ہے!" پھر آپ ؓ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں جس نے وہ کنواں خریدا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے مسلمانوں کیلئے وقف کر دو خدا تمہیں اس کا اجر دیگا" تمام صحابہ ؓ کرام نے اس کی تصدیق کی تو بلوائی کہنے لگے، یہ حضرات درست کہہ رہے مگر اب آپ بدل گئے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا، تم پر افسوس ہے، بھلا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جس شخص نے اتنا کچھ کیا ہو وہ اب بدل گیا ہے! آخر میں آپ نے اصحاب شوریٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا: جو کچھ یہ لوگ آج مجھ سے کہہ رہے ہیں، کل تم سے بھی کہیں گے!" چنانچہ جب باغیوں نے حضرت علی ؓ کے خلاف خروج کیا تو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے فضائل ومناقب کی تصدیق حضرات صحابہ سے کرائی تھی اوران حضرات نے یک زبان ہوکر تصدیق کی تو باغیوں نے یہی جواب دیا تھا کہ یہ حضرات درست کہہ رہے ہیں مگراب آپ بدل گئے ہیں!'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت فرمایا تھا، مجھے آج قتل نہیں کیا گیا بلکہ اسی روز قتل کردیا گیا تھا جب ان بیضا' یعنی عثمان رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تھے، یہ روایت امام احمد نے مسند میں نقل کی ہے!

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے آخردم تک یہی کہا کہ ''اے قوم میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرادے کہ جیسی مصیبت قوم نوح قوم ہود یا قوم صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم کا زمانہ تو تم سے کچھ ایسا دور بھی نہیں ہے!''

ان لوگوں کے ظلم وستم، جبر وتشدد اور قتل پر آمادگی کے باوجود آپ ان کے حق میں یہی دعا کرتے رہے کہ اے خدا، اس کے باوجود کہ یہ لوگ میرے قتل پر آمادہ ہیں تو انہیں اس عذاب سے دور رکھ جو اس سے قبل دیگر احزاب پر گذرا ہے!''

انصار مدینہ کی طرف سے امداد کی پیش کش

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: دروازے پر انصار جمع ہیں اور کہہ رہے ہیں ''ہم ایک بار انصار ہونے کا ثبوت دے چکے ہیں اگر آپ حکم دیں تو ہم یہ ثبوت دوبارہ دینے کو تیار ہیں''۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، مگر انہیں کسی کا خون بہانے کی اجازت نہیں، طبقات ابن سعد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا امیر المومنین کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے جنگ کریں؟ آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیا آپ چاہتے ہیں ہے کہ یہ سب قتل کردیئے جائیں؟ یاد رکھو! ایک شخص کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسا سب کا قتل'' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب وہ کاشانہ خلافت پر پہرہ دے رہے تھے عرض کیا آپ ان لوگوں سے جنگ کیجئے، ان سے آپ کا جنگ کرنا اللہ کے نزدیک جائز ہے، آپ نے فرمایا: نہیں میں قیامت تک ان سے جنگ نہیں کروں گا''۔ طبقات بن سعد کی روایت کے مطابق ان عون ابن سیرین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گرد وپیش سات سو آدمی

موجود تھے، اگر آپ انہیں جنگ کی اجازت دے دیتے تو وہ بلوائیوں کیصفیں درہم برہم کر دیتے، ان میں ابن عمر ﷺ، حسن ابن علی ﷺ اور عبداللہ ابن زبیر ﷺ بھی تھے مگر آپ نے ساتھیوں کو جنگ کی اجازت دینے کے بجائے دریچہ سے جھانک کر بلوائیو سے کہا: لوگو میرے قتل سے باز آجاؤ، اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی تم مل کر نماز نہ پڑھ سکو گے، نہ کبھی اکٹھے ہو کر جہاد کر سکو گے" ابن سعد ہی نے طبقات میں اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "ابن عباس مخزومی کے غلام کا بیان ہے کہ جن مصریوں نے حضرت عثمان ﷺ کا محاصرہ کیا تھا ان کی تعداد سات سو تھی اور ان کے سردار عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر بن عتاب الکندی اور عمر بن الحمق خزاعی تھے جو لوگ کوفہ سے آئے ان کی تعداد دو سو تھی اور ان کا سردار مالک الاشتر نخعی تھا، جو لوگ بصرہ سے آئے تھے ان کی تعداد سو تھی۔ اور ان کا سردار حکیم بن جبلہ العبدی تھا، لیکن جہاں تک فتنہ وفساد کا تعلق ہے اس میں یہ سب متحد تھے۔ ان کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی شریک ہو گئے تھے جنہیں طرح طرح سے لالچ دیئے گئے تھے اور ان سے انعام واکرام کے وعدے گئے تھے۔ اس کے بعد ابن عباس مخزومی کا غلام کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس فتنہ وفساد پر بہت نادم ومتاسف تھے انہوں نے بلوائیوں کو چھوڑ دیا تو یقیناً ان کا یہ خیال تھا کہ بات حضرت عثمان ﷺ کے قتل تک نہ بڑھے گی اور وہ ان سے مقابلہ اور جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو وہ سب کے سب خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہو کر جان ومال کا نقصان اٹھا کر اور شرمندہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے"۔ طبقات ابن سعد ہی کی روایت ہے کہ "جب بلوائیوں کو مصر وشام سے امدادی فوجوں کی روانگی کی خبر ملی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عثمان ﷺ کے لئے کسی بیرونی امداد کے پہنچنے سے پہلے ان کا کام تمام کر دیا جائے کیونکہ ابن عامر کی موجودگی میں عراق سے اور عبداللہ بن سعد کی موجودگی میں مصر سے ان کی کمک بھی منقطع ہو جائے گی!"۔

ابن سعد نے اپنی اسناد کے ساتھ ابن عون اور حسن بن علی ﷺ کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن ﷺ نے فرمایا: میں نے حضرت عثمان ﷺ کو ایسے سادہ لباس میں دیکھا جو امیر المومنین حضرت عمر ﷺ کا شعار تھا وہ بالکل میرے سامنے تھے، انہوں نے مجھے مالک الاشتر کو بلانے کے لئے بھیجا جب میں اسے بلا لایا تو آپ نے اسے دریافت فرمایا، اے اشتر

یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں؟اس نے جواب دیا تین چیزیں جن میں سے ہر ایک لازمی ہے۔ آپ نے دریافت کیا وہ کون سی تین چیزیں ہیں؟اس نے کہا پہلی بات یہ ہے کہ آپ امر خلافت ان کے حوالے کر دیں اور خود کو بھی ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے، آپ نے پوچھا، کیا ان میں سے کسی بات کو دوسری پر ترجیح دی جا سکتی ہے؟اس نے کہا جی نہیں اس پہلی بات کے دونوں جز و لازمی ہیں!'' آپؓ نے فرمایا: میں اس منصب کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں جو مجھے خدا نے بخشا ہے!''۔

اہل مدینہ سے آخری مشورہ اور ان کے حق میں دُعاءِ خیر!

بلوائیوں کی طرف سے جب محاصرے میں سختی ہونے لگی اور مسجد میں آپ کی آمدورفت بھی روک دی گئی تو آپ نے اکابر صحابہؓ اور ممتاز اہل مدینہ کو بلوائیوں کے مطالبات پر مشورہ کے لئے طلب فرمایا، ان حضرات نے آپ کو صبر کرنے اور خلافت سے دست برداری کے مطالبے کو مسترد کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے کہا اب آپ لوگ تشریف لے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ لوگ اپنے گھروں میں ٹھہریں، اگر یہ لوگ آپ کو جمع کرنے کی کوشش کریں تب بھی مجھ سے دور رہیں۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ محارب، الطاریؓ اور سالم المقیمؓ سے جو اہل مدینہ میں آپ کے حامی تھے فرمایا: آپ حضرات بیٹھ جائیں۔ یہ سب بیٹھ گئے تو آپ نے کہا: میں تم لوگوں کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ میرے بعد تمہیں جو خلیفہ ملے وہ تمہارے حق بہتر ثابت ہو۔ آج کے بعد تم میں سے کوئی میرے پاس نہ آئے تا کہ میرے متعلق خدا کا جو حکم ہو چکا ہے وہ پورا ہو جائے، تاہم آپ لوگ دروازہ کے قریب رہیں اور دینی یا دنیوی معاملات میں بلوائیوں کی کوئی بات قبول نہ کریں۔

حضرت علیؓ بیت المال کے مختار کل بنا دیئے گئے

طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ایام محاصرہ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بیت المال کا مختار کل بنا دیا تھا۔ حضرت علیؓ نے بیت المال کو کھول کر اس میں جو کچھ تھا اسے اہل مدینہ اور صالحین میں تقسیم کر دیا اور حضرت عثمانؓ سے کہا، آپ نے

استقلال کے ساتھ جو روش اختیار کی ہے میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

علقمہؓ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ ان سے عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عثمانؓ ممبر پر تھے تو میں نے پوچھا، کیا آپ کو کبھی یہ گمان گزرا ہے کہ آپ کے کسی عمل سے امت پر کوئی سختی واقع ہوئی ہو، اگر ایسا ہوا ہے تو آپ خدا سے توبہ کر لیجئے!" یہ سن کر آپ نے فرمایا: اگر کبھی سہواً بھی ایسا ہو گیا ہے تو میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں، یہ کہہ آپ نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

طبقات ابن سعد کی روات ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا کہ اگر کتاب اللہ میں تمہارے سامنے کوئی ایسی بات آئے جس سے تم یہ محسوس کرو کہ میں نے کسی بےقصور کو بیڑی پہنائی ہے تو تم میرے دونوں ٹخنے کاٹ دینا!" اتنی بڑی بات خلیفہ راشد کے علاوہ کوئی عام حکمران نہیں کہہ سکتا۔ حضرت عثمانؓ ہی وہ واحد خلیفہ راشد ہیں جن پر بر سر عام جا وبے جا تنقیدیں کی گئیں، آپنے اپنے خلاف ہر تنقید کو نہایت صبر وتحمل کے ساتھ سنا اس کی تلخی وتندی کو برداشت کیا اور ہر الزام سے اپنی برأت اور صفائی پیش کی، آپ پر جتنے الزامات عائد کئے گئے آپ نے اکابر صحابہؓ اور اہل شوریٰ کی موجودگی میں ان کے مسکت جواب دیئے جن کی تصدیق حضرات صحابہؓ بلکہ بلوائیوں تک نے کی اور وہ اپنے ہر عائد کردہ الزام پر لاجواب ہو گئے۔

طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق عمر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے لیلیٰ بنت عمیس کو محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے پاس بھیجا، اس نے ان دونوں سے کہا، چراغ خود کو جلاتا ہے مگر لوگوں کو روشنی پہنچاتا ہے، تم ایک ایسے گناہ میں کیوں ملوث ہوتے ہو جس سے نقصان کے علاوہ کئی فائدہ نہیں، آج جو کچھ تم کسی کے ساتھ کرو گے کل وہی دوسرا تمہارے ساتھ کرے گا، لہٰذا ایسے کام سے باز آ جاؤ جس پر کل تمہیں افسوس اور ندامت ہو!" وہ دونوں منہ بنا کر غصے سے بولے، تم یہ نہیں دیکھتیں کہ عثمانؓ نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟ لیلیٰ نے جواب دیا، انہوں نے تمہارے ساتھ وہی کیا ہے جس کے تم سزاوار تھے۔ اس گفتگو کے دوران سعیدؓ بن عاص بھی وہاں آ گئے وہ لیلیٰ کی موجودگی میں ان سے کچھ کہنا نہیں چاہتے

تھے۔ جب وہ چلی گئیں تو سعید رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر سے کہا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنے خونی رشتے کا کچھ خیال تو کرو، اس سے اتنے دور نہ ہو جاؤ کہ لوگوں کی تفضیح یک کا نشانہ بن جاؤ، محمد بن ابی بکر نے جواب میں کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا اور چلا گیا۔

مجھے اس ضرب شدید کی اجازت اس نے دی ہے جس کے ارادے کی پختگی میں ڈھیل نہیں تھی!"

خواب میں جنت کی بشارت

ایک روایت کے مطابق کثیر بن صلت حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، امیر المومنین آپ موت کے منہ میں بیٹھے ہیں۔ لوگوں کے سامنے تشریف لے جایئے وہ آپ کو دیکھیں گے تو شرمندہ ہو کر واپس لوٹ جائیں گے یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور کہن لگے، اے کثیر! میں نے گزشتہ شب خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاجر ہوا ہوں۔ وہاں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں آپ نے مجھ سے فرمایا، عثمان رضی اللہ عنہ لوٹ جاؤ، کل تم میرے ساتھ روزہ افطار کرو گے یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آج کا سورج غروب نہ ہوگا، جس کل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وہ آج کا دن ہے، یاد رکھو کہ میں اہل آخرت میں سے ہوں!"

طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات کے دوران ارشاد فرمایا کہ چاہتا ہوں کہ میرے اصحاب میرے پاس ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں اپنے والد ابوبکر کو بلاؤں؟ آپ نے سکوت فرمایا۔ اسکے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے پوچھا۔ آپ نے پھر سکوت فرمایا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا، ابن عفان (عثمان) کو بلاؤں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، وہ آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے قریب بلایا اور آہستہ آہستہ گفتگو فرمانے لگے۔ قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اجازت دیں تو بلوائیوں سے جنگ کی جائے! آپ نے جواب میں فرمایا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے دن کے لئے ایک عہد لیا

تھا میں اسی عہد کی پاسداری کرتے ہوئے صبر سے کام لے رہا ہوں، آپ کا یہ جواب سن کر لوگ سمجھ گئے کہ وہ دن آج ہی کا دن ہے!''

طبقات ابن سعد میں ہی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جو خلعت تمہیں حق تعالیٰ عطا فرمائیں، اگر منافقین چاہیں تو ان کے ظلم کی وجہ سے اسے اتار نہ دینا!''

مجاہد سے مروی ہے کہ محاصرے کے دوران ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محاصرہ کرنے والوں کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا: لوگو! مجھے قتل نہ کرو کیونکہ میرے قتل کے بعد تم کبھی اکٹھے نماز نہ پڑھ سکو گے نہ مل جل کر کھانا کھا سکو گے اور نہ ہی تمہاری قسموں کا اعتبار باقی رہے گا!''

طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ واقعہ شہادت سے کچھ دیر پہلے آپ نے ایک قاصد کو پیغام دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوئے آپ مدینہ کے بازار احجار زیت تک پہنچے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاصد آگے آگے چل رہا تھا، آپ دوڑ کر اس کے قریب آئے، عمامہ سر سے اتار کر ہاتھ میں لیا ہوا تھا، قاصد سے کہا، تم میرا یہ حال دیکھ رہے ہو؟ پھر آسمان کی طرف منہ کر کے بولے اے اللہ! تو دیکھ رہا ہے کہ نہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور نہ ہی میری یہ خواہش تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے!''

یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اظہار برأت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف برپا کی جانے والی ہر شورش کا بانی مبانی اور اس تحریک کا سب سے بڑا سرغنہ ابن سبا نہ صرف ان کا حامی وہوا خواہ تھا بلکہ وہ اپنے پھیلائے ہوئے عقیدہ کے مطابق خلافت ونیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واحد حق دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتا تھا اور ان سے پہلے تینوں خلفاء کو غاصب ومستبد سمجھتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پوری سبائی تحریک اگر ایک طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات سے مخالفت وعناد پر مبنی تھی تو دوسری طرف تائید و حمایت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت اس تحریک کا مرکز ومحور بنی ہوئی تھی اور یہی وہ

صورتحال تھی جس نے سب سے پہلے انہیں اظہار برأت پر مجبور کیا۔

شہادت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

بلوائیوں نے ایوان خلافت کا دروازہ توڑنا چاہا، حسن ابن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر، مروان بن حکم رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادگان اور جو دوسرے لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بلوائیوں کو روکا بلکہ ان سے آمادہ قتال ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا اور فرمایا: اگر تم لوگ میری نصرت وحمایت کو جائز سمجھتے ہو تو خونریزی سے باز رہو!'' آپ دروازہ کھول کر باہر تشریف لے آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا، وہ چاہیں تو اندر آجائیں ورنہ اپنے گھروں کو چلے جائیں''۔ بلوائیوں نے جب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلح ساتھیوں کو جنگ سے روک دیا ہے تو وہ بھی پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا، اندر آنے کے بعد آپ نے فرمایا: ہم انہیں اندر آنے سے روکیں گے اور بحکم خدا مرتے دم تک اس جگہ کو نہیں چھوڑیں گے!''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان دنوں زیادہ تر قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے تلاوت شروع کر دی۔ جب بلوائیوں نے دیکھا کہ دروازہ کو توڑے بغیر وہ اندر داخل نہیں ہو سکتے تو انہوں نے دروازہ کو آگ لگا دی جس سے دروازہ اور چبوترے کی اینٹیں چٹخنے لگیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نماز پڑھنے میں مشغول تھے، نماز سے فارغ ہو کر یہ لوگ دروازے کی حفاظت کرنے لگے تاکہ یہ لوگ اندر داخل نہ ہو سکیں، اس وقت جو شخص آپ کے قریب تھا، آپ نے اس سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے صبر کرنے کے لئے جو عہد لیا تھا میں اس عہد کا ایفا کر رہا ہوں، جو لوگ دروازہ توڑنا چاہتے ہیں وہ اس ذات سے دشمنی لئے بغیر جو ان سب سے بڑی ہے اسے ہرگز نہ توڑ سکیں گے!''

اس کے بعد آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو قسم دے کر لڑائی سے باز رہنے کی تلقین فرما کر باہر نکل جانے کا حکم دے دیا، سب سے پہلے حسن ابن علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے'' ان بلوائیوں کا مسلک میرا مسلک نہیں ہے اور میں ان میں سے نہیں ہوں!'' ان کے بعد محمد بن

طلحہ ؓ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے "میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس نے اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی اور دشمنوں کی کثرت تعداد کے باوجود ان کے منہ پھیر دیئے تھے!" پھر سعید بن سعد ؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے باہر آ نکلے "ہم نے صبح تک مکان میں صبر کیا۔ جب ہر طرف سے موت جھانک رہی ہے...... سوائے ان روی (عثمان) کے ہم اپنی تلواروں کے ساتھ ہر شخص سے لڑنے کو تیار ہیں، ہم طلوع سحر تک مکان میں ان کی مدد کے لئے موجود رہے کیونکہ ہماری ایک ہی ضرب دشمنوں کے لئے کافی تھی!" سب سے آخر عبداللہ بن زبیر ؓ مکان سے باہر آئے ان کے پاس اپنے والد کے لئے حضرت عثمان ؓ کی آخری وصیت تھی۔

آخری وصیت

اے اللہ! جس نے میری اطاعت کی میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ تجھ سے ڈرے، تیری اطاعت کرے اور تجھ ہی سے مدد مانگے، تادم مرگ ثابت قدم رہے، استغنا اختیار کرے، دنیا کی حرص وہوس میں مبتلا ہونے سے باز رہے اور اپنے لئے اللہ ہی کو کافی سمجھے! اے اللہ کے بندو! مجھے اللہ نے اپنے ہر عمل کے لئے دلیل و برہان کی قوت بخشی ہے اور میں اپنے ہر عمل کے لئے اس کی عطا کردہ حجت پیش کرتا ہوں، میرے لئے یہ بات انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ میں اللہ کے حکم سوا اپنے ذاتی حکم سے کسی عمل کی ترغیب دوں یا خود کسی ایسے عمل کا ارتکاب کروں یا اس کے دین اور اس کی مخلوق پر اپنی ذات کو ترجیح دوں، اے اللہ میں تیری عبادت کرتا ہوں تجھی کو پکارتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں تو خوب جانتا ہے کہ اگر میں انہیں عذاب قیامت سے پہلے مبتلائے عذاب کرنا چاہتا تو یہ اس طرح حیران و پریشان ہو جاتے کہ دنیا و آخرت میں ان کا کہیں ٹھکانہ نہ ہوتا اور میں دنیا سے اس طرح ان کا نام ونشان مٹا دیتا کہ انہیں اپنے عمل پر حیرت وافسوس کا موقع ہی نہ ملتا، صرف آنے والی نسلیں ہی اپنا اظہار افسوس کرتیں اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کرتیں۔

حضرت عثمان ؓ شکست خوردہ یا بے بس نہیں ہو گئے تھے

حضرت عثمان ؓ کی آخری وصیت میں تین امور بطور خاص قابل توجہ ہیں اول یہ کہ حضرت عثمان ؓ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی جب موت ان کے دروازے پر

دستک دے رہی تھی اپنے موقف کی صداقت پر اتنا پختہ یقین تھا جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی اسی لئے وہ برملا کہہ رہے ہیں کہ "میرے پاس اپنے ہر عمل کے لئے اللہ کی بخشی ہوئی دلیل وبرہان موجود ہے"۔

وصیت میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی حکومت وخلافت کو اللہ کی امانت تصور کرتے ہیں اور یہی وہ تصور حاکمیت ہے جو خلافت کو دوسرے طرز ہائے حکومت (آمریت وشہنشاہیت سے ممتاز کرتا ہے کہ خلافتی طرز حکومت میں اصل حاکمت اللہ کی ہوتی ہے، اس کا سربراہ مملکت خدا کے قانون کو جس طرح دوسروں پر جاری کرتا ہے بالکل اسی طرح وہ ان قوانین کا خود بھی پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کا اظہار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری وضاحت کے ساتھ اپنے ان الفاظ میں کیا ہے کہ "یہ بات میرے لئے انتہائی نا پسندیدہ ہے کہ میں حکم الٰہی کے علاوہ اپنے ذاتی حکم سے کسی عمل کی ترغیب دوں یا خود اس کا ارتکاب کروں"۔

تیسری اور آخری بات جو آپ نے اس وصیت میں پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ڈیڑھ دو ہزار بلوائیوں کے سامنے بالکل بے بس یا شکست خوردہ نہیں ہو گئے تھے بلکہ وہ اس کی پوری طرح قدرت رکھتے تھے کہ اگر وہ ان فسادیوں کو مبتلائے عذاب کرنا چاہتے تو انہیں صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا سکتے تھے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہتا اور آنے والی نسلوں کے لئے وہ مرقع عبرت بن کر رہ جاتے، مگر آپ نے قدرت انتقام کے باوجود ان کی زیادتیوں کو صبر واستقلال کے ساتھ برداشت کیا نہ تو مدینۃ الرسول کی حرمت کو پامال ہونے دیا اور نہ تاریخ اسلام میں وہ پہلا خلیفہ بننا پسند کیا جو مسلمانوں میں باہمی خون ریزی کا سبب بنا ہو۔

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واقعات کے آئینہ میں

محمد بن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس اور حارث بن ابی بکر اور اس نے اپنے والد ابی بکر بن حارث بن ہشام سے روایت کی ہے کہ "میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے مکان میں محصور اور مکان کے دروازہ کو جلتے ہوئے دیکھ رہا تھا اس وقت کچھ لوگ اندر سے ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے نکلے اور دروازہ کھول دیا، مروان باہر آ کر بولا: مجھ سے کون

لڑے گا؟ ادھر سے عبدالرحمٰن بن عدلیس نے ایک قریہ آدمی سے کہا: اٹھ اس سے جا کر مقابلہ کر! وہ شخص مروان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو تا کنے لگے، مروان نے پہلے ہی وار میں اس کی پنڈلی کاٹ دلی۔ اسی وقت ام ابراہیم گھر سے نکلیں اور مروان سے کہنے لگیں، امیر المومنینؓ نے تمہیں قسم دی ہے کہ جنگ نہ کرو، پھر وہ اس آدمی کی کٹی پنڈلی دیکھنے لگیں، اس شخص نے مروان کو اپنی طرف سے غافل پا کر اس کی گردن پر وار کیا۔ مروان زخمی ہو کر گر پڑا، وہ شخص بھی اوندھے منہ پڑا ہوا تھا، ام ابراہیم مروان کو زخمی حالت میں اٹھا کر اپنے گھر لے گئیں۔

ابی عمرو، حسن بن علیؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا: بلوائیوں نے اہل مدینہ پر اتنے ظلم ڈھائے کہ آپ کو کوئی مددگار نہ مل سکا، پھر آپ نے بھی لوگوں کو جنگ سے باز رکھا چنانچہ جب ابوہریرہؓ اور سعد بن مالکؓ نے آپ کے مکان کے قریب جا کر آواز دی کہ ہمیں اپنا چہرہ مبارک تو دکھا دیجئے تو آپ جھروکے میں تشریف لائے اور فرمایا: تم جنگ کر کے اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ مجھے تمہاری اطاعت اور وفاداری کا یقین ہے، یہ جواب سن کر وہ دونوں واپس چلے گئے، خدا کے فضل و کرم سے ہم ان شیطانوں کو ایسی ذلت آمیز شکست دے سکتے تھے کہ ابلیس کو بھی ان پر رونے کی مہلت نہ ملتی، مگر مجھے یہی حکم تھا کہ انہیں مکان کے قریب آنے سے روکوں مگر ان کے ساتھ جنگ نہ کروں! حضرت حسنؓ کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی حفاظت سے کسی کو نہیں روکا تھا بلکہ مکان کی حفاظت پر مامور اشخاص کو بطور خاص یہ حکم تھا کہ بلوائیوں کو مکان کے قریب نہ آنے دیں! حضرت عثمانؓ نے جس بات سے روکا تھا وہ مسلمانوں کی باہمی خونریزی تھی مگر کچھ لوگوں نے سادہ لوحی سے اس ممانعت کو حفاظت سے پہلو تہی پر محمول کر لیا ورنہ اگر وہ چاہتے تو خونریزی سے بچتے ہوئے بھی حضرت عثمانؓ کی حفاظت کر سکتے تھے۔

وقت شہادت سیدنا عثمانؓ کی حوصلہ مندی

محمد طلحہ ابی حارثہ اور ابی عثمان سے مروی ہے کہ اہل مصر نے اہل مدینہ سے کہا کہ تم

درمیان سے ہٹ جاؤ، اگر تم ہمارے شریک امت نہ ہوتے تو ہم تمہیں بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتل کر دیتے، اس پر مغیرہ بن (خنس نے کہا تم میں سے جو شخص اپنے آپ کو بہادر سمجھتا ہو وہ مجھ سے لڑلے، بلوائیوں میں سے ایک شخص نکل کر ان پر حملہ آور ہوا، تھوڑی دیر مقابلہ جاری رہا، پھر کسی نے کہا، مغیرہ قتل کر دیئے گئے، قاتل کی زبان سے بے ساختہ ''انا للہ'' نکلا، عبدالرحمٰن بن عدیس نے کہا، تجھے کیا ہوا، وہ بولا میں نے خواب میں کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ مغیرہ بن اخنس کا قاتل جہنمی ہے، اس کے بعد قباث الکنانی کے ہاتھوں نیاز بن عبداللہ اسلمی قتل ہوئے، بعد از ایں بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر دھاوا بول دیا اور آس پاس کے مکان سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ چند آدمی عمرو بن حزم کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ! کے مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ چند آدمی عمرو بن حزم کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ! کے مکان میں داخل ہو گئے جو لوگ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے انہیں اس کی خبر نہ ہوئی جب یہ لوگ اندر داخل ہو گئے تو ان میں سے ایک شخص نے آپ قتل کرنا چاہا۔ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سامنے آگئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کسی غیر عورت کو نہیں چھوا، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے کبھی وہ ہاتھ اپنے ستر کو نہیں لگایا، کسی کی وہ قمیض نہیں اتاری جو خدا نے اسے پہنائی'' یہ سن کر وہ شخص باہر نکل آیا۔ کسی نے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے کہا، میں نے انہیں چھوڑ دیا ہے، ہمیں ان کا قتل کرنا جائز نہیں اور جس نے انہیں قتل کیا اس کی نجات ممکن نہیں!''

اس کے بعد بنی لیث کا ایک آدمی قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا، آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں قبیلہ بنی لیث سے ہوں، آپ نے فرمایا، کیا تم میرے حامی نہیں ہو؟ اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا کہ تم لوگ ایک دن فلاں شخص کی حفاظت کرو گے!'' اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں میرے قتل میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ یہ شخص بھی باہر نکل آیا اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔

بعد ازاں قبیلہ قریش کا ایک شخص آگے بڑھا، آپ نے پوچھا، تم کس قبیلے سے ہو؟

اس نے جواب دیا قبیلہ قریش سے، آپ نے فرمایا: تم مجھے قتل نہیں کر سکتے!" اس نے پوچھا، کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: اس لئے کہ تمہارے قبیلے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیف لاں دن حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی تھی لہٰذا تم خون ناحق کے مرتکب نہیں ہو سکتے، وہ شخص بھی لوٹ گیا اور اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ بعض روایات کے مطابق جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے ان کے مکان میں داخل ہوئے ان میں سب سے آخر میں آنے والا محمد بن ابی بکر تھا، اس نے لپک کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور سخت بد کلامی کی پ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! داڑھی چھوڑ دے اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تجھے ان کاموں سے منع کرتا، اور ابھی تو میں تیرے ساتھ اس سے بڑھ کر معاملہ کرنے والا ہوں! اس نے یہ کہہ کر ہاتھ میں پکڑا ہو خنجر آپ کی پیشانی میں پیوست کر دیا، پیشانی سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا، ریش مبارک خون سے تر ہو گئی، زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "بسم اللہ توکلت علی اللہ" آپ بائیں کروٹ کو لڑھک گئے۔ کنانہ بن بشر نے تیر کا پھل اس زور سے مارا جو کان کی جڑ سے گزر کر حلق میں اتر گیا۔ پھر اس نے تلوار سے وار کیا آپ نے تلوار کو ہاتھ سے روکنا چاہا تو ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے تلوار کا وار روکنا چاہا تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ سودان ابن عمران کی ادمی نے پہلو پر تلوار ماری تو آپ پہلو کے بل گر پڑے، خون سر اور ریش مبارک سے بہہ کر قرآن مجید پر (جس کی آپ تلاوت فرما رہے تھے) بہنے لگا اور سورۃ البقرہ کی آیت فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم پر جا کر ٹھہر گیا، قرآن بند ہو گیا۔ عمرو بن الحمق نے سینہ مبارک پر چڑھ کر نیزے کی نوک سے کئی چیر کے لگائے، آن کی آن میں تمام عالم تیرہ و تار ہو گیا، چمنستان مدینہ میں خاک...... اُڑنے لگی...... اور خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کامل الحیاء والایمان رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بعض روایات میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک جرم نہ تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ فرمانے پر کہ "بھتیجے! داڑھی چھوڑ دے، تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ اس حرکت کو پسند نہ کرتا"۔ محمد بن ابی بکر بھی پہلے تین ساتھیوں کی طرح شرمندہ ہو کر واپس لوٹ لیا تھا۔ لیکن بیشتر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ پر پہلا حملہ محمد بن ابی بکر ہی نے کیا تھا۔ کنانہ بن بشر، سودا بن حمران اور عمرو بن الحمق نے اس کے بعد وار کئے، چنانچہ خنسا بن زید کی کنیز کے حوالے سے جو روایت کتب تاریخ میں موجود ہے (یہ کنیز حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کے پاس اکثر آتی جاتی رہتی تھی) اس کا بیان ہے کہ وہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں موجود تھی جب محمد بن ابی بکر نے سامنے آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑی اور قریب تھا کہ آپ کے حلق میں خنجر بھونک دے۔ آپ نے فرمایا اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ اس داڑھی کی عزت کرتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر اس نے داڑھی چھوڑ دی اور ندامت سے سر جھکا کر واپس جانے لگا، دروازہ پر اسے دوسرے ساتھی (کنانہ بن بشر، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق وغیرہ) مل گئے جو اسے دھکیلتے ہوئے واپس لے آئے اور انہوں نے اس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک موٹی سلاخ دے دی، محمد بن ابی بکر نے وہی سلاخ آپ کے سر پر ماری جس کی ضرب سے آپ رضی اللہ عنہ کا سر پھٹ گیا اور سر سے خون بہہ کر ریش مبارک کو تر کرتا ہوا قرآن کریم پر گرا جس کی آپ اس وقت تلاوت فرما رہے تھے"۔

مذکورہ روایت کی بیان کردہ تفصیل سے محمد بن ابی بکر کے شرمندہ ہو کر واپس جانے اور دوبارہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس آ کر حملہ آور ہونے (دونوں باتوں) کی تصدیق ہو جاتی ہے لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ محمد بن ابی بکر شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا تھا اور آپ کے قتل میں ملوث نہ تھا! البتہ محمد بن ابی بکر سے پہلے جو تین آدمی ارادہ قتل سے مکان میں داخل ہوئے تھے وہ واقعی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر قتل سے باز رہے اور بلوائیوں کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اور تو اور جو بلوائی سبائی تحریک کے زیر اثر مصر، کوفہ اور بصرہ سے ارادہ قتل کے ساتھ طویل مسافتیں طے کر کے مدینہ پہنچے تھے کتنے ہی دنوں مدینہ سے باہر مقام ذی خشب وغیرہ میں فروکش رہے۔ پھر مدینہ میں داخل ہونے کے بعد ان میں بھی چند افراد ایسے نکل آئے جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے گناہی اور اپنی غلطی کا احساس ہو گیا جو عام حالات میں نہیں ہونا چاہئے تھا کیونکہ ایک طویل عرصے سے جس تحریک کے ساتھ یہ لوگ وابستہ چلے آ رہے تھے اس تحریک کی غرض وغایت ہی یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے لیکن عین ان آخری لمحات میں جب یہ تحریک (خود ان کے نقطہ نظر

سے) اپنے منطقی نتیجہ کو پہنچ کر کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔ ان چند اشخاص کے ضمیر کی بیداری، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے گناہی، ان کے موقف کی صداقت اور بلوائیوں کے احساس جرم کا ایسا بین ثبوت ہے جس کے کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

بیت المال اور کاشانہ خلافت لوٹ لیا گیا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بیت المال اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کو لوٹ لیا گیا حتیٰ کہ خواتین کے جسم پر جو زیورات تھے وہ بھی لوٹ لئے، جس بدبخت نے حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کا زیور اتارا اس کا نام کلثوم تجیبی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے اس پر حملہ کیا تو اس نے غلام کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے غلام کو بھی اسی شخص نے قتل کیا۔

تجہیز و تکفین

یہ حادثہ عظیمہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ' عصر و مغرب کے درمیان پیش آیا۔ بلوائی شہر میں دندناتے پھر رہے تھے جبکہ اہل مدینہ گھروں میں بند تھے کسی کو باہر نکل کر تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کا حوصلہ نہ تھا، طبری کی روایت کے مطابق آپ کا جسد مبارک تین دن تک بے گور و کفن پڑا رہا۔ جس امام عالی مقام کی حکومت و اقتدار کا سکہ مراکش سے کابل تک چلتا تھا آج اس کے لئے دو گز زمین حاصل کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق بلوائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفارش پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم کو مٹی میں چھپانے کی اجازت دی ورنہ وہ اس کے بھی روادار نہ تھے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ کی تدفین اسی روز یعنی ہفتے کی شب میں ہوئی۔ لیکن بلوائی کیونکہ ابھی تک مکان کے صدر دروازے پر موجود تھے اس لئے یہ کارروائی بڑی خاموشی اور راز داری سے عمل میں آئی آپ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں مروان ابن حکم، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، ابوجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم اور آپ کی دو بیویوں نائلہ بنت فرافصہ اور ام البنین بنت عینیہ کے علاوہ اور کوئی شریک نہ ہو سکا۔ یہ چند حضرات خاموشی کے ساتھ جنازہ اٹھا کر بقیع کی طرف لائے۔ جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس کے بعد آپ کے

جسم اطہر کو بقیع کے پہلو میں "حش کوکب" کے نخلستان میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا۔ جامہ شہادت میں ملبوس سپرد خاک کر دیا گیا، بلوائیوں کے ایک گروہ نے جنازہ پر پتھراؤ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منع کرنے پر وہ اس بے ہودہ حرکت سے باز رہے۔ غرض اس افراتفری کے عالم میں بھی جب اہل مدینہ خوف و دہشت کے مارے اپنے گھروں میں دبکے ہوئے تھے اور پورے شہر پر عملاً بلوائیوں کا تسلط قائم تھا اور یہ کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر تدفین کی اجازت دینے پر بھی رضامند ہو گئے اور انہی کے منع کرنے پر جنازہ پر پتھراؤ کرنے سے باز رہے گویا اس وقت بھی مساوی جماعتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر اثر کام کر رہی تھیں۔

ایک اہم سوال

اول تو ڈیڑھ دو ہزار بلوائیوں سے اہل مدینہ کا بے جا خوف و ہراس ہی ناقابل فہم ہے کہ یہ سب کے سب ان سے خائف ہو کر اپنے گھروں میں دبک کر کیوں بیٹھ گئے تھے پھر ان میں سے کسی میں اتنی جرأت بھی نہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان کی حفاظت میں ناکامی کے بعد کم از کم ان کی تجہیز و تکفین ہی میں شریک ہو کر داغ ندامت کو دھونے کی کوشش کرتے؟ لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ شہر پر بلوائیوں کا مکمل قبضہ تھا، لوگ خوف و ہراس کے عالم میں گھروں میں مقید تھے اور کسی میں گھر سے باہر نکلنے کا حوصلہ تک نہ تھا تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں کہی جا سکتی کہ وہ بلوائیوں سے اتنے خائف تھے، یا ان کی طرف سے کسی خطرے کا احساس تھا، یا وہ ان کے سامنے اتنے بے بس ہو گئے تھے کہ ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے؟ جبکہ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ بلوائی جماعت کے تمام گروہ کسی چون و چرا ن کے بغیر ان کے ہر حکم کی تعمیل کر رہے تھے، آپ نے تجہیز و تکفین کی اجازت دینے کو کہا تو انہوں نے یہ بات فوراً مان لی، پھر جنازہ پر پتھراؤ کرنے سے منع کیا تو ان کا یہ حکم بھی تسلیم کر لیا گیا تو ان حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا کہ خلیفہ ثالث کی تجہیز و تکفین کی تمام آخری رسومات اپنی نگرانی میں انجام دیتے بلکہ نماز جنازہ کی امامت بھی خود ہی فرماتے کیونکہ مستقبل کے خلیفہ کی حیثیت سے بھی ان کو اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے تھے!

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تاثرات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مظلومانہ قتل عالم اسلام کا ایک عظیم حادثہ تھا جس پر درندہ صفت بلوائیوں کے سوا کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہوئی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حادثہ کا علم ہوا تو سب سے پہلے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: خدایا تو گواہ رہ کہ میں خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہوں"۔ پھر آپ نے فرمایا: جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی میری کمر ٹوٹ گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب امام حسن و حسین عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ جو کاشانہ خلافت کی حفاظت پر مامور تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے تو آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو طمانچہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سینے پر دوتھپڑ مارا، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو سخت وسست کہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج سے فارغ ہو کر مدینہ آرہی تھیں تو آپ کو راستے میں اس حادثے کی خبر ملی تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کئے گئے ہیں، میں ان کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کروں گی۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے ارادہ سے ایک جم غفیر کے ساتھ "ذات عرق" کے مقام پر پہنچیں تو لوگوں پر گریہ وزاری کا ایسا عالم طاری ہوا کہ اس دن کا نام ہی روز گریہ پڑ گیا۔ جب آپ بصرہ پہنچیں تو آپ نے فرمایا: بعض شہروں کے مفسد اور فتنہ پرور لوگوں نے حرم نبوی میں پہنچ کر جنگ کی اور انہوں نے امیر المومنین امام المسلمین کو ناکردہ گناہ قتل کیا، ان کے گھر میں لوٹ مار کی، اس لئے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کے مستحق ہیں، میں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں کہ ان ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاؤں، میں تم لوگوں سے بھی یہی کہتی ہوں کہ ہمارا ساتھ دو!"

اس سفر میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ لہٰذا ان دونوں کے جذبات واحساسات بھی کم وبیش یہی تھے! عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے تو ان پر آسمان سے پتھر برسیں گے!" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی شہادت کی خبر سن کر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ

جو لوگ خدا کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے، اور جو لوگ انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں ان کو بھی مار ڈالتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ (۶۱/۳)

حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ نے کہا اسلام میں اتنا بڑا شگاف پڑ گیا ہے جسے پہاڑ بھی پُر نہیں کر سکتے۔ ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ جو صنعا رب کے گورنر تھے جب انہیں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر ملی تو دیر تک روتے رہے پھر فرمایا: امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا، اب ملوکیت اور زبردست کی حکومت کا دور دورہ ہو گا! ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بدری صحابی نے شہادت کی خبر سنی تو انہوں نے عہد کیا کہ زندگی بھر نہ ہنسیں گے اور نہ فلاں فلاں کام کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ حادثہ یاد آ جاتا تو ہائے ہائے کر کے رونے لگتے تھے، یہی حال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام کو شہادت کی خبر پہنچی تو زبان سے بے ساختہ نکلا، آج کے دن عرب ہلاک ہو گئے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مصریوں کے بہکائے میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بد ظن ہو گئے تھے۔ لیکن واقعہ شہادت کے بعد کہتے تھے کہ "جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو ہم سب ان سے راضی تھے، پھر انہیں قتل کیوں کر دیا؟" حضرت زید رضی اللہ عنہ بن صوحان نے فرمایا: اب مسلمانوں کے دل قیامت تک نہ مل سکیں گے!" سعید رضی اللہ عنہ بن زید بن عمر بن نفیل نے کہا: تم نے جو کچھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے تم پر اُحد پہاڑ کو گر جانا چاہئے!" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج سے لوٹ تو مدینہ کے ایک بازار میں کچھ مکانوں کو دیکھ کر بولے، ان پر ان کے مکانوں میں ظلم کیا گیا، اللہ ان کے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ان کی قبروں میں عذاب دے گا!" حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا گیا تو وہ شہر سے باہر اپنے باغ میں چلے گئے تھے تاکہ بلوائیوں کی بے ہودہ حرکات سے بچے رہیں، جب ان کو یہ خبر پہنچائی گئی تو کہنے لگے۔ ہم نے مدینہ سے گریز کیا تھا، مگر یہ ہماری بزدلی تھی!"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے غفلت وکوتاہی کا برملا اعتراف

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تو ہرگز نہ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے

راضی تھے، مگر اتنا ضرور ہے کہ آپ بھی ایام محاصرہ میں سبائی بلوائیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اتنے شدید پروپیگنڈے سے متاثر ہونا ایک انسانی کمزوری اور بہر حال حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ایسے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی جلالت شان کی انسان ہی تو تھے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے کہ "جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محاصرہ کی حالت میں دریچہ سے لوگوں کے سامنے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دو آدمیوں میں سے جنہوں نے لوگوں کو میرے خلاف اکسایا، کون سا شخص اپنے عذر پیش کرے گا؟" ممکن ہے ان دو آدمیوں سے ان کی مراد طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ سے ہو کیوں یہ دونوں اکثر آپ کے متعلق لوگوں سے گفتگو کرتے رہتے تھے۔ مگر جب حقیقت حال کا علم ہو گیا تو نادم ہو کر واپس چلے گئے اور اپنے صاحبزادگان عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو کاشانہ خلافت کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی تاثرات کی بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ کی طرف سے ان پر لے دے ہوئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی "اے اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو اس کے بدلے میں مجھے اتنی سزا دے کہ اس کے بعد تو مجھ سے راضی ہو جائے! طبقات ابن سعد میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے جنگ جمل کے دن کہا: میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں غفلت برتی لہٰذا یہی بہتر ہے کہ آج کے دن ہمارا خون ان کے خون میں مل جائے یا اللہ اگر مجھ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں لغزش ہوئی ہے تو مجھے اس کی سزا دے کر مجھ سے راضی ہو جا!"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے سلسلے میں اپنی طرف سے جس غفلت و کوتاہی کا برملا اعتراف کیا ہے اور جس طرح دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے میں اپنی جان تک دے دی یہ ان کی عظمت و صداقت کا اتنا بڑا ثبوت ہے، جس کے بعد ان کی ہر غفلت و کوتاہی کی تلافی ہو جاتی ہے۔

حمید بن ہلال سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ "جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے اس شہر (مدینہ) میں قدم رنجہ فرمایا تھا آج تک فرشتے یہاں آنے جانے سے نہیں رکے لیکن بخدا اگر تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو پھر فرشتے

یہاں سے ایسے جائیں گے کہ پھر کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور خدا کی قسم اگر تم میں سے کسی نے بھی انہیں قتل کیا تو اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے جذامی ہو جائے گا بلکہ وہ ہاتھ رہے گا ہی نہیں، اور خدا اس کے بعد تم میں تلوار کبھی نہیں روکے گا، بخدا اگر تم نے انہیں قتل کر دیا تو پھر ابد تک باہم قتال وجدال ہی میں مبتلا رہو گے۔ کسی نبی کو بھی جب قتل کیا گیا ہے تو اس کے نتیجے میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا گیا تو پچاسی ہزار انسان قتل ہوئے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کیساتھ ستر ہزار آدمی قتل کئے گئے'' حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ قول نقل کرنے کے بعد مولوف التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی بکر مالکیؒ جو اپنے عہد کے مشہور عالم اور امام تیمیہؒ کے معاصرین میں سے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

شہادت عثمان کے نقصانات

از حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی

یوں تو اس دنیا سے کسی نیک انسان کا اٹھ جانا کئی قسم کے نقصانات کا باعث ہوتا ہے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد' داماد رسول ﷺ اور شرم وحیا کے مجسمہ کا اٹھ جانا اہل اسلام کیا پوری دنیا کے لیے بہت بڑے نقصان کا باعث ہوا اور اس کرہ ارض سے بہت ساری خیر و برکات جو اس سے قبل موجود تھیں' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئیں۔ وہ نقصانات تو کافی ہیں لیکن ہم ان میں سے چند ایک ذیل درج کرتے ہیں:

پہلا نقصان

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دنیا سے خلافت راشدہ خاصہ کا قیامت تک کے لیے خاتمہ ہو گیا جو کہ امت اسلامیہ بلکہ تمام دنیا کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے جس کی تلافی قیامت تک ناممکن ہے۔

علماء نے خلافت راشدہ کی دو قسمیں لکھی ہیں۔

۱۔ خلافت راشدہ خاصہ

۲۔ خلافت راشدہ مطلقہ

خلافت راشدہ خاصہ دوسرے لفظوں میں خلافت منہاج النبوۃ کو کہتے ہیں۔ خلافت کا یہ درجہ بقول حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گیا۔ چنانچہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''بہ نقل متواتر کہ در شرعیات نقلے معتبر تر ازاں یافتہ نمی شود بہ ثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطلع اشارہ ساختہ اندو آنرا بہ تفصیلے کہ زیادہ ازاں در شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اندو آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع شود و ملک عضوض پدید آید و معنی لفظ عضوض دلالت می کنند بر حروب و مقاتلات و جھیدن یکے بر دیگرے در ملک ولہٰذا در احادیث بسیار خلفائے ثلاثہ را در یک حکم کردند تا آنکہ ظن قوی بھم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبہ من المراتب متفق اند و غیر ایشاں درآں مرتبہ شریک ایشاں نیست در بعض احادیث لفظیکہ مشعر بانقطاع خلافت باشد ارشاد فرمودند''۔

''نقل متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے۔ یہ امیر ثابت ہو چکا ہے کہ جو فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قریب برپا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب اشارہ فرمایا اور اس کو ایسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس سے زیادہ تفصیل احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان حد فاصل قرار دیا اور فرمایا کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ نہ رہے گی اور کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے (کہ پہلی خلافتیں بر طریق نبوت تھیں اور فتنہ سے محفوظ تھیں) اکثر احادیث میں خلفائے ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا ہے یہاں تک کہ ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے بر طریق نبوت ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے میں) باہم برابر ہیں اور ان کے ساتھ اس مرتبہ میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں صاف صاف ایسے الفاظ فرما دیے ہیں جن سے

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کا ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے"۔
(ازالۃ الخفاء، ج ۱، ص ۳۰۶)

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیی اقوام تسبق شھادۃ احدھم یمینہ و یمینہ شھادہ

"بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، بعد ازیں وہ جوان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی"۔
(مسلم۔ج ۲، ص ۳۰۱۔ ترمذی، ج ۲، ص ۴۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا:

ای الناس خیر؟ قال القرن الذی انافیہ ثم الثانی ثم الثالث

"سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے"۔
(مسلم۔ج ۲، ص ۳۱۰)

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرن اول زمانہ ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا زمان وفات ے و قرن ثانی از ابتدائے خلافت صدیق تا وفات فاروق و قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

"قرن اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے وفات تک ہے اور قرن ثانی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کا زمانہ ہے اور قرن ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے"۔

خلافت کا جو دور شروع ہوا اگرچہ وہ بھی خلافت راشدہ کا دور تھا لیکن وہ اس پایہ کا

نہ تھا جتنا ان خلافتوں (خلافت صدیقی' خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی) کا دور تھا۔

دوسرا نقصان

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے امت مسلمہ کو جو دوسرا نقصان ہوا وہ یہ تھا کہ قیامت تک اس میں جنگ وجدال اور قتل و ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ بات بالکل سچی ثابت ہوئی جو انہوں نے آپ کی شہادت کے موقع پر فرمائی تھی۔

ما قتل نبی قط الاقتل به سبعون الفامن امته ، ولا قتل خليفة قط الاقتل به خمسة و ثلاثون الفا۔

"کوئی نبی قتل نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کے عوض اس کی امت میں سے ستر ہزار افراد قتل کیے گئے اور کوئی خلیفہ قتل نہیں کیا گیا مگر یہ کہ اس کی پاداش میں ۳۵ ہزار نفوس قتل کیے گئے"۔

(طبقات ابن سعد، ج ۳۲، ص ۸۳۔ المطالب العالیہ لابن حجر، ج ۴، ص ۲۸۷)

علامہ سیوطیؒ نے مصنف عبدالرزاقؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں کے پاس سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تو بڑی بات ہے۔ تمہارے دلوں میں اس کا خیال تک نہ آنے پائے۔ بخدا! جو کوئی آپ کو شہید کرے گا تو وہ کوڑھی ہو جائے گا۔ بخدا شمشیر الٰہی اب تک نیام میں ہے۔ اگر تم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تلوار بے نیام کر دے گا اور اہل اسلام کے مابین ہمیشہ کے لیے خونریزی کا سلسلہ جاری و ساری ہو جائے گا۔ یاد رکھو! ایک نبی کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار آدمی اور ایک خلیفہ کے قتل کے بدلہ میں ۳۵ ہزار آدمی قتل کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی باہمی اتفاق واتحاد بمشکل ہی پیدا ہوتا ہے"۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۲۵۰)

علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اس سلسلہ میں ایک اور قول بھی

نقل فرمایا ہے کہ آپ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقع پر فرمایا تھا:

"ہاں یہ درست ہے کہ گائے اور بھیڑ تو خلیفہ کے قتل میں کچلی نہیں گئیں لیکن اس میں مسلح افراد کام آئیں گے"۔

واللہ لتقتلن بہ اقوام انھم لفی اصلاب آبائھم ما ولدوا بعد۔

"خدا کی قسم! عثمان کی شہادت کی وجہ سے بہت سے لوگ جو ابھی اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں ہیں اور بعد میں پیدا ہوں گے، ضرور قتل ہوں گے"۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۹۴)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کا ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے محاصرین سے محاصرہ کے دوران فرمایا تھا:

لو فتح الناس علی انفسھم بقتل عثمان باب فتنۃ لا یغلق عنھم الی قیام الساعۃ

"اگر لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنے اوپر فتنے کا دروازہ کھول لیا تو پھر وہ قیامت تک بند نہیں ہوگا"۔

(تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۱۴۱)

تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سانحہ کے فوراً بعد پہلے تو جمل وصفین کی جنگیں مسلمانوں کے مابین ہوئیں اور پھر آپس میں تشتت وافتراق کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ آج تک اس کا مداوی نہیں ہو سکا اور کوئی شخص شمار نہیں کر سکتا کہ آج تک کتنی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ حالانکہ اس شہادت سے قبل مسلمان باہمی الفت ومحبت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان میں کبھی کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف کی روایات چلی آرہی ہیں وہ سب وضعی ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

تیسرا نقصان

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تیسرا نقصان یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ ہمیشہ

کے لیے مدینہ طیبہ سے چلی گئی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا' آپ نے فرمایا تھا:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے لوگوں نیا سلام کے مضبوط اور مستحکم قلعہ میں ایسا رخنہ ڈال دیا ہے جو قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ خلافت اہل مدینہ کا حق تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے انہوں نے اپنے ہاں سے خلافت کا اس طرح خاتمہ کیا کہ پھر کبھی اہل مدینہ کو خلافت نصیب نہیں ہوگی''۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۲۴۹)

چشم فلک نے دیکھا اور وقت کی کروٹوں نے اپنی یہ شہادت تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خلافت اسلامیہ کے مرکز کو طیبہ سے کوفہ منتقل کر دیا اور پھر آج تک مدینہ طیبہ کو خلافت اسلامیہ کا دارالخلافہ بننا نصیب ہوا۔ تاریخ کے رپورٹر اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مرکز خلافت بنا رہے تھے تو مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام توڑ کر فرمایا تھا:

یا امیر المومنین الاتخرج منها فو الله لئن خرجت منجها لا یعود الیها سلطان المسلمین ابدا۔

''اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ مدینہ طیبہ سے ہرگز نہ نکلئے۔ بخدا!! اگر آپ نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی حکومت مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں آئے گی''۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۲۳۳)

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ بات بھی صحیح اور درست ثابت ہوئی اور مدینہ طیبہ اس کے بعد پھر کبھی خلافت اسلامیہ کا مرکز نہ بن سکا۔ اور امت ان تمام برکات سے محروم ہو گئی جو مدینۃ الرسول کے مرکز خلافت ہونے میں ان پر نچھاور ہوتی تھیں۔

چوتھا نقصان

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چوتھا نقصان امت مسلمہ کو یہ ہوا کہ کفار کے

ساتھ جنگوں میں ملائکہ نے اہل اسلام کی مدد کرنا چھوڑ دیا۔ اسلامی تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے' شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل مسلمانوں نے جب بھی کبھی اہل کفر سے جنگ کی' فتح ونصرت نے ان کے ہمیشہ قدم چومے۔ ان کی تعداد کم تھی یا زیادہ سامان حرب قلیل تھا یا کثیر' اسلحہ قدیم طرز کا تھا یا جدید طرز کا' فتح وظفران کا مقدر بن چکی تھی۔ ان کی قلت ملائکہ کے نزول اور غیبی امداد کی وجہ سے دشمنوں کی نگاہ میں کثرت دکھائی دیتی تھی۔ وہ تین سو تیرہ ہوں یا دس ہزار یا اس سے کم یا زیادہ دشمن ہمیشہ ان سے مرعوب رہتا اور مغلوب ہوتا۔ کیونکہ ملائکہ کی غیر مرئی امداد ان کے شامل حال ہوتی اور نصرت خداوندی ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہتی۔ چنانچہ جنگ یرموک فتح مدائن' جنگ قادسیہ فتح مصر وغیرہ کے واقعات اس کی آنکھوں دیکھی شہادت پیش کرتے ہیں لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل اسلام کو محاربات میں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ اہل بصیرت نے اس بارے میں پہلے ہی پیش گوئی کے طور پر کہہ دیا تھا۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کر کے ہماری اس بات کی تائید کی ہے کہ امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے اسلامی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کرنا چھوڑ دی''۔

(تاریخ الخلفاء، ص۲۴۹)

یہ تو چار موٹے موٹے نقصانات تھے' لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نقصانات ہوئے جن کی آج تک تلافی نہیں ہو سکی۔ اور یہ نقصان کیا کم ہے کہ آپ کی شہادت کے بعد امت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور پھر تشتت وافتراق کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ چل نکلا کہ ایک ایک وقت میں بیسیوں فرقوں نے جنم لیا اور بجائے اس بات کے کہ امت کی ساری توانائیاں اور کوششیں اہل کفر کے لیے مرکوز ہوتیں باہمی جنگ وجدال میں ضائع ہونی شروع ہو گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ کا نخل وحدت خزاں رسیدہ ہو گیا۔

آٹھواں باب

متفرقات

☆...... سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ذاتی حالات وصفات

☆...... سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

☆...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد اور چھوٹے داماد کے باہمی تعلقات

ذاتی حالات وصفات

حلیہ

حضرت عثمان ؓ کے نام ونسب اور خاندان کا ذکر آچکا ہے، اب آپ کے ذاتی حالات وسوانح اور فضائل وشمائل کا ذکر کیا جاتا ہے، آپ کا حُلیہ یہ تھا:

آپ کا رنگ سفید تھا، جس میں کچھ زردی کی آمیزش تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چاندی اور سونا دونوں کو مخلوط کر دیا گیا ہے، خوبصورت اور خوش قامت تھے، دونوں ہاتھوں کی کلائیاں خوش منظر تھیں، بال سیدھے تھے، یعنی گھنگریالے نہیں تھے، جب عمامہ زیب سر کر لیتے تھے بڑے حسین وجمیل نظر آتے تھے، ناک اُبھری ہوئی جسم کا حصہ اسفل بھاری تھا، پنڈلیوں اور دونوں بازوؤں پر بال بکثرت تھے، سینہ چوڑا چکلا، کاندھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، چہرہ پر چیچک کے کچھ نشانات، دانت ہموار اور خوب صورت جن کو سونے سے باندھا گیا تھا، ڈاڑھی بڑی گنجان، زلف دراز، اخیر عمر میں زرد خضاب کرنے لگے تھے، جسم کی کھال ملائم اور باریک تھی، بڑھاپے میں پیشاب کی بیماری ہوگئی تھی اس لئے ہر نماز کے واسطے وضو کرتے تھے۔

لباس

بڑے پیمانہ پر تجارت کے باعث دولتمند شروع ہی سے تھے، اس لئے واما بنعمة ربك فحدث کے حکم کے مطابق اللہ کی نعمتوں سے استفادہ آپ کی طبیعت کا شیوہ تھا، چنانچہ لباس بھی عمدہ قسم کا استعمال کرتے تھے، اس زمانہ میں یمنی چادریں بہت وقیع اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں، آپ انہیں اوڑھتے تھے، عموماً یہ چادریں زرد رنگ کی ہوتی تھیں اور ان کی قیمت سو درہم کے لگ بھگ ہوتی تھی۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ صحابہ کرام عام طور پر اپنی بیویوں کو عمدہ اور خوبصورت لباس پہناتے تھے، حضرت عثمان ؓ بھی اس کا اہتمام کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک ریشمی چادر دو سو درہم میں خریدی اور فرمایا: یہ نائلہ کے لئے ہے، وہ اسے اوڑھیں گی تو میں خوش ہوں گا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۴۰)

غذا

غذا بھی عمدہ قسم کی اور پُر تکلف استعمال کرتے تھے، آپ پہلے فرماں روا تھے جن کے لئے آٹا چھانا جاتا تھا، عرب میں ایک خاص قسم کا سالن ہوتا تھا، جسے خزیرہ کہتے تھے، اس کو بکری کی کلیجی گردہ اور دل اور گھی و دودھ سے تیار کیا جاتا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا بہت شوق تھا، عمرو بن امیہ الضمری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ طعام شب میں شریک تھا، خزیرہ سامنے آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسا ہے!" میں نے کہا بہت لذیذ اور نفیس ہے، میں نے آج تک ایسا خزیرہ نہیں کھایا، اس پر حضرت عثمان بولے: "اللہ تعالیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، تم نے خزیرہ کبھی اُن کے ساتھ بھی کھایا ہے؟" میں نے جواب دیا: "جی ہاں! میں نے کھایا ہے، لیکن وہ خزیرہ ایسا تھا کہ نہ تو اس میں گوشت تھا اور نہ گھی اور دودھ" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم سچ کہتے ہو، عمر رضی اللہ عنہ نے جہد و مشقت کی ایسی زندگی بسر کی ہے کہ اس کی پیروی کرنا مشکل ہے، وہ لذیز و نفیس غذاؤں سے اجتناب کرتے تھے، میں اللہ کی قسم مسلمانوں کے مال میں سے ایک پیسہ نہیں لیتا جو کچھ کھاتا ہوں اپنی کمائی سے کھاتا ہوں تم کو معلوم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال دار تھا، اور میرا تجارتی کاروبار سب سے بڑا تھا، میں ہمیشہ نرم غذاؤں کا عادی رہا ہوں اور اب تو میری عمر بھی زیادہ ہوگئی ہے، اس لئے مجھ کو نرم غذاؤں کی اور بھی ضرورت ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کسی شخص کو اس معاملہ میں مجھ پر نکتہ چینی کا حق ہے"۔

عرب میں ایک اور کھانا جسے درمک کہتے تھے بہت نفیس ہوتا تھا، یہ بھی طرح طرح کے عمدہ گوشت سے تیار کیا جاتا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے بھی شوق سے تناول فرماتے تھے۔ (طبری، ج ۴، ص ۴۰۱)

سادگی

باایں ہمہ مزاج میں بڑی سادگی تھی، اس میں کسی قسم کے تکلف یا تصنع کو ہرگز کوئی دخل نہ تھا، شب میں تہجد کی نماز کے لئے اُٹھتے تو وضو کا پانی خود لیتے تھے کسی نے کہا، آپ کسی خادم سے کام کیوں نہیں لیتے؟ فرمایا: راتو تو آرام کرنے کے لئے ان کے واسطے بھی ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۱)

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا

کہ مسجد میں اپنی چادر کا تکیہ بنائے سو رہے تھے، اسی حالت میں نو دستے لڑتے ہوئے آ گئے تو آپ نے وہیں اُن کا فیصلہ کر دیا۔ (ایضاً و طبری ج ۴، ص ۴۱۸)

رقت قلب

نہایت رقیق القلب تھے، اُن کے غلام ہانی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی۔

(تذکرہ الحفاظ ذہبی ج ۱، ص ۱۰)

جود و سخا

جود و سخا آپ کی طبیعت کا جوہر خاص تھا، اسلام کیلئے اور فی سبیل اللہ آپ نے جس حوصلگی سے خرچ کیا وہ تو آپ کی کتاب فضائل کا ایک روشن باب ہی ہے اس کے علاوہ بھی لوگوں کی مالی امداد و اعانت کرنا آپ کا شیوہ خاص تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جس کسی عامل یا والی کی دولت کو اس کی آمدنی سے زیادہ پاتے تھے اس سے مقاسمہ یعنی بٹائی کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے ابو سفیان اور عتبہ بن ابی سفیان سے بٹائی کر کے کچھ رقم لے لی تھی اور اس کو بیت المال میں داخل کر دیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو اس رقم کو واپس کرنا چاہا، مگر ان دونوں بزرگوں نے رقم واپس لینے سے انکار کر دیا۔

(العقد الفرید ج ۱ ص ۴۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے دن لوگوں کو کھانے پر مدعو کرتے رہتے تھے، لیکن ان کو دارالامارت کا مکلف کھانا کھلاتے اور خود گھر میں جا کر سرکہ یا زیتون کا تیل تناول فرما لیتے تھے۔

(کتاب صفۃ الصفوۃ، ج ۱، ص ۱۱۷)

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بحرین و عمان کے گورنر چلے آ رہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو اس عہدہ پر باقی رکھا لیکن ۲۹ھ میں انہیں معزول کر دیا، اس کے بعد وہ بصرہ میں قیام پذیر ہو گئے۔

علاوہ ازیں عثمان بن ابی العاص کا مکان مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ سے متصل تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ میں توسیع کا ارادہ کیا تو عثمان بن ابی العاص کا مکان مسجد میں ضم کر دیا، اور اب معزولی اور مکان دونوں کی تلافی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کی کہ

بصرہ میں ایک بڑی جائیداد و آراضی جو مورخین کے اندازہ کے مطابق دس ہزار جریب تھی، عثمان بن ابی العاص الثقفی کو ہبہ کر دی، اور اس کے لئے ایک پروانہ لکھ دیا، اس پروانہ میں عثمان بن العاص الثقفی کو خطاب کر کے تحریر کیا گیا تھا: یہ اراضی اور جائیداد میں نے تم کو اس مکان کے عوض دی ہے جو مدینہ میں توسیع مسجد نبوی ﷺ کے لئے ..... تم سے لیا تھا اور جس کو امیر المومنین عمرؓ نے تمہارے لئے خریدا تھا، اس جائیداد اور اراضی کی جتنی قیمت تمہارے مکان کی قیمت سے زیادہ ہو اس کو میری طرف سے اپنی معزولی کی مکافات سمجھو۔

حیاء

حضرت عثمانؓ کی ذات پیکر محامد و فضائل اخلاق تھی، لیکن حیاء کا وصف معاصرین و رفقاء میں طغرائے امتیاز تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ ازراہ بے تکلفی آپ ﷺ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا زانو کھلا ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ آئے، مگر آپ ﷺ اسی طرح بیٹھے رہے، لیکن جب حضرت عثمانؓ آئے تو آپ ﷺ نے زانوئے مبارک کو ڈھانپ لیا۔ (کتاب المناقب باب فضائل عثمان بن عفان ص)

لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا: کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں؟۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۵۵)

انس بن مالکؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اصدق امتی حیاء عثمان

"میری امت میں حیاء میں سب سے زیادہ سچا عثمانؓ ہے"۔

بنانہ حضرت عثمانؓ کی ایک بیوی کی باندی تھی، اس کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ! کے غسل سے فراغت کے بعد جب میں اُن کے کپڑے لے کر حاضر ہوتی تھی تو مجھ سے فرماتے میرے جسم کی طرف مت دیکھنا یہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۱)

گفتگو کا انداز

حضرت عثمانؓ فطرتاً کم سخن اور کم گو تھے، لیکن جب کسی موضوع پر اظہار خیال فرماتے تو گفتگو سیر حاصل کرتے اور بلیغ کرتے تھے، عبدالرحمٰن بن حاطب کا بیان ہے کہ اس وصف میں میں نے اُن کا کوئی ہمسر نہیں دیکھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۴۱)

دقیقہ سنجی

طبیعت دقیقہ سنج واقع ہوئی تھی، کوئی خاص منظر یا کوئی خاص چیز دیکھتے تو اس سے حکیمانہ نکتہ پیدا فرماتے اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ منبر مسجد پر مسلمانوں کو افریقہ (بلاد مغرب) کی فتح کی خبر سنانے کے لئے بیٹھے تو چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ خود اس معرکہ میں شریک تھے اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے آپ کو ہی یہ خوش خبری سنانے کے لئے مدینہ بھیجا تھا، اور وہ اس وقت مسجد میں موجود تھے، اس لئے امیر المومنین نے ان سے فرمایا: تم کھڑے ہو اور مژدہ فتح سناؤ، عبداللہ بن زبیر ؓ نے تعمیل حکم کی، عبداللہ بن زبیر ؓ حضرت اسماء ؓ کے صاحبزادہ اور اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے صورت شکل میں بہت مشابہ تھے، اس لئے حضرت عثمان ؓ کی نگاہ اُن پر پڑی تو مجمع سے خطاب کر کے فرمایا: لوگو! تم اُن عورتوں سے نکاح کیا کرو جو اپنے والدوں اور بھائیوں پر ہوا کریں، میں ابوبکر صدیق ؓ کی اولاد میں سے کسی بچہ کو عبداللہ بن زبیر ؓ سے زیادہ اُن کے ساتھ مشابہ نہیں پاتا۔

(البیان والتبیین للجاحظ ج ا ص ۲۱۰)

مدینہ پہنچ کر حضرت اوس بن ثابت انصاری کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دونوں میں مواخات کرا دی، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور مسجد کے لئے ایک قطعہ اراضی خرید فرمایا تو اس کے قریب ہی حضرت عثمان ؓ کے لئے ایک قطعہ منتخب فرمایا: یہ قطعہ اس درجہ قریب تھا کہ حضرت عثمان ؓ کے گھر کی ایک کھڑکی مسجد نبوی کے اس دروازہ کی طرف کھلتی تھی جس سے حضور ﷺ آتے جاتے تھے۔

اپنے عہد خلافت میں اسی مکان کی توسیع کر کے اسے ایک محل بنا دیا تھا، مدینہ کی دوسری عمارتوں سے ممتاز تھا، مسعودی کے بیان کے مطابق یہ مکان پتھر اور چونے سے تعمیر کیا تھا، اس کے دروازے شیشم اور عرعر کی لکڑی سے بنائے تھے اور اس محل کے علاوہ مدینہ میں حضرت عثمان ؓ کے باغات اور چشمے بھی تھے۔ (مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۴۱)

مسجد نبوی ﷺ کی پشت پر گلی کے دوسری طرف ایک مکان کے دروازہ پر اب بھی ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر ''مشہد سیدنا عثمان ؓ'' کندہ ہے۔

سلامت فطرت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طبعاً سلیم الفطرت تھے، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے عہد جاہلیت میں بھی نہ کبھی شراب پی، نہ کبھی گانے بجانے میں شریک ہوا اور نہ کبھی زنا کا ارتکاب کیا (ایضاً) طبری میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ میں نے کبھی قتل بھی نہیں کیا۔

دینی خودداری اور حمیت

اسلام نے اس فطرت کو چمکا کر مجلی اور مصفیٰ کر دیا تھا، اس بناء پر دینی عزت نفس اور خودداری آپ میں اس درجہ کی تھی کہ نازک سے نازک موقع پر بھی آپ میں لچک پیدا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ ابن سیرین کی مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو ایک شخص بولا: انہیں تو لوگ برا بھلا کہتے ہیں۔ ابن سیرین نے فرمایا: ہائے افسوس! لوگ اس شخص کے حق میں بد کلامی کرتے ہیں جس کی اسلام میں پختگی کا عالم یہ تھا کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر مہاجرین نجاشی کے روبرو ہوئے تو سب نے باستثناء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ملک کے دستور کے مطابق نجاشی کو جھک کر سلام کیا، جسے سجدہ تعظیمی کہتے ہیں، بادشاہ حبش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے ایسا نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: میں اللہ رب العزت کے سوا کسی دوسرے کے سامنے سر خم نہیں کر سکتا۔ (ایضاً)

عبادت

عبادت قربت الٰہی اور انابت الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس لئے اپنے چند در چند مشاغل اور گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود عبادت کثرت سے کرتے، اور فرائض و واجبات کے علاوہ مندوبات و نوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان کی ایک جاریہ رہیمہ کا بیان ہے کہ آپ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے، اول شب میں سوتے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۵، ص ۲۹)

قرآن مجید سے آپ کو بڑا شغف اور عشق تھا، بعض اوقات ایک شب میں اور ایک رکعت میں پورے قرآن کی تلاوت کر جاتے تھے، عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ایک مرتبہ میں نے (غالباً حج کے موقع پر) مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کر دی اور وہ اتنی دراز کر دی کہ یہ خیال ہوا اب اس میں مجھ سے کون سبقت لے

جائے گا؟ اتنے میں ایک شخص اچانک آیا، اس نے میرے ٹھونگا مارا تو میں نے پروا نہیں کی، پھر جب اس نے دوبارہ ایسا کیا اور اب میں نے دیکھا تو یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، میں فرط ادب سے اپنی جگہ سے ہٹ گیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے ہو گئے، آپ نے ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھ ڈالا اور واپس چلے گئے، یہی روایت عطا بن رباح سے ہے، مگر اس میں اتنا اضافہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ رکعت منفرداً نہیں پڑھی تھی، بلکہ ایک جماعت کی اس میں امامت کی تھی، نیز یہ کہ ایک رکعت وتر کی تھی، اور اسی وجہ سے اس کا نام بتیرا (دم بریدہ) تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۵۳)

نماز بے حد خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے، اس میں اس درجہ محویت ہوتی تھی کہ گرد و پیش کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی، چنانچہ عین اس موقع پر جبکہ محاصرہ کے دنوں میں باغیوں نے قصر خلافت کے دروازوں کو آگ لگا دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور انہوں نے سورہ طٰہٰ پڑھنی شروع کی تھی، باہر شور وغل ہو رہا تھا، لیکن آپ سب سے بے خبر کمال طمانیت و یکسوئی کے ساتھ نماز میں مشغول رہے، پھر اسی عالم دار و گیر میں نماز ختم کی تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو گئے، یہاں تک کہ شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔

(طبری، ج ۴، ص ۳۸۹۔ تذکرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

صحابہ ومومنین کرام ہیں جن کا باطن طبقہ رسالت میں ایک کھلی کتاب تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی خداوندی سے ان کے باطن پر مطلع کر دیئے جاتے اور جب آپ کسی صحابی کے بارے میں کوئی آخرت کی بات کہتے تو وہ یوں سمجھتے کہ یہ آسمان سے اتری حقیقت ہے جسے ہفت اقلیم جھٹلا نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں جھانک چکا اور اس کے رسول خاتم نے اس کا تزکیہ کر کے اسے پوری امت کے لیے ایک روشن ستارہ بنا دیا ہے۔ جو تیز چمکے یا مدہم اس سے روشنی ہی ملے گی ستارے کا اندھیرے سے کبھی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت شخصیت ہیں جن کے انجام کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اب واقعات حالات اور اختلافات کے ہر موڑ پر ان ارشادات رسالت کو اولیت حاصل ہو گی اور واقعات کی تفصیل و توجیہ میں وہی پہلو اختیار کرنا پڑے گا جو ایک وفادار رسالت کے ہاں تصدیق رسالت کا تقاضا ہو سکتا ہے کسی مسلمان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خبر رسول مقبول کے بعد غلط تاریخ کی تاریکی میں گھسے۔

مبشر بالجنۃ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے پاس اکابر صحابہ باری باری آئے پھر ایک شخص نے دستک دی اور آنے کی اجازت مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اس کے لیے دروازہ کھولو اور اسے جنت کی بشارت دے دو میں نے دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی تھی حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں

ثم استفتح رجل فقال لی افتح له وبسره بالجنة علی بلوی تصیبه فاذ اعثمان فاخبرته بما قال النبی صلی الله علیه وسلم۔

"پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے فرمایا اسے آنے دو اور جنت کی بشارت دو جو اسے ایک بلوہ کے ساتھ ملے گی وہ آنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے میں نے آپ کو جو کچھ حضور نے فرمایا تھا بتلا دیا اس کی خبر دے دی آپ نے اس پر کہا

اللهم صبرا والله المستعان۔

"اے اللہ صبر عطا فرما اور وہی ذات ہے جس سے مدد مانگی جائے"۔

بشر بالشہادۃ

آپ مقام شہادت پائیں گے اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں میں خبر دی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تھے آپ کے ساتھ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے پہاڑ میں حرکت ہوئی کچھ زلزلہ محسوس ہوا آپ نے پہاڑ کو مخاطب کر کے فرمایا اے احد سکون میں آجا اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں آپ نے فرمایا

اثبت احد فانما علیك نبی وصدیق رضی اللہ عنہ وشهیدان

"آپ کا مقام تو شہداء کا ہے لیکن آپ کا جنت میں مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

رفیق مصطفیٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا

جنت میں ایک خاص ساتھی ہوگا میرے ساتھی جنت میں عثمان ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح پہلے دو خلفاء شیخین کریمین گنبد خضراء میں آپ کے رفیق ہیں مکین روضہ ہیں اور دنیا نے آنکھوں دیکھا کہ یہ حضرات مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت پا گئے اگر تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں جگہ نہ ملے تو لوگ ان کے حق میں کسی کمی کا تصور نہ کریں جس کی رفاقت کا یہاں مشاہدہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وہاں کی رفاقت کی خبر دے دی حدیث میں یہ خبر موجود ہے۔

عن ابی هريره رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لكل بنى رفيق فى الجنة و رفيقى فى الجنة عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ رواه ابن ماجه

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا جنت میں ایک خاص رفیق ہوگا اور میرے رفیق وہاں عثمان ہوں گے۔

مغبوط ملکۃ

اللہ کے فرشتے قرب الٰہی سے مالا مال ہیں معصیت ان کے قریب نہیں پھٹکتی انسان کو خلافت ملا تو فرشتے غبطہ (رشک) کرنے لگے۔

اب انسانوں میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس سے فرشتے اپنے آپ کو پیچھے جائیں تو وہ یقیناً اس لائق ہوگا کہ زمین پر خلافت کبریٰ پائے احادیث میں اگر کوئی ایسی شخصیت ملتی ہے جس سے فرشتے حیا کرتے ہوں تو وہ حضرت عثمان ہیں ایمان کے سارے مقتضیات ایک طرف اور حیاء ایک طرف۔ آپ کے اس شرف حیاء سے آپ کے کامل الایمان ہونے کی بھی کھلی خبر ملتی ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں حضور نے حضرت عثمان کے بارے میں فرمایا:

الااستحی من رجل تستحی منه الملكة

"کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں"۔

وصی رسول

وصی رسول اسے کہتے ہیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شخصاً کسی خاص وصیت

سے نوازا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک وصیت کی آپ نے اس کی وفا میں اپنی جان دی اور اس حکم سے سر مو تجاوز نہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں حضور نے فرمایا:

"اے عثمان اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی دن یہ حکومت عطا فرمائے اور منافقین چاہیں کہ تو یہ قمیض اتار دے جو اللہ نے تجھے پہنائی تو تم ہرگز اسے نہ اتارنا آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی۔

ا۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ حضرت عثمان کو جو چھ رکنی کمیٹی نے خلیفہ چنا تھا یہ تکوین الٰہی تھی جو ان حضرات کے ہاتھوں پوری ہوئی آپ کو خلیفہ حقیقت میں اللہ ہی نے بنایا اور اسی نے آپ کو یہ قمیض پہنائی تھی سو آپ وعد اللہ الذین امنو امنکم وعملو الصالحات للستخلفنھم فی الارض کے تحت خلافت موعود کا ایک فرد ہیں تکونیا ان کو خلافت خدا نے دی گو شبیا اس کا فیصلہ شوریٰ کے تحت ہوتا رہا۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام میں لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خلیفہ کو (بدوں کسی کھلے کفر کے) خلافت سے اتار سکیں۔ لوگوں کو اسے منتخب کرنے کا حق ہے لیکن اسے اتارنے کا حق نہیں خلیفہ بننے کے بعد اختیارات میں وہ خدا اور اس کے رسول کا نائب ہے عوام کے ماتحت نہیں جمہوریت اور شورائیت میں یہی فرق ہے۔ جمہوریت میں طاقت کا سر چشمہ عوام ہیں اور اسلامی شوریٰ میں طاقت اور اختیار کا مرکز اللہ اور اس کے رسول خاتم ہیں امیر المومنین احکام ان سے لیتا ہے عوام سے نہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر ان چند باغیوں کے مطالبہ پر خلافت سے دستبردار ہو جاتے تو یہ خلافت نہ ہوتی جمہوریت بن جاتی آپ نے جان دینی تو پسند کی مگر جمہوریت کو سجدہ نہ کیا۔ یہ امتثال امر رسول تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عثمان خلیفہ برحق تھے اور آپ کے مخالفین منافق تھے۔ سو یہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں کہ ان منافقوں کے حق میں دلائل جمع کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاسی پالیسیوں کی کمزوریاں نکالی جائیں ان پر تنقید کی جائے اور اس پر تاریخی مواد کا سہارا لیا جائے تاریخی روایات غلط ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان باغیوں کے منافق ہونے کی سند جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

معیار حق

اس امت میں جب فتنے اٹھیں اور مسلمان اپنی خلفشار میں کھو جائیں تو اس وقت حق ادھر ہوگا جدھر حضرت عثمان ہونگے سو دور فتن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حق کا نشان ہیں اور آپ کی ذات گرامی ہے جس سے حق وباطل کے فاصلے ناپے جاسکتے ہیں حضرت کعب بن عجرہ کہتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے فتنوں کا ذکر کیا اور انہیں بہت قریب بتلایا اتنے میں ایک شخص پاس سے گزرا جس کا سر ڈھپا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اسدن ہدایت پر ہوگا میں اپنی جگہ سے اچھلا اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بازو پکڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گیا میں نے کہا کی یہ (نشان ہدایت) ہوگا فرمایا ہاں یہی ہے۔

آپ سے پہلے مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ تھا آپ کے اپنے دور خلافت میں بھی جو تقریباً بارہ سال تک رہا سب مسلمان ایک حکومت میں تھے نہ کوئی مذہبی فرقہ تھا ار نہ کوئی سیاسی گروہ...... آپ کی خلافت کے آخر میں یہود کی سازش سے سبائی فتنہ اٹھا عمال حکومت پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور مسلمانوں میں اختلافات کا آغاز کر دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امتیازی خصوصیات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت نیک، تقویٰ شعار، منکر المزاج، حلیم الطبع اور مخیر وفیاض انسان تھے، ائمہ تاریخ اور محدثین کے اقوال وبیانات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جس فضیلت کو امتیازی درجہ دیا وہ ان کی سچی شرم وحیا اور کار رہائے خیر میں ان کی فیاض ودریا دلی کی وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، آپ کے اوصاف حمیدہ کی تعریف وتوصیف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادت، کتب، احادیث وسیر میں محفوظ ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایات موجود ہے کہ ”میں ایک روز مدینہ کے ایک باغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، باغ کا دروازہ بند تھا، کسی نے دروازہ پر دستک دی آپ نے فرمایا، جاؤ، جو آیا ہوا سے جنت کی خوشی خبر دو! میں نے دروازہ کھولا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے دروازہ کھولا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انھیں حضور کے ارشاد گرامی سے مطلع کیا وہ خدا کا شکر بجالائے، اندر داخل ہوئے

اور بیٹھ گئے، میں نے دروازہ بند کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین کریدرہے تھے، تھو ڑی دیر بعد کسی دوسرے شخص نے دستک دی، فرمایا دروازہ کھول دو اور آنے والے کو جنت کی خوشخبری دو، میں نے دروازہ کھولا، عمرؓ بن خطاب تھے، میں نے انھیں حضور ﷺ کے ارشاد سے مطلع کیا وہ بھی خدا کا شکر بجالائے اور اندر آ کر بیٹھ گئے، میں نے پھر دروازہ بند کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد کسی تیسرے شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا، اس مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اٹھو، دروازہ کھول دو اور داخل ہونے والے شخص کو ایک عام ابتلاو آزمائش میں مبتلا ہونے پر جنت کی بشارت دو، میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ عثمانؓ بن عفا ن ہیں میں نے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی سنایا تو کہنے لگے "اللہ المستان وعلیہ التکلان" یہ کہہ کر اندر داخل ہوئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔

سعید بن عاصؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ سے روایات کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روائے عائشہؓ اوڑھے ہوئے تھے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حاضری کی اجازت طلب کی، اجازت مل گئی وہ آئے اور آپ ﷺ اسی طرح لیٹے رہے، عمرؓ نے کچھ باتیں کیں اور چلے گئے، عثمانؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اجا زت طلب کی تو آپ اُٹھ گئے اور عائشہؓ سے کہا، اپنے کپڑے ٹھیک کرلو، پھر میں نے اپنی حاجت پیش کی اور چلا آیا، پھر جب عثمانؓ نے اپنے کام سے فارغ ہو کر چلے گئے تو عائشہؓ نے کہا، یارسول اللہ! ابوبکرؓ وعمرؓ کے آنے سے میں نے آپ ﷺ پر کوئی گھبرائیت نہیں دیکھی، عثمانؓ آئے تو آپ ﷺ اسقدر گھبرائے؟ آپ نے فرمایا: عثمانؓ حیادار آدمی ہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے انھیں اسی حالت میں بلالیا تو وہ شرم وحیا کے با عث مجھ سے اپنی ضرورت بیان کئے بغیر یونہی واپس نہ لوٹ جائیں؟

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! کہ عثمانؓ سے تو ملائکہ بھی شرم کرتے ہیں:

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوعبیدہؓ، اور سعدؓ سب جنتی ہیں۔ اور اگر میں چاہوں تو ایک نام کا اور اضافہ کر سکتا ہوں، اس کے بعد آپ نے اپنا نام نامی لیا۔

(۵) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے ساتھ کوہ احد پر گئے تو پہاڑ پر کپکپی طاری ہوگئی، آپ نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔

(۶) حضرت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ حق تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کی اور تمھارے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔

(۷) جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نشست ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں طرف بیٹھے اور عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔

(۸) مناسک حج اور مسائل عبادات پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو خود بڑے فقیہ شمار ہوتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے انکی حیثیت بھی ثانوی تھی

(۹) آپ کی راتیں عبادت اور شب بیداری میں بسر ہوتی تھیں، ایک رکعت میں پورا ختم کرلیا کرتے تھے، جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے قاتلوں سے کہا تھا کہ تم نے ایک ایسے عبادت گذار اور شب بیدار شخص کو قتل کیا ہے جو ایک ر کعت میں پورا قرآن پڑھا کرتا تھا۔

(۱۰) حضرت عبدابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں مسلمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب پر مقدم جانتے تھے اور ان کے علاوہ کسی صحابی کو امتیازی درجہ نہیں دیتے تھے۔

(۱۱) ابن سعد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایات کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو حضرت عثمانؓ سے دریافت فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمھاری رائے کیا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے کہا، آپ ان کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر بھی اپنی رائے بیان کرو، تو حضرت عثمانؓ نے عرض کیا، بخدا! میں جہاں تک جانتا ہوں ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی اچھا ہے اور ہم میں ان جیسا کوئی نہیں ہے! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! اگر میں عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد تمکو نہ چھوڑتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے!

(۱۲) عثمان رضی اللہ عنہ بن عبد بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفاتا کا

وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ اپنے بعد کسی کیلئے اخلافت کی وصیت لکھوادیں، وصیت نامہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی کیونکہ ابھی بطور نامزدہ خلیفہ کے کسی کا نام نہیں لکھوایا تھا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا ہے جب صدیق اکبرؓ کو غشی سے افاقہ ہوا تو حضرت عثمانؓ سے دریافت فرمایا تم نے کسی کا نام لکھدیا ہے؟ آپ نے کہا، مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ کی یہ غشی موت کی غشی نہ ہوا ور امت میں افتراق وانتشار پیدا نہ ہو جائے اس لئے میں حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا ہے حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا، تم پر اللہ کی رحمت ہو، اگر تم اپنا ہی نام لکھدیتے تو یقیناً تم اس کے اہل تھے۔ (حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۲۲)

(۱۳) بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل مسئلہ خلافت کو چھ حضرات کے سپرد کردیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالیں اور ان سب حضرات نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنادیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو تین رات تک مہاجرین وانصار اور افواج وعوام سے مشورہ کرنیکے بعد تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمان رضی اللہ عنہ کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: علی رضی اللہ عنہ میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال نہ مت کرنا، میں نے صحابہ مہاجرین وانصار سب سے استصواب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔

(لایعدلون بعثمان احداً)

(۱۴) ابن جریر نے محمد وطلحہ وزیاد رضی اللہ عنہم سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ جب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات دریافت کرنا چاہتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو واسطہ بناتے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ردیف کہا جاتا تھا جس کے معنی لغت عرب میں پیچھے آنے والے کے ہیں، اہل عرب ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بارے میں توقع ہو کہ موجودہ سردار کے بعد دوسرا سردار شخص مقرر کیا جائیگا! یہ حدیث بہت طویل ہے جس کا مختصر سا حصہ نقل کیا گیا ہے۔

(۱۵) ابوعمر نے تعلیقاً روایت کی ہے کہ زرارہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آگ (جو تم نے خواب میں دیکھی ہے) ایک فتنہ ہے جو میرے بعد ہوگا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ فتنہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اپنے امام کو قتل کردیں گے اور ایک مومن کا خون

دوسرے مومن کیلئے پانی سے بھی زیادہ خوشگوار ہوگا۔

(۱۶) حضرت عثمان جس طرح عہد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد اور مشیر خاص تھے اسی طرح عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں بھی ان کی یہ حیثیت برقرار رہی چنانچہ طبقات ابن سعد کے مطابق صدیق اکبرؓ کو جب کوئی امر درپیش ہوتا تو وہ ارباب رائے اور اہل فقہ سے مشورہ کرتے تھے اور مہاجرین وانصار میں سے عمرؓ عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جلیلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت کو بلاتے تھے، یہ سب حضرات عہد صدیقی میں ارباب فتویٰ شمار کیے جاتے تھے۔

(۱۷) ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کی یہ پالیسی تھی کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے اکابر صحابہؓ کو گورنر نہیں بناتے تھے بلکہ ان کی معیت اور مشوروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ان حضرات کے دامن کو مناسب حکومت سے ملوث کروں۔

(۱۸) ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں سخت قحط پڑا انہی دنوں حضرت عثمانؓ کا ایک تجارتی قافلہ غلے کی مختلف اجناس لے کر واپس آیا تو حضرت عثمانؓ نے ان اجناس کو بازار میں فروخت کرنے کے بجائے اپنی طبعی سخاوت وفیاضی کے تحت تمام غلہ غریبوں اور ضرورت مندوں میں مفت تقسیم کر دیا۔

(۱۹) عہد فاروقی میں عراق وشام کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں جب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان زمینوں کا کیا کیا جائے تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار کی ممتاز شخصیتوں کو مشورہ کیلئے طلب کیا، بیشتر صحابہ کرام کی رائے تو یہی تھی کہ ان زمینوں کو بھی خیبر کی مفتوحہ زمینوں کی طرح بیت المال کا حسن، نکال کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے کہ ان زمینوں کو بیت المال کی ملک قرار دیکر، اصل باشندوں کے قبضے میں رہنے دیا جائے تا کہ اسلامی مملکت کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور آئندہ نسلوں کے مفاد کا تحفظ کیا جا سکے، کیونکہ سورۂ حشر کی آیات سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی تھی لہٰذا فیصلہ انہی حضرات کی رائے پر ہوا۔

(۲۰) جنگ نہاوند کے موقع پر جب حضرت عمرؓ نے اصحاب شوریٰ سے مشورہ طلب کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس جنگ میں شرکت کیلئے خود اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لیکر جاؤں تو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ہم یہ مناسب نہیں سمجھتے

کہ آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جائیں، بعد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی رائے پیش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ! نے اسے قبول فرمالیا۔

بخاری کی ایک روایت کے مطابق جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرح بعض ازواج مطہرات کو بھی اپنی میراث کا حصہ لینے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے اس مسئلے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ! ہی کا انتخاب کیا تھا، غرض عہد رسالت اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد شخصیت تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہوں میں معتمد خصوصی کا درجہ حاصل تھا۔

حضور ﷺ کے بڑے داماد اور چھوٹے داماد کے باہمی تعلقات

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

نرینہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں داماد بیٹوں کے درجے میں ہوتے ہیں اور اپنے سسرال کو وہ بیٹوں کے نہ ہونے کا غم نہیں دیتے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ہاں پہلے شرف دامادی پاچکے تھے پھر آپ کو اپنی چوتھی بیٹی حضرت فاطمہ کے لیے مناسب رشتہ کی ضرورت ہوئی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی صالح نوجوان اس رشتہ کے لائق نہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ کی خواستگاری کے لیے آمادہ کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مالی پوزیشن اتنی کمزور تھی کہ مہر تک کی رقم ادا نہ کرسکتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہونے والے ہم زلف کے لیے پیش قدمی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ! جب ادائیگی مہر کے لیے اپنی زرہ بیچنے نکلے تو آپ نے زرچار سو درہم حضرت علی کو ہدیہ کیوں نہ دے دیئے پہلے زرہ خریدی اور پھر یہ رقم آپ کو ہدیہ کی اس کی وجہ یہ تھی آپ چاہتے تھے کہ مہر فاطمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زرہ بیچی تو وہ مال جو آپ کو ملا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا تھا کسی کا احسان نہ تھا اور آپ نے اب جو زرہ ہدیہ کی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر احسان تھا حضرت سیدہ کی عظمت قائم رکھتے ہوئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا حضور ﷺ کے بڑے داماد کی چھوٹے داماد سے یہ پہلی مروت تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فبعتها من عثمان بن عفان باربعمائة وثمانین درهماً

''پھر میں نے درح (زرہ) حضرت عثمان کے پاس چار سو اسی درہم میں بیچی''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدیہ دے دی آپ ان دراہم اور زرہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور حضرت عثمان کی اس مروت کی آپ کو خبر دی حضور ﷺ نے اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ! کو بہت دُعائیں دیں علی بن عیسیٰ اربیلی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ زرہ میری طرف سے ہدیہ لیجئے سو میں نے دراہم اور زرہ دونوں چیزیں لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دونوں چیزیں آپ کے سامنے ڈال دیں اور آپ کو بتایا جو حضرت عثمان نے کیا تھا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خیر کی دُعائیں دیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور نیکی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ایک اونٹنی آپ کے پاس تھی آپ نے پوچھا یہ اونٹنی کہاں سے آئی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے یہ سواری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد اچھے موقعوں پر

عام زندگی میں جہاں آرام کا کوئی گوشہ میسر ہو یا کوئی مجلسی لطف ولذت ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد چھوٹے داماد کو ضرور یاد کرتے رہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں دامادوں میں کس طرح محبت والفت کی فضا قائم تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حارث آپکی طرف سے طائف کا ولی تھا اس نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانے پر دعوت دی اس دعوت میں چکور اور کچھ اور شکار کردہ پرندے تھے اور دعوت پر تکلیف تھی آپ کو یہ پر تکلف دستر خواں دیکھ کر حضرت علی یاد آگئے اور آپ نے انہیں بلانے کے لیے آدمی بھیجا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت حالت احرام میں تھے شکار کا گوشت نہ کھا سکتے تھے آپ نے معذرت فرمائی اور فرمایا جو لوگ احرام میں نہیں انہیں یہ کھلا دیں سنن ابی داؤد میں ہے:

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک شخص کو بھیجا وہ آپ کے پاس آیا کیا دیکھتا

ہے کہ آپ اپنے اونٹوں کے لیے پتے جھاڑ رہے ہیں آپ آئے اور آپ اپنے ہاتھ سے پتے اتار رہے تھے آپ کو کہا کھائیں آپ نے فرمایا اسے (شکار کے گوشت کو) ان لوگوں کو کھلائیں جو حالت احرام میں نہیں ہم تو احرام...... میں ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس دعوت میں شریک نہ ہو سکے تاہم اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کس انس و محبت سے چلتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے علیحدہ تحفے

حضرت عثمان کی طرف سے کوفہ کے والی سعید بن ابی العاص تھے آپ ایک دفعہ مدینہ تشریف لائے اور عمائد مہاجرین وانصار کے لیے کچھ عطیات اور کپڑے لائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے علیحدہ تحفے تھے محدثین اس بات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضور ﷺ کے اس چھوٹے داماد کا کس درجہ امتیازی احترام کیا جاتا تھا اور آپ کے عہد میں کس طرح آپ کے امتیازی تذکرے ہوئے تھے ابن سعد لکھتا ہے:۔

> سعید بن عاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے تو آپ نے اکابر مہاجرین اور انصار کو عطیات اور کپڑے بھجوائے اور حضرت علی ص! کی طرف بھی بھیجے اور آپ نے انہیں قبول فرمایا۔

اگر ان دونوں حضرات کے دلوں میں کوئی بعد یا بوجھ ہوتا یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں ہوتا کہ میری خلافت انہوں نے غصبا سنبھالی ہوئی ہے تو وہ کیا آپ کے عہد خلافت کے ان تحائف کو قبول فرماتے کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرت انہیں ان کی قبولیت کی اجازت دیتی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امتیازی برتاؤ

اسلام کے مشہور جرنیل عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کون واقف نہیں ایک دفعہ آپ اپنی مہمات سے فاتح ہو کر مدینہ آئے یہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا عبداللہ بن عامر نے تقریباً سب اہل مدینہ کو تین ہزار درہم بھجوائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہی رقم بھیجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ عبداللہ بن عامر پر ناراض ہوئے اور فرمایا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سلوک؟ آپ سے خصوصی رعایت کا معاملہ تو پہلے سے چلا آ رہا ہے انہوں نے پھر آپ کو بیس ہزار درہم اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات دیئے آپ نے انہیں قبول

فرمایا۔اور عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں معذرت کی اور کہا:
میں نے علی کو زیادہ دینا ناپسند سمجھا تھا اور آپ کی رائے اس سلسلہ میں مجھے معلوم نہ تھی آپ نے فرمایا علی کو مزید دینا ہے سو آپ نے حضرت علی ؓ کی طرف بیس ہزار درہم اور ان کے کچھ اور لوازم بھجوائے۔

رشتہ داروں سے زیادہ مروت کا الزام

بعض لوگوں نے حضرت عثمان ؓ کے خلاف یہ شکایت بنا رکھی ہے کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو زیادہ دیتے تھے اور وہ یہ فکر نہیں کرتے کہ حضرت علی ؓ بھی ہمزلف ہونے کے ناطے آپ سے زیادہ حصہ لیتے رہے۔ حضرت عثمان ؓ کی رائے میں امیر المومنین کو ایسا کرنے کا حق ہے کہ وہ ہر کسی کی ضرورتوں پر نظر رکھتے ہوئے اسے کم وبیش دے۔ یہ خلاف عدل نہیں گو خلاف مساوات ہے نائب رسول کی لوگوں کی ضروریات اور ان کے حالات پر نظر ہوتی ہے۔اور ان کا اس سے مقصد ضرورتمندوں کو ان کی حاجات پہنچانا ہے۔ نہ کہ اپنی ذات کو عوام پر فائق کرنا۔حضرت عمر ؓ نے دو چادروں کی قمیض بنوانے پر اس لیے صفائی دی تھی کہ یہ انکی اپنی ذات کا مسئلہ تھا اور وہ نہ چاہتے تھے کہ امیر المومنین کا حق عام احاد امت سے کچھ بھی زیادہ ہو۔

ان واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان ؓ کا معاملہ حضرت علی ؓ کے ساتھ کس قسم کا ہوتا تھا اور یہ صرف حضرت علی ؓ سے ہی نہیں آپ کو حضرت علی ؓ کی اولاد سے بھی وہ محبت اور پیار تھا جو کسی چچا کو اپنے ہونہار بھتیجوں سے ہی ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن اثیر ایک بحث میں لکھتے ہیں

كان عثمان بن عفان يكرم الحسن والحسين ويحبهما

''حضرت عثمان حسن اور حسین کے ساتھ اکرام و اعزاز کا معاملہ کرتے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے''۔

یہ اکرام محض بھتیجوں کی جہت سے نہ تھا اس اونچی نسبت کے سبب تھا جو ان بھتیجوں کو حضور ﷺ سے حاصل تھی ورنہ چھوٹے تو بڑوں کا اکرام کرتے ہیں بڑے چھوٹوں کا نہیں وہ ان سے شفقت اور مروت کا معاملہ کرتے ہیں پر حضرات عثمان ان کا اکرام کرتے تھے۔

حضرت علی ؓ اور ان کے خاندان کی ہی بات نہیں آپ نے اپنے عہد سعادت

عہد میں ہاشمیوں کو ذمہ دارانہ مناصب وعطایا دیئے۔ کیوں کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاندانی نسبت تھی اور ان سے محبت حضور ﷺ سے تعلق کا ہی ایک پہلو ہوتا ہے۔

(۱) حضرت عبدالمطلب کے پڑپوتے مغیرہ ب نوفل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مجسٹریٹ لگے ہوئے تھے۔ دیکھئے ایک اموی خلیفہ نے ہاشمی کو کس اعزاز میں جگہ دے رکھی ہے یہی نہیں بلکہ آپ کے ایک دوسرے پڑپوتے عبداللہ بن حارث بھی مکہ کے والی تھے پھر ربیعہ بن حارث کے بیٹے عباس بن ربیعہ نے جب آپ سے گذارش کی عبداللہ بن عامر کو کہیں کہ مجھے ایک لاکھ درہم حکومت کی طرف سے قرض دے اور رہائش کے لیے مجھے مکان فراہم کرے تو آپ نے یہاں بھی اس ہاشمی نسبت کا بہت اکرام فرمایا۔

عباس بن ربیعہ نے آپ سے گذارش کی عبداللہ بن عامر کو حکم دیں کہ وہ مجھے ایک لاکھ درہم قرض دے دے تو آپ نے یہ عبداللہ بن عامر کو لکھ بھیجا سو یہ انہوں نے یہ رقم آپ کو دے دی اور ان کو رہنے کے لیے زمین کا ایک قطعہ دیا جو آج دار عباس بن ربیعہ کے نام سے معروف ہے۔

آپ کے دل میں اکابر بنی ہاشم کا اتنا احترام تھا کہ آپ اگر کہیں سوار ہو کر جا رہے ہوتے اور رستے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ مل جاتے تو آپ ان کے اکرام میں سواری سے اتر جاتے اور پیدل ہو جاتے آپ نے یہ طریق اکرام سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے اور وہ سواری پر سوار ہوتے تو انہیں دیکھتے ہی دونوں پیدل ہو جاتے یہ ان کے اکرام کے طور پر ہوتا تھا۔

اس سے یہ بات مزید کھلتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہاشمی نسبت کس اکرام ومحبت اور اعزاز ومودت سے دیکھی جاتی تھی نماز میں امامت کوئی معمولی اعزاز نہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تراویح پڑھاتے پہلی بیس راتوں میں آپ تراویح پڑھاتے اور پچھلی دس راتوں میں ابو حلیمہ مواذ جو بڑے قاری تھے امامت کراتے تھے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رات تراویح پڑھاتے پھر رک جاتے لوگوں نے بتایا کہ باقی راتوں میں وہ علیحدہ یکسوئی سے عبادت کرتے اور ان دس راتوں میں قوم کی امامت ابو حلیمہ معاذ قاری کرائے اور دعائے قنوت بھی پڑھتے یعنی وتر کی نماز بھی پڑھاتے۔

کیا یہ معاملات یکطرفہ ٹریفک تھے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بنو ہاشم کا یہ اعزاز و اکرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں سے یہ انس و یگانگت معاملات کی یکطرفہ ٹریفک نہ تھی ہاشمی صاحب بھی جہاں موقعہ بن پڑتا سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دل و جان سے عقیدت کے پھول نچھاور کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کس طرح رطب اللسان رہتے اس کے لیے پہلے اس آیت کو پیش نظر رکھئے۔

بیشک جن کے لیے پہلے سے ہماری طرف سے نیکی ٹھہر چکی وہ اس سے (آگ سے) دور کیے جا چکے ہیں وہ اس کی (آگ کی) آہٹ تک نہ سن سکیں گے اور وہ اپنے مزوں میں ہمیشہ کی زندگی پایں گے۔ انہیں اس بڑی گھبراہٹ کا غم تک نہ ہوگا اور ان کو فرشتے۔

محمد بن حاطب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ آئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اور اس سے وہ زمین کریدتے جاتے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے جب کہا اولک عنھا مبعدون۔ وہ لوگ آگ سے دور کیے جا چکے ہیں تو فرمایا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا درجہ ہے۔

اولئك عنها مبعدون اولئك عثمان و اصحاب عثمان

چنانچہ آپ اس مقام کے لیے خود بھی حضرت عثمان کے نقش قدم پر چلے خود فرماتے ہیں۔

بخدا میں اسی نقش قدم پر ہوں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا آپ اللہ کی راہ میں وہ سبقتیں لے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی بھی بات پر اب نہ پکڑیں گے۔

آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قرآن خوانی کے بھی اتنے معتقد تھے کہ چھپ چھپ کر ان کی قرأت سنتے اور اپنے ایمان کی لذت دوبالا کرتے حضرت سعد سے روایت ہے:

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ینبع سے مدینہ آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سواری تھی اس لیے آپ نے روزہ رکھ لیا میرے پاس سواری نہ تھی میں نے بوجہ سفر روزہ نہ رکھا جب ہم مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے کیا دیکھتے ہیں کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور بڑے غور سے آپ کا قرآن پڑھنا سنتے

رہے آپ نے کہا آپ سورہ نحل سے پڑھ رہے ہیں۔
روایت میں یہ نہیں کہ یسمع قرآتہ بلکہ فرمایا یستمع قراتہ۔ استماع میں پورا دھیان لگا کر سننا ہے اور اس کی شان اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب پڑھنے والا اپنی دُھن میں پڑھ رہا ہو اور سننے والا پوری عقیدت سے سرشار ہو۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا:

ذاك امريدعى فى الملاء الا علىٰ ذالنورين

''یہ وہ شخص ہے جسے ملاء اعلیٰ (اوپر کے جہان) میں ذوالنورین کے نام سے بلایا جاتا ہے آپ نے یہاں تک فرمایا''۔

من تبراء من دين عثمانؓ فقد تبرا من الايمان۔

''جو شخص حضرت عثمانؓ کے دین سے لاتعلق ہو جائے وہ ایمان سے ہی لاتعلق ہو جائے گا''۔

یہ حضرت عثمان کی دینداری دیانت اور اللہ تعالیٰ سے صدق معاملہ کی ایک نہایت قوی شہادت ہے

مومنین کی شان میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کامل مومنین کی شان یہ بیان کی ہے

الذين امنو وعملوالصلحت ...... ثم اتقوا و امنو وعملو الصلحت ثم اتقوا و امنو الم اتقوا واحسنوا والله يحب المحسنين (پ ۷ المائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ...... جب وہ آئندہ ڈرتے رہے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر وہ تقویٰ میں رہے اور انہوں نے یونہی کیا پھر وہ ڈرتے رہے اور انہوں نے نیکی کی، اللہ ایسے نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

لوگوں نے حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے بارے میں پوچھا تھا آپ نے یہ آیت پڑھ دی اور فرمایا حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے فرمایا:

اخبرهم ان قولى فى عثمان احسن القول كان من الزين امنوا وعملوا الصلحت ...... الخ

ان کو بتلا دو کہ میرا قول حضرت عثمان ؓ کے بارے میں بہترین قول ہے
وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے پھر
وہ ڈرتے رہتے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے...... الایہ (اور پھر
ساری آیت پڑھ دی)

اور یہ بھی فرمایا:

حضرت عثمان ؓ ہم سب میں بہتر تھے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے اور آپ ہم میں سب سے زیادہ حیادار تھے پاکیزگی میں سب سے زیادہ تھے اور اللہ رب العزت سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

حضرت حسن حضرت عثمان کی شان میں

حضرت علی ؓ کے جانشین بلافصل حضرت حسن تھے اب اس شہزادہ صلح وصفا کی زبان سے حضرت عثمان ؓ کی مدح سنیے آپ اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں اور یہ واقعہ حضرت عثمان ؓ کی خلافت کا نہیں کہ انکی مدح وثنا کسی غرض سے ہو یہ حضرت علی ؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے اور آپ جب اپنا یہ خواب بیان کر رہے تھے۔ حضرت علی ؓ پاس ہی بیٹھے تھے آپ کہتے ہیں:

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ عرش پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور میں نے حضرت ابوبکر ؓ کو دیکھا آپ کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر تھا اور حضرت عمر ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ پر ہاتھ رکھے دیکھا اور حضرت عثمان ؓ کو حضرت عمر ؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھے دیکھا اور میں نے دیکھا ان کے درے خون ہی خون بہہ رہے ہیں میں نے پوچھا یہ خون کی لہریں کیا ہیں؟ مجھے جواب دیا گیا یہ خون عثمان کی لہریں ہیں اللہ تعالیٰ اس کے خون کا بدلہ لے رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے

پھر حضرت عثمان ؓ آئے اور آپ کا سر آپکے ہاتھ میں تھا آپ نے کہا اے میرے رب اپنے بندوں سے پوچھ مجھے انہوں نے کس لیے قتل کیا پھر آسمان سے دو نالے اُٹھے خون کے زمین پر حضرت علی ؓ سے کہا گیا حسن یہ کیا کہا رہے ہیں فرمایو ہی کچھ کہہ رہے ہیں جو انہوں نے دیکھا ہے۔

حضرت حسن کی ایک اور روایت

حضرت حسن حضور اکرم ﷺ سے بھی روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا ان ابابکر منی بمنزله السمع وان عمر منی بمنزله البصر وان عثمان منی بمنزله الفواء
ابوبکر میرے لیے کان کے درجے میں ہیں عمر میری آنکھ ہیں اور عثمان میرا دل ہیں۔
یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق آپ کا اعتماد تھے حضرت عمر آپ کی بصیرت تھے اور حضرت عثمان ؓ سے تعلق جذبات کے درجہ میں تھا جن کا مورد دل ہوتا ہے سو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا پیکر تھے۔

حضرت حسین بھی خلافت عثمانی میں ساتھ رہے

عبداللہ بن ابی سرح ۲۶ ہجری میں مصر کے والی ہوئے اور آپ نے حضرت عثمان ؓ کے حکم سے افریقی ممالک پر چڑھائی کی آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اس میں مدینہ منورہ سے کئی لشکر تیار کیے ان میں کون کون حضرات تھے اس کی تحقیق کیجئے ہاں یہ بات یقینی ہے کہ ان میں حضرت حسین ؓ بھی شریک تھے اگر عثمانی خلافت حق نہ ہوتی تو یہ حضرات اس کے لیے جان کی بازی کیوں لگاتے۔

ابن خلدون لکھتا ہے:

آپ نے بہت سے لشکر مدینہ سے روانہ کیے ان میں صحابہ ؓ کی ایک بڑی جماعت شامل تھی ان میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن جعفر، حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر یہ سب حضرات شامل تھے یہ عبداللہ بن ابی سرح کے ساتھ ۲۶ھ میں نکلے تھے۔

پھر ۳۰ ہجری میں جو لشکر اسلامی کوفہ سے خراسان اور طبرستان کی مہم پر روانہ ہوا اور اس کے قائد سعید بن العاص اموی تھے ان لشکروں میں بھی حضرت حسن اور حضرت حسین شامل تھے تاریخ ابن جریر طبری میں ہے:

حضرت سعید ۳۰ ہجری میں کوفہ سے خراسان وغیرہ کی طرف روانہ ہوئے آپ کے ساتھ حضرت حذیفہ اور کئی دوسرے اصحاب رسول بھی شریک تھے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت ابن عباس عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو العاص اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت حسنین کی رائے گرامی اور ان کی روایات آپ کے سامنے ہیں اب آپ کے پوتے حضرت زین العابدین کی شہادت لیجیے آپ کے پاس عراق کوفہ کے کچھ لوگ آئے جو حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان کے بارے میں کچھ ایسی ویسی باتیں کر رہے تھے حضرت زین العابدین نے ان سے پوچھا کیا تم مہاجرین میں سے ہو جو گھروں سے بے گھر کیے گئے صرف اس لیے کہ وہ اللہ کی رضا ڈھونڈتے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا تو کیا تم انصار میں سے ہو جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی انہوں نے کہا ہم وہ نہیں۔اس پر آپ نے کہا:

اور تم نے خود ہی ان دو فریقوں (مہاجرین اور انصار) میں سے ہونے کا انکار کر دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس تیسرے فریق میں سے بھی نہیں جو ان کے بعد آئے اللہ نے ان کے بارے میں کہا ہے وہ کہتے ہیں اے اللہ ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لے کر جا چکے اور ان کے بارے میں ہمارے دلوں پر بوجھ نہ لاتا۔تم میرے پاس سے نکل جاؤ۔اللہ تم سے نبٹے۔ (کشف الغمہ ج۲ ص ۳۶۷)

اس روایت سے حضرت زین العابدین کی رائے حضرت عثمانؓ کے بارے میں بآسانی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ بیشک اپنے پیشروں کے قدم پر تھے اور ان کی شان میں بدگوئی ایسی ہے جیسی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں ...... اب جو لوگ حضرت عمرؓ کی تو مدح کریں اور حضرت عثمانؓ پر تنقید کریں حضرت زین العابدین ان سے یقیناً بیزار ہیں آپ انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دیتے تھے۔

امام باقر حضرت عثمان کے حق میں

سیدنا حضرت محمد باقر روایت کرتے ہیں حضرت عثمانؓ اپنی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے یہ اسی طرح کی روایت ہے جیسے حضرت جعفر صادق نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اپنی تلوار کو چاندی سے مزین رکھتے تھے سلف سے یہ روایات ان حضرات نے اپنے استدلال میں نقل کی ہیں حضرت محمد باقر فرماتے ہیں۔

ان عثمان تختم فی الیسار۔حضرت عثمان نے انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنی ہے۔

فقہی مسائل میں ان اکابر سے دلیل لانا بتلاتا ہے کہ اولاد علیؓ میں ان حضرات کی یاد کس انداز کی تھی اور یہ حضرات کس طرح دینی مسائل میں حضرت عثمانؓ کے عمل سے استدلال کرتے تھے۔

امام جعفر ﷺ صادق حضرت عثمان ﷺ کے حق میں

آسمان سے پہلے پہر اعلان ہوگا کہ علی اور انکی جماعت کامیاب ہیں اور پچھلے پہر آسمان سے آواز آئے گی۔ بیشک عثمان اور ان کی جماعت وہی کامیاب ہیں۔

ھم الفائزون میں خبر بوجہ معرفہ ہونے کے مبتدا میں منحصر ہے یہ حصر بلاتا ہے کہ حضرت جعفر صادق کے عقیدہ میں حضرت علی اور حضرت عثمان ﷺ کی جماعت ایک ہی ہے اور صرف وہی کامیاب اور فائز المرام ہیں اور حق یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ کے عقیدہ موقف اور عمل میں اصولاً کوئی اختلاف نہ تھا نہ حضرت عثمان ﷺ نے محمد بن ابی بکر کے کہنے پر خلافت چھوڑی نہ حضرت علی ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص کے کہنے پر......اور دونوں رضا الٰہی پا گئے۔

حضرت جعفر صادق صرف اپنی طرف سے حضرت عثمان کے معتقد نہ تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان ﷺ کی منقبت نقل کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بایاں ہاتھ کو حضرت عثمان ﷺ کا دایاں ہاتھ قرار دیا اور اپنے بایاں ہاتھ سے حضرت عثمان ﷺ کی بیعت لی ملا محمد بن یعقوب الکلینی روایت کرتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان ﷺ کی بیعت لی مسلمان پکار اٹھے کتنی بڑی سعادت ہے حضرت عثمان کی یہ سعادت عظمٰی کیا ہے اولا یہ کہ حضور ﷺ کے بایاں ہاتھ نے حضرت عثمان کے دائیں ہاتھ کی نمائندگی کی اس میں یہ راز بتلانا تھا کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ خیانت نہیں کرسکتا حضرت عثمان ﷺ کا دایاں ہاتھ ہر اندیشہ خیانت سے بالکل پاک اور بالا ہے کوئی شبہ نہ رکے کہ حضرت عثمان ﷺ اب اس بیعت سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بیعت کی جب وہ بدالٰہی پا گئے یداللہ فوق ایدیھم تو جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بایاں ہاتھ کے توسط سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس کا ہاتھ کس طرح خدا کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔

حضرت عثمان ﷺ کو یہ سعادت عظمی کیسے ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے دایں ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور پھر اسے اپنے ہاتھ میں لیا اپنے دایں ہاتھ میں جگہ دی یہ اس لیے کہ حضرت عثمان ﷺ اپنے دایں ہاتھ کو اپنی بیعت اسلام سے ہی اس قدر مبارک سمجھتے

تھے کہ آپ نے اسے پھر کبھی اپنی شرمگاہ پر نہ لگایا خود فرماتے ہیں

ولا مسست ذكري بيميني مند بايعت بها رسول الله ﷺ

اور میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے اپنے دایں ہاتھ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا تھا اپنی شرمگاہ کو نہیں چھواء۔

پھر طوبیٰ العثمان میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ وہ مسلمان سمجھ رہے تھے کہ حضرت عثمان ﷺ جب مکہ میں ہیں تو آپ نے طواف کعبہ اور سعی بین الصفاء والمروہ کی دولت بھی پا لی گئی ادھر یہ سعادت ادھر وہ دولت اور وہ یہ نہ سچ سکے کہ حضرت عثمان ﷺ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اس دولت طواف اور سعی کی طرف لپک سکتے تھے۔

ے بھی ہے مینا بھی ساغر بھی ہے ساقی نہیں
جی میں آتا ہے اٹھا ویں آج ے خانے کو ہم

حضرت عثمان ﷺ حضرت علی ﷺ اور ان کے خاندان کے افراد میں کس درجہ معزز اور بزرگ سمجھے جاتے تھے اس کے لیے ہم حضرت جعفر صادق تک اکتفا کرتے ہیں حضرت موسیٰ کاظم حضرت رضا حضرت جواد حضرت نقی ابوالحسن الثالث اور حضرت حسن عسکری کی روایات نہیں لانے کیونکہ اثناء عشری بھی تو فقہ جعفری سے آگے نہیں پڑھتے جب وہ آگے چلیں گے تو ہم حضرت عثمان ﷺ کے حق میں ان حضرات کی شہادتیں بھی پیش کر دیں گے اور حق یہ ہے کہ اس دور اختلاف میں حق کا نشان حضرت عثمان ﷺ ہی میں ھذا یومئذ علی الھدی انہی کی شان میں وارد ہے۔

اب بنو ہاشم کی دوسری شاخ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے خاندان سے بھی شہادت لیجئے ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے سیدنا حضرت عثمان ﷺ کے بارے میں رائے پوچھی اس میں دوسرے سامعین کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ حضرت عثمان ﷺ کے حق میں ہم بنوامیہ ہی رطب اللسان نہیں بنو ہاشم بھی آپکے بارے میں ایسی ہی رائے رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ابوعمرو عثمان پر رحمت فرمائے آپ بہت غرت یافتہ داماد اور افضل الابرار تھے سحر میں تہجد گزار تھے جہنم کے ذکر پر ان کے آنسو جاری ہو جاتے عزت کے کاموں پر اٹھ کھڑے ہوتے اور بخشش کرنے پر لپک کر (سبقت کر کے) جاتے بہت حیادار تھے برائی سے انکار کرنے والے اور اچھائی سے وفا کرنے والے تھے۔ تنگی کے وقت لشکر کے امدادی

تھے اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے جو شخص آپ کی برائی کرے اللہ تعالیٰ تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت اس پر قیامت تک مسلط رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کو حضرت عثمان ﷺ کے بارے میں یہ رائے اور بصیرت کہاں سے ملی اور کن دلائل وشواہد سے انہوں نے یہ رائے قائم کی اس کے لیے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ انکا علم بیشتر حضرات علی ﷺ سے ماخوذ تھا پس ان کی یہ رائے حضرت علی ﷺ کی رائے کی ہی صدائے بازگشت ہوگی آپ فرماتے ہیں:

علی علمنی و کان علمه من رسول الله و رسول الله علمه من الله من فوق عرشه فعلم النبی من الله و علم علی من النبی و علمی من علم علی۔

مجھے علم علی سے ملا ہے ان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ سے عرش کے درے سے آیا ہے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اللہ سے پایا حضرت علی ﷺ نے حضور سے پایا اور میرا علم حضرت علی ﷺ کے علم میں سے ہی ہے۔

حضرت عباس کی نماز جنازہ حضرت عثمان ﷺ نے پڑھائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہاشمی خاندان کے بزرگ ترین فرد سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے آنحضرت ان کی بہت تعظیم کرتے اور انہیں والد کے درجے میں سمجھتے تھے، حضرت علی بھی ان کی بہت تعظیم کرتے اور حضرت عثمان ﷺ تو انہیں دیکھتے ہی پا پیادہ ہو جاتے جب یہ فوت ہوئے تو ان کا جنازہ کس نے پڑھایا؟ اس پر غور کریں اور ان حالات کی تصویر اپنے سامنے رکھیں جو ہاشمیوں اور اس اموی خلیفہ کے باہمی تعلقات و مودت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔

حضرت عباس ﷺ ۳۲ ہجری میں ۸۸ سال کی عمر میں حضرت عثمان ﷺ کی شہادت سے دو سال پہلے فوت ہوئے حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

صلی علیه عثمان رضی الله عنه و دفن بالبقیع وهو ابن ثمان و ثمانین سنة

''آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان ﷺ نے پڑھائی اور آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا آپ کی عمر ۸۸ سال کی تھی''۔

اولاد علی رضی اللہ عنہ اور اولاد عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کی نماز جنازہ ۸۱ھ میں حضرت عثمان کے صاحبزادے ابان بن عثمان نے پڑھائی۔ حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر طیار جو غزوہ موتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں شہید ہوئے تھے ان کے بیٹے عبداللہ جعفر ۸۰ھ کو ہاشمیوں میں کیا منزلت حاصل تھی یہ کسی سے مخفی نہیں ان کی نماز جنازہ بھی ابان بن عثمان نے پڑھائی۔ یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ ان حضرات میں کوئی باہمی عداوت نہ تھی سب آپس میں خوشگوار تعلقات رکھتے تھے عداوت کی کہانی عرصہ بعد یہودیوں نے گھڑی اور نادان دوست یہود کے اسی ریلے میں بہہ گئے۔

ان کنت لا تدری تلك مصيبة
وان كنت تدری فالمصيبته اعظم

اولاد علی اور اولاد عثمان کا یہ گہرا رابطہ صرف ایسے مواقع پر ہی نہ تھا انکے باہمی نکاح آپ پہلے دیکھ آئے ہیں حضرت علی کی پوتی سیدہ سکینہ بنت حسین حضرت عثمان کے پوتے زید بن عمرو کی بیوی تھیں حضرت علی کی دوسری پوتی فاطمہ بنت حسین حضرت عثمان کے دوسرے پوتے عبداللہ بن عمرو کے نکاح میں تھیں حضرت علی کی پڑپوتی اُم القاسم بنت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کے پوتے مروان بن ابان کے نکاح میں تھیں ابان بن عثمان کے نکاح میں حضرت علی کے بھائی جعفر طیار کی پوتی ام کلثوم تھیں حضرت علی کے خاندان اور حضرت عثمان کے خاندان کے یہ رابطے اس خوشگوار فضا کا پتہ دیتے ہیں جو ان دنوں بنو ہاشم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین قائم تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں دامادوں میں کوئی ذہنی یا قلبی کھچاؤ نہ تھا نہ ان میں کوئی خاندانی چشمک تھی حضرت علی حضرت عثمان کو ہمیشہ اپنا بڑا سمجھتے رہے اور حضرت عثمان بھی ہمیشہ ان سے شفقت کا برتاؤ کرتے رہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے جو چھ رکنی کمیٹی قائم کی یہ دونوں حضرات اس کے ممبر تھے۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی ان چھ میں سے تھے حضرت طلحہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت

زبیر حضرت علی ﷺ کے حق میں اور حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دستبردار ہو گئے تو پھر حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میں خلافت کا امیدوار نہیں ہوں اب معاملہ میرے سپرد کر دیجیے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی ﷺ میں سے کسی کے حق میں فیصلہ دوں حضرت عبدالرحمٰن نے اس میں پھر اور کئی صحابہ سے بھی مشورہ لیا امہات المومنین سے بھی رائے لی اور حضرت عثمان ﷺ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور سب سے پہلے آپ کی بیعت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن نے بیعت سے پہلے دونوں حضرات سے میثاق لیا تھا کہ میں تم میں سے افضل ترین کو چنوں گا اور میں جو فیصلہ کروں تم دونوں کو ماننا ہوگا آپ نے کہا:

افتجعلونه الی والله علی ان لا الوعن افضلکم قالا نعم فاخذبید احدهما، فقال لك قرابة من رسول الله ﷺ وایقدم فی الاسلام ما قد علمت فالله علیك لئن امرتك لتعدلن ولئن امرت عثمان لتسمعن ولتطیعن ثم خلابالاخر فقال له مثل ذلك فلما اخذ المیثاق قال ارفع یدك یا عثمان فبایعه فبایع له علی وولج اهل الدار فبایعوه۔

کیا تم یہ معاملہ میرے سپرد کرتے ہو؟ خدا اسے دیکھے گا کہ میں تم میں سے بہترین کے انتخاب میں کوئی کمی نہ کرونگا۔ پھر دونوں نے آپ کو اسکا اختیار دے آپ نے ایک کا ہاتھ پکڑ کر اور وہ علی تھے عہد لیا اور آپ سے کہا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرابت ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف دامدادی حاصل ہے) اور آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں یہ آپ کو معلوم ہے اگر میں آپ کو امیر بنادوں تو آپ عدل کا نظام قائم کریں گے اور اگر میں عثمان کو امیر بنادوں تو آپ ان کی بات مانیں گے اور انکی طاعت کرینگے۔ پھر آپ نے دوسرے (حضرت عثمان ﷺ) سے بھی علیحدگی میں یہی بات کہی (کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف دامدادی حاصل ہے اور آپ بھی پہلے اسلام لانے والوں میں

سے ہیں اگر میں آپ کو امیر بنادوں تو آپ عدل کا نظام قائم کریں گے اور اگر میں علی کو امیر بنادوں تو آپ ان کی اطاعت کرینگے) آپ نید ونوں سے یہ عہد لے لیا تو حضرت عثمان ﷺ سے کہا ہاتھ بڑھائیں اور پھر آپ کی بیعت کر لی پھر حضرت علی ﷺ نے آپ کی بیعت کی اور گھر میں سب جمع لوگ اچھل پڑے اور سب نے آپ کی بیعت کی۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ پہلے حضرت عبدالرحمٰن نے بیعت کی پھر حضرت علی ﷺ نے کی لیکن ایک دوسری روایت میں حضرت علی ﷺ کو سب سے پہلے بیعت کرنے والا بتلایا گیا ہے حنفیٰ کہتا ہے

انا رایت علیا بایع عثمان اول الناس ثم تتابع الناس فبا یعوا۔

حافظ ابن کثیر بھی لکھتے ہیں:

با یعه علی اولا و یقال آخرا

پہلے حضرت علی نے آپ کی بیعت کی اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے بعد میں کی۔

یہ دوسرا قول جو عبدالرزاق کی روایت میں مروی ہے صیغہ تمریض یقال سے نقل کیا گیا ہے حضرت علی کی یہ اولیت بیعت عامہ کے مقابلہ میں ہے ورنہ اس میں کلام نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن نے سب سے پہلے بیعت کی تھی۔

سیدنا حضرت عثمان ﷺ کی بیعت تاریخ اسلام کا مضبوط ترین میثاق ہے اس بیعت میں جو احتیاط انتظار علیحدہ علیحدہ مشورے عورتوں تک سے رائے لینا اور پھر تین دن تک سوچ و بچار اور پھر فیصلہ اور اعیان صحابہ کا بروقت بلا کسی اختلاف اور تردد کے اس بیعت میں داخل ہونا اس کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ میں اچانک عمل میں آیا اور پھر مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی حضرت علی کا انتخاب بھی اچانک عمل میں آیا اور آپ بیعت لینے سے ہاتھ کھینچتے رہے سو یہ بات بلا خوف و تردد کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عثمان ﷺ کے انتخاب خلافت میں جو حزم و احتیاط اور فکر و انتظار عمل میں لائی گئی یہ واقعی تاریخ اسلام کا مضبوط ترین میثاق تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

لم تیفق الناس علی بیعة کما انفقوا علی بیعة عثمان ولا المسلمون بعد تشاورهم ثلثة ایام دهم موتلفون متفقون متحابون متوادون معتصمون بحبل الله جمیعا

''لوگ اس طرح قاطبۃ کسی بیعت پر متفق نہیں ہوئے جس طرح بیعت عثمان پر جمع ہوئے مسلمانوں نے تین دن کے سوچ و بچار سے آپ کو خلافت کے لیے چنا اور اس حال میں آپ کا انتخاب عمل میں آیا کہ سب آپس میں الفت سے تھے متفق تھے باہمی محبت ومودت رکھتے تھے اور سب اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس اجماعی کیفیت پر تبصرہ

ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (۴۶۰ھ) سیدنا حضرت علی سے نقل کرتے ہیں:

لما قتل جعلنی سادس ستة فد خلت حیث اد خلنی وکرهت ان افرق جماعة المسلمین واشق عصاهم فبایعتم عثمان فبا یعته

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے مجھے چھ رکنی کمیٹی میں شامل کیا آپ نے جہاں مجھے داخل کیا میں داخل ہ گیا اور میں نے اسے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں کے اس اجماع میں تفرقہ ڈالوں اور انکی قوت میں تفریق پیدا کروں سو جب تم نے حضرت عثمان کو چن لیا تو میں نے بھی آپ کی بیعت کرلی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے اس قوی ترین اجماع کو نہ توڑا جائے اور مسلمانوں کی مجموعی قوت دو ٹکڑے نہ ہو خدمت اسلام کے اسی جذبہ سے آپ حضرت عثمان کی بیعت میں داخل ہوئے اور آخر تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار رہے اور حق یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر یہ ایک ایسا اجماع ہے جس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ملتی۔

حضرت علی ؓ حضرت عثمان ؓ کی شوری میں

حضرت عثمان ؓ خلیفہ ہوئے تو اجرائے احکام کی علمی ضرورتوں اور عملی صورتوں میں حضرت علی ان کے ساتھ برابر شریک رہے آپ نے ان سے وفا کا جو عہد باندھا تھا وہ پورا کیا اور حضرت عثمان بھی کوئی فیصلہ نہ فرماتے جب تک اس چھ رکنی کمیٹی کی اکثریت آپ کے ساتھ نہ ہوتی امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

کان عثمان رضی الله عنه اذا جلس علی المقاعدجاء الخصمان فقال لاحدهما اذهب اداع علینا وقال للاحسن فادع طحه والزبیر ونفرا من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ثم یقول لهما تکلما ثم یقبل علی القوم فیقول ما تقولون فان قالوا مابوافق رایه امضاء ولا نظر فیه بعد۔

حضرت عثمان جب کرسیوں میں آ بیٹھتے اور آپ کے پاس مقدمہ کے لوگ آتے تو آپ ایک کو ادھر بھیجتے کہ حضرت علی کو بلا لائیں اور دوسرے کو کہتے حضرت طلحہ و زبیر اور کچھ اور اصحاب رسول کو بھی بلائیں (وہ سب جب کرسیوں پر آ بیٹھتے تو) آپ ہر فریق مقدمہ کو کہتے اپنی بات کہو پھر ان ارکان شوریٰ سے پوچھتے اگر وہ حضرت عثمان ؓ کی رائے کے مطابق بات کہتے تو آپ اُسی وقت حکم صادر فرما دیتے بصورت دیگر آپ اس میں اور غور کرتے۔

حضرت عثمان علمی مسائل میں اہل الرائے حضرات میں سے تھے آپ ان حضرات سے اس لیے پوچھتے کہ ممکن ہے ان میں سے کسی کے پاس اس مسئلے میں کوئی روایت موجود ہو اور حضرت علی اور حضرت طلحہ و زبیر کو مشورہ کے لیے خاص طور پر طلب فرماتے اور یہ حضرات بھی آپ کے عدالتی نظام کو کامیاب کرنے کے لیے کوئی کمی نہ کرتے **فجزاهم الله احسن الجزء** اور اسی طرح سے خلافت راشدہ کی گاڑی آگے چلتی رہی حضرت علی مرتضیٰ اس سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں اترے۔

ولید بن عقبہ پر جب گواہ پیش ہو چکے تو حضرت عثمان ﷺ نے حضرت علی ﷺ سے کہا کہ آپ اس پر سزا جاری کریں آپ نے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کو کہا کہ وہ ولید کو کوڑے لگائے وہ کوڑتے لگاتے رہے اور حضرت علی ﷺ گنتے رہے صحیح بخاری میں ہے:

ان عثمان دعا عليا فامره ان ججلده فجلده ثمانين

حضرت عثمان نے حضرت علی کو بلوالیا اور آپ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں اس پر آپ نے اسے اسی کوڑے لگوائے۔

یہاں کوڑے لگانے سے مراد کوڑے لگوانا ہے حضرت علی ﷺ نے عبداللہ بن جعفر کو حکم دیا تھا کہ وہ کوڑے لگائے۔

فقال عثمان لعلى اقم عليه الحد فامر عبدالله بن جعفر ان يجلده فاخذ فى جلده وعلى بعد۔

ترجمہ: حضرت عثمان نے حضرت علی کو کہا آپ اس پر حد جاری کریں آپ نے عبداللہ بن جعفر کو کہا کہ وہ کوڑے لگائے اور آپ انہیں گنتے رہے۔

جب چالیس ہو چکے تو آپ نے اسے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا حضور اور حضرت ابو بکر ﷺ چالیس کوڑوں کا ہی حکم دیتے رہے حضرت عمر ﷺ بھی پہلے اسی سزا پر رہے پھر آپ نے پوری سزا اسی کوڑے دینی شروع کی اور ان میں سے ہر ایک سزا سنت ہے قانون کے موافق ہے اور یہ اسی کوڑے کی سزا میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح آپ نے اسے اسی کوڑے لگوائے۔

محمد بن یعقو ب کلینی نے چالیس کوڑوں کی مختلف صورت بتلائی ہے وہ کہتا ہے کوڑے کی دو شاخیں تھیں اور دونوں اسے لگتی تھیں چالیس ضربوں سے اس طرح اسی کوڑوں کی سزا اتمام ہو گئی امام باقر ﷺ کہتے ہیں:

قال عثمان لعلى صلوات الله عليه اقض بينه وبين هولاء الذين يزعمون اه شوب الخمر فامن على فجلد بوسط له شعبتان اربعين جلدة۔

ترجمہ: حضرت عثمان نے حضرت علی کو کہا آپ ولید ہیں اور ان لوگوں میں جو اسکیش راب پینے کے مدعی نہیں فیصلہ کر دیجیے حضرت علی ﷺ نے

(جب اسیر گواہی ہو چکی) حکم صادر فرمایا اور اسے اس کوڑے سے جس کی دو شاخیں تھیں چالیس کوڑے لگائے گئے)۔

اس وقت کوڑوں کی تعداد سے بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کس طرح ان کے ساتھ ساتھ رہے اور بیعت کے وقت انہوں نے جو عہد کیا تھا اسے کس خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے فقہ جعفری میں بھی شراب کی سزا اسی کوڑے ہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجرائے حکم کا ایک اور واقعہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک قیدی نے ایک شادی شدہ قیدی عورت صفیہ سے زنا کیا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا صفیہ کا خاوند اور زانی دونوں اس بچے کے مدعی ہوئے یہ مقدمہ عثمان کے پاس آیا آپ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں اسکا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق کروں گا امام احمد روایت کرتے ہیں:

فاختصما الیٰ عثمان فو فعهما الی علی بن ابی طالب فقال علی اقضی فیهما بقضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم الولد للفراش وللعاصر الهجر وجلد هما خمین خمین۔

ترجمہ: سو دونوں جھگڑتے حضرت عثمان کے پاس آئے آپ نے یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق کروں گا لڑکا اس خاوند کو ملے گا اور زانی اور زانیہ کو پچاس پچاس کوڑے لگوائے۔

حضرت کے شوریٰ میں ہونے کی ایک اور شہادت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ ایک شخص نے ایک قریشی لڑکے سے بدفعلی کی ہے وہ شخص شادی شدہ تھا مگر اس کی بیوی کی ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا جب یہ شخص اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس پر کوڑوں کی سزا ہے رجم کی نہیں اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سو درے لگانے کا حکم دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ممبر شوریٰ تھے۔

حضرت علی ؓ کے اجرائے حکم کا ایک اور واقعہ

ایک شخص نے دوسرے کی آنکھ پھوڑ ڈالی اور اس کی بینائی جاتی رہی حضرت عثمان ؓ نے اسے دیت لینے پر راضی کرنا چاہا وہ راضی نہ ہوا حضرت عثمان ؓ نے مقدمہ حضرت علی ؓ کے پاس بھیج دیا آپ نے بھی اسے دیت پر راضی کرنا چاہا کہ وہ دیت لے لے لیکن قصاص نے لے (دوسرے کی آنکھ نہ نکالے) آپ نے اسے دوگنی دیت لینے کے لیے بھی آمادہ کیا مگر وہ قصاص کے سوا کسی چیز کے لیے آمادہ نہ تھا۔ حضرت جعفر صادق سے مروی ہے:۔

فارسل بهما الى على عليه السلام وقال احكم بين هذين فاعطاه الدية فابى ...... فقال الا اريد الا القصاص۔

ترجمہ: حضرت عثمان نے انہیں حضرت علی کے پاس بھیج دیا اور کہا ان میں فیصلہ جاری کیجئے آپ نے اسے دیت لینے کو کہا اس نے انکار کر دیا......
اور کہا میں قصاص (آنکھ کے بدلے آنکھ) چاہتا ہوں۔

ایک کنیز جسے آزاد ہونے میں چوتھائی مدت باقی تھی زنا کی مرتکب ہوئی سوال پیدا ہوا کہ اس پر آزاد عورت کی حد لگائی جائے یا اسے باندی کی سزا دی جائے حضرت عثمان ؓ نے یہ مقدمہ حضرت علی ؓ کے سپرد کیا آپ نے فیصلہ دیا کہ اسے آزاد عورت کی تین چوتھائی سزا اور باندی کی ایک چوتھائی سزا دی جائے۔

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے دی وہ ابھی عدت طلاق میں تھی کہ وہ شخص فوت ہو گیا اس مطلقہ نے خاوند کی میراث کا دعویٰ کیا حضرت عثمان ؓ نے یہ مقدمہ بھی حضرت علی کے سپرد کیا آپ نے فیصلہ دیا کہ جب تک عورت عدت میں رہے وہ زوجیت کے حکم میں ہے وہ اپنے خاوند سے گو وہ اسے طلاق دے چکا میراث پائے گی۔

ریاست خیر پور کے شیعہ سید المتکلمین عارف حسین نے سید الاوصیاء کے نام سے حضرت علی کی سوانح العمری لکھی ہے جسے کتبخانہ اثنا عشری لاہور نے مغل حویلی سے شائع کیا ہے اس میں موصوف ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کے عہد میں بہت سے فیصلے کیے اور لوگوں کو ناانصافی سے بچاتے رہے ہیں۔

اور واقعات بھی بہت ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ میں حضرت علیؓ کس خلوص دل سے حضرت خلفائے ثلثہؓ کے ساتھ رہے ہیں ان تینوں خلافتوں میں اجرائے حدود کا کام زیادہ تر آپ کے ہی سپرد رہا۔

ان ابابکر وعمر و عثمان کانوا یرفعون الحدود الی علی بن ابی طالب

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ حدود کے فیصلے حضرت علیؓ کے ہی سپرد کرتے رہے۔

یہ صورت عمل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت علیؓ پہلی تین خلافتوں میں اپنے ان اکابر کے ساتھ پوری طرح ممد و معاون رہے ہیں اور اللہ کے احکام جاری کرنے میں وہ ان حضرات کے ساتھ پوری طرح شریک تھے اولاد علی میں آپ کو ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نام اس کثرت سے ملیں گے کہ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ سیدنا حضرت علیؓ کو ان حضرات سے معاذ اللہ کسی قسم کا بعد اور بوجھ تھا ان حضرات میں باہمی بغض و عداوت ثابت کرنا اور ان میں نفرت اور تبرا کے کانٹے بونا نہ کوئی دین کی خدمت ہے اور نہ علم و شرافت اس کی اجازت دیتے ہیں مبارک ہیں وہ جو ان میں مودت کے داعی ہیں اور بدقسمت ہیں وہ جو ان میں عداوت اور نفرت پھیلانا عبادت سمجھتے ہیں۔